www.iqbalkalmati.blogspot.com

بچوں کے لئے منتخب

دلچسپ اور سبق آموز

50

کہانیاں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

☆☆☆☆ فہرست ☆☆☆☆

1	انوکھا انصاف	05
2	ٹھنڈا میٹھا کمبل	08
3	احسان کا بدلہ	11
4	اصلی کارنامہ	15
5	صبح کا بھولا	18
6	بہادر بونے	23
7	اُلٹا جوتا، سیدھا پاؤں	27
8	آخری فیصلہ	32
9	پاگل لڑکی	33
10	جوکروں کی ملکہ	40
11	فقیر کی بددعا	43
12	جادوگر اور آدم خور دیو	47
13	دوستی دشمنی	50
14	کرسٹل والا گھوڑا	55
15	بوجھو تو جانیں	58
16	ایک آنکھ والا دیو	60
17	سوئی ہوئی شہزادی	62
18	روح کا انتقام	64
19	کنویں کا راز	68
20	بھوت بھی ڈر گیا	70
21	ڈھول کا پول	74
22	ڈانگ ڈومانگ ڈو	76
23	دوسری خواہش	80
24	جادوگر کا انجام	85
25	مینڈک شہزادہ	87
26	کون بنے گا بادشاہ	91
27	بادشاہ بننے کا خواب	93
28	چوروں کو پڑ گئے مور	95
29	خونی چڑیل	99
30	شرارتی چیتا	102
31	لالچی دوست	105
32	لالچی تاجر	107
33	نادان شہزادہ	109
34	رات کی بات	112
35	سچی خوشی	115
36	شہزادی دلنشین	117
37	اڑنے والا صندوق	120
38	جہنمی مخلوق	122
39	ننھی مکھی	126
40	طلسمی انگوٹھی	129
41	خواب کی تعبیر	132
42	شہزادی گل بخش	135
43	مجرم پکڑا گیا	137
44	ملکہ کی ذہانت	140
45	پکنک پارٹی	142
46	آبِ حیات	145
47	سیدھے راستے کی تلاش	147
48	خوفناک مکڑی	150
49	کہانی ایک ٹھگ کی	155
50	خیرالدین باربروسہ	157

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عرضِ ناشر

ایک وہ بھی زمانہ تھا کہ بچے جنوں اور پریوں کی کہانیاں بڑے شوق سے سُنا اور پڑھا کرتے تھے۔ جب تک دادی، نانی یا امی انہیں کہانی نہ سناتیں اس وقت تک انہیں نیند ہی نہیں آتی تھی لیکن آج کل معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ اب بچوں میں کہانیاں سننے کا شوق رفتہ رفتہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اوّل تو بچوں کے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوتا کہ وہ تھوڑی دیر دادی یا نانی کے پاس بیٹھ کر کہانی سُن لیں۔ اگر انہیں کبھی پڑھائی سے فرصت مل بھی جائے تو وہ کمپیوٹر یا گیمز کھیل کر یا کارٹون فلمیں دیکھ کر دل بہلا لیتے ہیں۔

آج کل کے بچے بڑوں سے زیادہ مصروف ہو گئے ہیں۔ جب دیکھو کتابوں میں سر دیئے بیٹھے ہیں۔ بے چارے سارا دن اسکول میں مغز ماری کر کے آتے ہیں اور پھر گھر میں ٹیوشن پڑھتے ہیں۔ اب تو ان کے لئے گھر بھی گھر نہیں رہے، اسکول بن گئے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ کتابیں تو دو چار ہوتی تھیں تعلیم کا معیار بلند ہوتا تھا۔ آج کل کے بچوں پر تو کتابوں کے ڈھیر لاد دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح بچے ڈھیر ساری کتابوں سے گھبرا جاتے ہیں اور جیسے تیسے جان چھڑانے کی فکر کرتے ہیں۔

نانی اماں کو بچوں کی اچھی بھلی صحت پر بھی شک ہوتا ہے۔ ”دیکھو تو بچے کتنے کمزور ہو گئے۔ ارے ان موٹی موٹی کتابوں نے تو بچوں کا خون ہی چوس لیا ہے۔“

بھئی مانا کہ اکیسویں صدی کے بچے زیادہ چالاک اور تیز ہیں اور ان کا مستقبل بہت درخشاں ہے لیکن بچے ہنستے کھیلتے اور شرارتیں کرتے ہی اچھے لگتے ہیں۔ ویسے بھی بچے تو جنت کے پھول ہیں اور گھر میں رونق ان ہی کے دم سے ہوتی ہے۔ اللہ کرے یہ تمام پھول ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہیں اور اپنی شرارتوں سے سب کا دل بہلاتے رہیں۔ (آمین)

والسلام۔ ادارہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انوکھاانصاف

بہت عرصہ پہلے کاذکر ہے، ملک یمن کے کسی شہر میں ایک بہت نیک اور شریف آدمی رہا کرتا تھا۔ یہ آدمی ایک ماہر درزی تھا۔اس کے ہاتھوں کے سلے ہوئے کپڑوں کی شہر میں بڑی دھوم تھی۔ اس کا پورا نام تو کوئی نہیں جانتا تھا مگر لوگ اسے ''عبدل'' کہا کرتے تھے۔اور وہ اسی نام سے مشہور تھا۔

وہ زیادہ تر امیر خواتین کے لئے قیمتی ملبوسات سیا کرتا تھا جو بہترین سلک اور بروکیڈ سے بنائے جاتے تھے۔ان ملبوسات کے لئے وہ عام طور پر کپڑا بھی خود ہی خریدا کرتا تھا۔

ایک روز عبدل کپڑا خریدنے کے لئے مارکیٹ گیا۔جس کپڑے کی تلاش میں وہ اس وقت مارکیٹ پہنچا تھا،اس کپڑے سے اسے ایک امیر تاجر کی بیٹی کے لئے شادی کالباس تیار کرنا تھا۔

کافی دیر مارکیٹ میں گھومنے کے بعد اسے دلہن کے لباس کے لئے قیمتی بروکیڈ کاایک کپڑا پسند آیا۔اس نے وہ کپڑا خرید کر اپنی ہاتھ گاڑی میں رکھ لیا۔ یہ ہاتھ گاڑی لکڑی سے بنی ایک ٹرالی نما چیز ہوا کرتی تھی جس میں لوگ اپنا سامان خرید خرید کر رکھتے تھے۔

ہاتھ گاڑی میں کپڑا رکھنے کے بعد عبدل اپنی پسند کا کوئی دوسرا کپڑا تلاش کرنے لگا......مگر جب وہ دوسرا کپڑا خرید کر اپنی ہاتھ گاڑی کی جانب مڑا تو وہ اپنی جگہ سے غائب تھی۔ عبدل نے ہر طرف اپنی ہاتھ گاڑی ڈھونڈی مگر اس کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔ وہ خوب چیخا چلایا، راہ چلتے لوگوں سے پوچھا مگر کوئی اس کی گاڑی اور اس میں رکھے ہوئے قیمتی کپڑے کے بارے میں کچھ نہ بتا سکا۔

چوری کی خبر مارکیٹ سے ہوتی ہوئی سارے شہر میں پھیل گئی۔ کچھ ہی دیر بعد ہر ایک شخص اس چوری کے بارے میں باتیں کررہا تھا کہ آخر یہ کام کس کا ہوسکتا ہے؟ عبدل کو اداس اور پریشان دیکھ کر اس کے چند دوست شہر کے مشہور قاضی ''عمر کریم'' کے پاس پہنچ گئے۔عمر کریم کے انصاف کا چرچا دور دور تک تھا۔ وہ حیرت انگیز طور پر مشکل سے مشکل مقدمے کا حل ڈھونڈ نکالتے لہٰذا اس کی ذہانت کے سب قائل تھے۔

عمر کریم نے عبدل کو عدالت میں بلایا اور اس کی زبانی چوری کی پوری تفصیل سنی، ساری باتیں انتہائی غور سے سننے کے بعد قاضی عمر کریم نے ان تمام لوگوں کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیا جو چوری کے وقت عبدل کے ساتھ مارکیٹ میں موجود

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھے۔ ان میں مارکیٹ کے دکانداروں کے ساتھ ساتھ عام خریدار بھی شامل تھے۔

جب تمام لوگ عدالت میں پہنچ گئے تو قاضی عمر کریم نے عدالت کی کارروائی شروع کی۔ کارروائی شروع کرنے سے پہلے اس نے اچھی طرح اس بات کی تسلی کر لی تھی کہ تمام افراد وہاں پہنچ گئے تھے یا نہیں! سب لوگ عدالت کے کمرے میں ادب کے ساتھ خاموش بیٹھے تھے کیوں کہ وہ سب قاضی کا بڑا احترام کرتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ اس وقت مقدمے پر غور و خوض کر رہا تھا۔

قاضی نے خاموشی کے ساتھ باری باری ان سب کے چہروں پر ایک نظر ڈالی اور چند لمحوں کے بعد عدالت کے باہر کھڑے سپاہیوں کو بلایا۔ سارے سپاہی فوراً ہی قاضی صاحب کے سامنے حاضر ہو گئے۔

قاضی نے ان سپاہیوں کو حکم دیا کہ ''مارکیٹ کے باہر چوک میں لگے محافظ سپاہی کے مجسمے کو گرفتار کر کے یہاں لاؤ، کیوں کہ اس نے اپنی ڈیوٹی انجام نہیں دی ہے...... اس کی موجودگی میں یہ چوری کیسے ہو گئی؟''

تمام سپاہی حیرت سے قاضی کا منہ تکنے لگے........ بالآخر ان میں سے ایک نے ہمت کر کے کہا۔ ''جناب، آپ ایک پتھر کے مجسمے کو گرفتار کرنے کا حکم دے رہے ہیں؟''

''ہاں!'' قاضی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''فوراً اس حکم کی تعمیل کرو۔''

سپاہی حکم کی تعمیل میں روانہ ہو گئے اور چوک میں نصب محافظ سپاہی کے مجسمے کو رسیوں سے باندھ کر عدالت میں اٹھا لائے۔ عدالت میں موجود لوگ مجسمے کو رسیوں سے جکڑا دیکھ کر ہنسنے لگے اور ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے کہ شاید قاضی پاگل ہو گیا ہے! خود عبدل کی بھی بے اختیار زور سے ہنسی نکل گئی....... اس کو ہنستا دیکھ کر دوسرے لوگ بھی بلند آواز میں ہنسنے لگے۔ ان سب کی ہنسی روکے نہیں رک رہی تھی۔

قاضی چند لمحوں تک خاموشی کے ساتھ سب کو دیکھتا رہا پھر وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں حکم دیا۔ ''خاموش! عدالت کی کارروائی شروع ہو چکی ہے۔''

سب لوگوں نے اپنے قاضی کے چہرے پر چھائی سنجیدگی کو دیکھا اور ایک دم خاموش ہو گئے۔ کیوں کہ وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے وہ خاموش رہنے پر مجبور تھے۔

''تم سب نے عدالت کی توہین کی ہے۔'' قاضی نے غصے سے کہا۔ ''لہٰذا تم سب کو اس جرم کی پاداش میں جرمانہ دینا پڑے گا!''

اب تمام لوگ اپنی اپنی گردنیں جھکائے خاموش بیٹھے تھے کہ قاضی ان کیلئے کیا سزا تجویز کرتا ہے۔ کچھ دیر سوچنے کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بعد قاضی نے کہا۔"جرمانہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو اس وقت عدالت میں کپڑے کا ایک ایک ٹکڑا جمع کرانا ہوگا" عدالت میں موجود تمام لوگوں نے سکون کی ایک سانس لی.....کپڑے کا چھوٹا سا ٹکڑا دینا تو کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔

عدالت کے سپاہی ہر ایک شخص کے پاس جا کر کپڑے کا ٹکڑا وصول کرنے لگے۔ کسی نے اپنے لباس کا کونہ پھاڑ کر دیا تو کسی نے اپنا رومال جرمانے میں پیش کر دیا۔ عبدل درزی غور سے اس تمام کارروائی کا جائزہ لے رہا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا تھا؟

مگر پھر اچانک ہی وہ چلایا۔

"یہ میرا کپڑا ہے!" اس کی نظریں ایک شخص کے ہاتھ میں دبے بروکیڈ کے ایک ننھے سے ٹکڑے پر جمی ہوئی تھیں، جسے وہ سپاہی کو پیش کرنے جا رہا تھا۔

"یہ اسی کپڑے کا ٹکڑا ہے جو میرے پاس سے چوری ہوا تھا" ۔ عبدل نے کہا۔ "دکاندار نے مجھے بتایا تھا کہ اس ڈیزائن کا کپڑا کہیں اور نہیں ملے گا کیوں کہ اس کا ایک دوست چین سے یہ ایک ہی سوٹ کا کپڑا لایا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم نے چور کو تلاش کر لیا ہے۔" قاضی عمر کریم نے سنجیدگی کے ساتھ اعلان کیا۔

چور سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔

"اب تمہیں اس چوری کی سزا دی جائے گی۔" قاضی چور سے مخاطب ہوا۔ "اور اس محافظ سپاہی کے مجسمے کو اس کی جگہ واپس پہنچا دیا جائے گا تاکہ وہ تم جیسے مجرموں کو پکڑنے میں ہماری مدد کرے!"

قاضی کے ان الفاظ کے ساتھ ہی سپاہی اس مجسمے کو اٹھا کر لے گئے اور اسے اس کی صحیح جگہ پر رکھ دیا۔ کہتے ہیں کہ آج بھی اس مجسمے کے گرد کچھ بوسیدہ سی رسیاں بندھی ہوئی دیکھی جا سکتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ٹھنڈا میٹھا کمبل

برسات کے موسم میں سولہ سالہ رحمت علی پہاڑی جنگلوں میں شہد ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تیز دو دھاری کلہاڑی تھی تو دوسرے ہاتھ میں ایک بالٹی۔ جس میں چھوٹی مکھیوں کا ایک تازہ اور بڑا چھتا موجود تھا۔ اس کی پشت پر ایک مضبوط تھیلا لٹک رہا تھا۔ اس میں اُس کا وہ سامان موجود تھا جس سے وہ شہد حاصل کرنے میں مدد لیتا تھا۔ یہ اس کے روز کا معمول تھا۔

عین اس وقت اس نے ایک دھماکا سنا۔ پہاڑ کے دوسری جانب ایک غیر آباد سڑک گزرتی تھی، ضرور اس سڑک پر کوئی حادثہ ہوا تھا۔ دھماکے کی آواز کافی فاصلہ ہونے کے باوجود صاف سنائی دی تھی۔

رحمت بھاگ کر پہاڑ کے کنارے پر پہنچا۔ دیکھا تو سامنے ایک جیپ اُلٹی پڑی تھی۔ رحمت ڈھلوان پر بھاگم بھاگ اترنے لگا۔ یہ ایک بغیر چھت کے فوجی جیپ تھی جو گیلی سڑک پر سے پھسل کر الٹ گئی تھی۔ اس کے نیچے پھنسا ہوا شخص زخمی اور تقریباً بے ہوش تھا۔

رحمت نے اسے جیپ کے نیچے سے نکالنے کے لئے ایک بہت مضبوط اور موٹا درخت کا تنا ڈھونڈا۔ پھر اس نے وہ تنا ایک پتھر پر رکھ کر جیپ کے نیچے پھنسایا۔ یوں لیور بنا کر جب اس نے جیپ کا ایک کونا اوپر اٹھایا تو زخمی سرک سرک کر باہر نکلا۔ اور اس کے ساتھ ہی تیز بارش شروع ہوگئی۔ موٹے قطرے ان کے سروں پر تانبے کے سکوں کی طرح برسنے لگے۔ رحمت اسے سہارا دے کر سامنے غار میں لے گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" زخمی کراہتے ہوئے بولا۔

"رحمت علی۔۔۔۔ اور آپ کا نام کیا ہے؟" رحمت نے زخمی سے پوچھا۔

"میجر روہت" اس نے جواب دیا۔ رحمت نے اب اس پر غور کیا۔ وہ ایک پینتالیس سالہ طاقت ور اور قوی شخص تھا۔ اس کا چہرہ کرخت تھا۔

رحمت نے اس کے سامنے شہد کی بالٹی رکھی۔ "بھائی جان! میں اس وقت آپ کو کوئی دوا تو نہیں لا کر دے سکتا۔ مگر یہ شہد حاضر ہے، شہد کھالیں، آپ کو قوت ملے گی، سکون آئے گا۔"

"ہوں ہوں"۔ روہت نفی میں سر ہلا کر بولا۔ روہت کے جسم پر جگہ جگہ خراشیں لگ چکی تھیں۔ چند زخموں سے خون بھی رس رہا تھا۔ رحمت اس کی حالت ذرا غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں سینکڑوں سوال تھے مگر وہ زخمی کا حال دیکھ کر خاموش رہا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''کیا کرتے ہو تم رحمت؟'' زخمی نے سوال کیا۔

''جی میں میٹرک کا طالب علم ہوں''۔ رحمت نے جواب میں بتایا۔

''خوب'' اُس نے کہا۔ بارش اور تیز ہو چکی تھی۔

پھر وہ بولا ''تم چہرے مہرے سے صاف پہچانے جا رہے ہو کہ تم کس ملک کے باسی ہو۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس پہاڑ کا آدھا حصّہ دشمن ملک کی حدود میں آتا ہے اور اب تم دوسرے ملک میں غیر قانونی طور پر داخل ہو چکے ہو۔۔۔ غیر قانونی طور پر۔۔۔ سمجھے''

روہت نے زیادہ زور ''غیر قانونی'' پر دیا تھا۔ غار کے باہر بارش کے شور میں اس کا شور واضح تھا جو شور مچاتا نیچے ڈھلان کی طرف بہتا جا رہا تھا۔ رحمت نے اس کی بات سن کر ذرا توقف کیا۔ اور بولا ''یہ بات میں جانتا ہوں کہ پہاڑ کا نصف حصّہ دوسرے ملک میں شامل ہے مگر دھماکا سن کر میں نے یہ حادثہ بھاگ کر دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ ایک انسان کی مدد کرنا تو ہر انسان پر۔۔۔۔۔''

روہت زہر خند مسکراہٹ کے ساتھ بولا ''مگر میں صرف ایک انسان نہیں، اس سرحدی علاقے کی اس فوج کا کمانڈر بھی ہوں جو اکثر تیرے ملک پر اس سرحد سے گولے پھینکتی ہے۔''

رحمت یہ سن کر فوراً بولا ''دونوں ممالک اکثر سرحدوں پر ایک دوسرے سے الجھتے رہتے ہیں مگر مارے تو عوام ہی جاتے ہیں۔ انسان تو صرف انسان پیدا ہوتے ہیں۔ بعد میں رنگوں، نسلوں اور ملکوں میں بٹ جاتے ہیں۔ اور اس طرح انسانیت آپس کی دشمنی کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے۔'' رحمت روانی میں بولتا چلا گیا۔ روہت اس کی بات سن کر غور و فکر میں ڈوب گیا۔

''کمانڈر صاحب! بارش نہ جانے کب تک رہے گی۔ میں شہد آپ کے زخموں، خراشوں پر لگا دیتا ہوں۔ یہ بڑا مجرب نسخہ ہے، زخموں خراشوں کے لئے''۔ روہت کے زخموں اور خراشوں میں اب جلن ہو رہی تھی لہٰذا وہ خاموش رہا۔

رحمت نے بالٹی میں موجود تازہ شاخ کا ایک پتا توڑا اور اس سے روہت کے زخموں خراشوں پر شہد لگانے لگا۔ روہت کو سکون آنے لگا اور اس نے اپنا بدن ڈھیلا چھوڑ دیا۔ رحمت ابتدائی طبی مدد دے کر خاموش غار کے کونے میں بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

دونوں طرف ایک گہرا سکوت چھا گیا۔ رحمت ان تباہیوں کو یاد کر رہا تھا جو اس نے اپنی آنکھوں سے اپنے گاؤں دیکھی تھیں، سنیں تھی۔ آدھی رات کو گولے جب گاؤں کے گھر اڑا دیتے تھے تو بعد میں وہاں کیا رہتا تھا۔ دھول، مٹی ملبہ اور آہیں سسکیاں۔ کئی خوف ناک کہانیاں اس نے اپنے آباؤ اجداد سے بھی سنی تھیں۔ اور اب وہ خود بھی کبھی کبھار دیکھتا رہتا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رحمت سوچتے ہوئے بڑبڑایا" یہ سب غلط ہے، غلط ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے" وہ بڑبڑایا۔

روہت بولا" کیا غلط ہے؟"" یہ خون بہنا غلط ہے، خون بہانا غلط ہے۔ بات چیت مسائل سے حل ہو سکتے ہیں تو پھر یہ خون خرابہ کیوں؟" روہت بولا" ہاں بچے! تم درست کہتے ہو"

اب بارش میں ژالہ باری بھی شروع ہوگئی تھی۔ پتھروں پر ٹھک ٹھک موٹے اولے برس رہے تھے۔ سردی کی ایک لہر غار میں ٹھنڈی ہوا کے ساتھ در آئی۔

تب رحمت نے اپنے تھیلے میں سے ایک گرم کمبل نکالا اور زخمی پر ڈال دیا جو وہ شہد کی مکھیوں سے بچنے کے لئے ہنگامی حالات میں اپنے پاس رکھتا تھا۔ جب روہت کو گرم کمبل سے حرارت ملی اور وہ پرسکون ہوا تو اس نے رحمت کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"شکریہ" میں یہ لفظ نہ بھی کہتا تب بھی میرا دل تیرا شکریہ ادا کر رہا ہے۔" اس نے مزید کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں، میں تو انسانی فرض نبھا رہا ہوں"۔ رحمت بولا۔

عین اس وقت یوں بجلی چمکی اور بادل گرجا، جیسے دو پہاڑ آپس میں ٹکرا گئے ہوں۔ بارش جاری رہی اور دونوں خاموش رہے۔ چند لمحوں تک خاموشی چھائی رہی۔

پھر طویل خاموشی کے بعد رحمت نے پھر روہت کو شہد پیش کیا۔ وہ بھوکا تھا اور زخمی بھی۔ اب اس نے انکار نہ کیا اور شہد کھانے لگا۔ رحمت بھی اس کے کہنے پر اس کا ساتھ دینے لگا۔

شام ہوئی تو شدید بارش تھم گئی۔ وہ دونوں غار سے نکلے تو روہت لنگڑا رہا تھا اور ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے ان پر یورش کر رہے تھے۔ روہت نے کمبل اسے واپس لوٹانا چاہا تو رحمت نے کمبل اسے اچھی طرح اوڑھا دیا۔

روہت بولا" رحمت! تم نے مجھ پر احسان کیا، میری مرہم پٹی کی، مجھے میٹھا میٹھا شہد کھلایا اور اس سردی میں ٹھنڈا میٹھا کمبل اوڑھا دیا ہے۔ یہ کمبل گرم ہے مگر اس کا سکون ٹھنڈا میٹھا ہے۔ لو میں چلتا ہوں تم اپنے ملک واپس جاؤ، پہاڑ پر چڑھ جاؤ، جاؤ میرا بچہ!"

روہت لنگڑاتا ہوا چل دیا۔ رحمت وہاں ہی کھڑا تھا۔" بھائی جان خدا حافظ" وہ پکارا۔

"ذرا خیال رکھنا۔ دونوں ملکوں میں بچے ہوتے ہیں۔"

"ہاں! میں یاد رکھوں گا میرے بچے!"

پھر وہ رحمت کو گلے سے لگا کر رخصت ہوگیا۔ اُس کے جانے کے بعد وہاں کافی دن امن رہا۔ اگر ہم سب کوشش کریں تو آئندہ ہمیشہ کے لئے امن قائم ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

احسان کا بدلہ

جب سیاہ رات کے مہیب سائے چھٹنے کے قریب ہوتے، مرغ ککڑوں کوں...... ککڑوں کوں...... کی آواز میں بانگ سحر دینا شروع کرتے۔ پرندے میٹھی نیند سے بیدار ہو کر ہوا کے تھپیڑوں سے جھومتی ہوئی ڈالیوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے لگتے۔ اسی دوران لاؤڈ اسپیکر سے تکبیر کی ایمان افروز صدا...... "اللہ اکبر...... اللہ اکبر" منظور سومرو گاؤں کی خاموشی کے طلسم کو چکنا چور کر ڈالتی۔

اذان کے نوری الفاظ کی گونج میں خیسو روزانہ اٹھ بیٹھتا اور اپنے اوزار ہاتھ میں لے کر گزرتے ہوئے کھیتوں کا رخ کرتا اور راستے میں گاؤں کی ایک چھوٹی سی "بلال مسجد" میں نماز با جماعت ادا کرتا۔

خیسو، سیٹھ منظور سومرو کے کھیتوں کا ایک نیک اور محنت کش انسان تھا۔ جو دن بھر کھیت میں محنت کرتا رہتا اور شام کو منہ اندھیرے گھر واپس آتا۔

سیٹھ منظور سومرو کی ایک محل نما کوٹھی شہر میں تھی اور ایک گاؤں میں۔ شہری زندگی کی چہل پہل سے اکتا کر مہینے دو مہینے بعد کچھ دنوں کے لیے سیٹھ منظور سومرو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اپنے گاؤں آتے تھے۔ ان کا ایک بیٹا امداد سومرو اور ایک بیٹی ماروی، جو سیٹھ منظور سومرو کی ان گنت دولت کے وارث تھے۔ سیٹھ منظور سومرو نے اپنے شاندار بنگلہ کا نام بھی "سومرو حویلی" رکھا تھا۔

"سومرو حویلی" کے چاروں طرف کی دیواریں کافی اونچی تھیں جس کے تین اطراف تو آموں کے باغات تھے اور چوتھی طرف گندم کی ہری بھری فصل لہلہا رہی تھی۔ سیٹھ منظور سومرو نے "سومرو حویلی" کے گیٹ سے گاؤں کے شروع تک ایک پختہ سڑک بنوائی تھی۔ دو چوکیدار دن اور رات میں پہرے کے لیے مقرر تھے۔

دونوں چوکیدار چاق و چوبند اور مستعد قسم کے آدمی تھے۔ اور بڑی دیانت داری سے اپنی ڈیوٹی انجام دیتے رہتے تھے۔

☆☆☆

"آج میں سامان لینے کے لیے شہر گئی تو عبداللہ پھر اسکول میں پڑھنے کی ضد کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

'اماں! مجھے اسکول پڑھنا ہے، میں آپ کو کب سے کہہ رہا ہوں۔'"

شریفاں نے اپنے شوہر خیسو سے اپنے اکلوتے بیٹے عبداللہ کی خواہش کا ذکر کیا۔

"ہاری کا بیٹا اور اسکول...... ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟" خیسو نے حیران ہو کر اپنی بیوی سے پوچھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''سیٹھ منظور سے کچھ پیسے ادھار لےلو اور عبداللہ کو اسکول میں داخل کروادو۔''

شریفاں نے رندھی ہوئی آواز میں خمیسو سے کہا۔ کچھ دیر کے لئے خمیسو سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اپنے بیٹے کو سینے سے لگا کر پیار بھرے لہجے میں بولا۔

''ہاں! دل تو میرا بھی بہت چاہتا ہے کہ دوسروں کی طرح ہمارا بیٹا بھی تعلیم حاصل کرے۔ آج کل سیٹھ منظور آیا ہوا ہے، اس سے بات کرتا ہوں، اللہ کرے بات بن جائے۔''

☆☆☆

''سائیں! خمیسو ملنے کے لئے آیا ہے۔'' خادم نے اجازت لینے کے لئے خبر دی۔

''اسے اندر بھیج دو۔'' سیٹھ منظور سومرو نے حقے کا دھواں باہر نکالتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... خمیسو کیسے آئے ہو؟'' خمیسو کے سامنے آنے پر سیٹھ منظور نے پوچھا۔

''سائیں! کچھ پیسے ادھار چاہئے۔ فصل کے حساب میں کاٹ لینا۔'' خمیسو نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''کیا کرے گا ان پیسوں کا......؟'' سیٹھ منظور نے پوچھا۔

''سائیں! عبداللہ ضد کرتا ہے اسکول پڑھنے کے لئے۔ اس کو داخلہ دلواؤں گا۔''

''اڑے! تم غریب مزارع اسکول پڑھو گے تو ہماری کھیتی باڑی کون کرے گا؟ اور تم لوگ پڑھ بھی نہیں سکتے، اڑے جاؤ ادھر سے...... کوئی پیسہ ویسہ نہیں۔'' خمیسو کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو آگئے۔ وہ عبداللہ کی خواہش کے ٹوٹنے کا تصور لیے واپس چلا آیا۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا شریفاں......!'' خمیسو نے اپنی بیوی سے کہا۔

''کہ ہماری قسمت میں تعلیم والیم کہاں؟''

خمیسو کے جواب نے شریفاں کو بھی افسردہ کر دیا۔ اس نے سارا ماجرا شریفاں کو سنادیا۔ اس کے بعد دونوں میاں بیوی اپنے بیٹے عبداللہ کا دل ٹوٹ جانے کے خیال سے افسردہ ہو گئے۔

☆☆☆

خمیسو نے کھیت کے راستے پر جب ان تین اجنبی آدمیوں کو سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھا تو اس کی چھٹی حس اسے پیغام دینے لگی، یہ لوگ تین مرتبہ اس سے پہلے بھی اس گاؤں میں آچکے تھے۔

''شریفاں! مجھے آج بھی وہی تین اجنبی آدمی نظر آئے ہیں، وہ مجھے مشکوک لگ رہے تھے، پتہ نہیں کیوں مجھے دال میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کچھ کالا نظر آ رہا ہے" خمیسو نے اپنا شک ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارا وہم ہوگا۔" شریفاں نے اس کے خیال کو ٹالا، مگر خمیسو نہ جانے کیوں بے چین ہی رہا۔

اس کے بعد خمیسو ان تینوں مشکوک آدمیوں کی تاک میں لگ گیا۔ اُسے یقین تھا کہ ان کے ارادے خطرناک ہیں۔

رات کے تیسرے پہر گھٹا ٹوپ اندھیرے میں آموں کے باغات میں سے وہ بڑی احتیاط سے "سومرو حویلی" تک پہنچ چکے تھے، مغربی دیوار پر کمند لگا کر ایک شخص اوپر کی طرف چڑھنے لگا، اس کے O.K. کے اشارے کے بعد اب بقیہ دونوں ساتھی بھی دیوار پھلانگ کر اندر پہنچ چکے تھے، اب وہ تینوں بہت ہی احتیاط سے رینگتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

ان سے کچھ فاصلے پر ایک سایہ چھپ کر ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھا۔

☆☆☆

"اکرم! آج چائے بنانے کی باری تیری ہے، جلدی سے چائے بنالے، کیوں کہ آج میں ایک شادی پر چلا گیا تھا، تھکاوٹ ہو رہی ہے آرام نہیں کر سکا۔" سومرو حویلی کے چوکیدار افضل نے اونگھتے ہوئے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا:

"دیکھا میری کیسی C.I.D. ہے؟" ایک نے سرگوشی میں اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔

"اب ہمیں پلاننگ کے مطابق بقیہ کارروائی کرنی ہے۔" وہ تینوں سرگوشی میں باتیں کر رہے تھے۔

ایک نے قریب پہنچ کر بڑی پھرتی سے افضل کے منہ پر رومال رکھ کر اسے بے ہوش کر دیا، باقی دونوں ایک کونے میں بنے ہوئے چھوٹے سے کچن کی طرف بڑھنے لگے۔

"ہائے رے سردی، ہائے رے سردی سارے بدن میں برف سی بھر دی"

اکرم چائے بنانے کے ساتھ ساتھ نظم کے آخری شعر پڑھ رہا تھا، یکا یک اس کے منہ پر کسی نے رومال رکھا تو اس کی آنکھوں کے سامنے بھی اندھیرا چھاتا چلا گیا، چند لمحوں بعد وہ تینوں امداد کے کمرے کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"رستم! اب ہمیں کروڑوں ملیں گے۔"

جگو نے سرگوشی میں کہا۔

وہ اپنا کام پورا کر چکے تھے، اب ان کے لئے راستہ صاف تھا اور وہ تینوں زیورات سمیت امداد کو اغواء کر کے لے جا رہے تھے۔

☆☆☆

خمیسو آج خلاف معمول اذان کے نورانی الفاظ کی گونج سننے سے پہلے ہی اٹھ چکا تھا، رات بھر ان تینوں اجنبیوں کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چہرے بار بار اس کے ذہن میں آ رہے تھے، آج نہ جانے کیوں ہاتھ میں کلہاڑی لئے اس کے قدم سیٹھ منظور سومرو کی کوٹھی کی طرف اٹھتے جا رہے تھے۔ دور سے اسے کچھ سائے حرکت کرتے دکھائی دیئے، جو آہستہ آہستہ آموں کے باغات سے ہوتے ہوئے پختہ سڑک کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خیمسو نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

پہلا شخص پہلے ہی بھاگ کر گاڑی کی ڈگی کھول چکا تھا، رستم اور جگو، امداد کو ڈگی میں ڈالنے ہی والے تھے۔

ادھر حویلی میں خدیجہ بیگم اٹھیں تو امداد کو بستر پر نہ پا کر پریشان ہو گئیں۔ باتھ روم کی کنڈی باہر سے لگی ہوئی تھی۔ وہ پہلے کمروں سے نکلتے ہوئے برآمدے میں اور پھر راہداری سے ہوتے ہوئے گیٹ کی طرف دوڑیں، افضل کو بے ہوش دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ اب وہ الٹے پاؤں سیٹھ منظور کو جگانے کے لئے دوڑ پڑیں۔ خدیجہ بیگم نے سیٹھ منظور کے پاس پہنچ کر چلا کر کہا:

''امداد کو کوئی اغواء کر کے لے گیا ہے۔'' سیٹھ منظور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور فوراً ٹیلی فون کی طرف لپکے۔

''ہیں......! یہ کیا......؟ ٹیلی فون کنکشن کاٹ دیے گئے ہیں۔'' سیٹھ منظور رائفل اٹھائے باہر کی طرف دوڑے۔

☆☆☆

اس سے پہلے کہ رستم اور جگو، امداد کو ڈگی میں ڈالتے خیمسو ان پر آم کے درخت کی اوٹ سے حملہ آور ہو چکا تھا۔

اچانک حملے سے وہ تینوں بوکھلا اٹھے۔ مگر تربیت یافتہ نصیرا کافی حد تک اپنے آپ کو بچا چکا تھا۔ خیمسو کا وار گاڑی کے پچھلے شیشے کو چکنا چور کر چکا تھا۔ خیمسو بہادری کے ساتھ لڑا اور امداد کو ڈگی میں ڈالنے نہ دیا، مگر جگو کی فائرنگ سے بچتے بچتے بھی خیمسو کی پنڈلی کو لہولہان کر ہی گئی تھی اور پھر یکا یک سیٹھ منظور کی طرف سے ہوائی فائرنگ ہونے لگی، صورت حال پلٹ چکی تھی۔ نصیرے، جگو اور رستم نے جوابی فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہونے میں ہی عافیت جانی۔

سیٹھ منظور بھاگم بھاگ جیسے ہی امداد کے قریب پہنچا تو زخمی خیمسو کی بہادری دیکھ کر صورت حال سمجھ گیا، فوراً اپنی گاڑی میں بے ہوش امداد اور زخمی خیمسو کو شہر کے ہسپتال پہنچایا اور پولیس کو کال کر دی، پولیس نے شہر بھر کی ناکہ بندی کر دی اور وہ تینوں ملزم دھر لیے گئے۔

آج پندرہ دن کے بعد خیمسو کو ہسپتال سے رخصت ملی تھی، گھر واپس آتے ہوئے راستہ میں جب اس نے دیکھا کہ عبداللہ کا ہاتھ سیٹھ منظور کے ہاتھ میں ہے، عبداللہ اسکول میں داخل ہو چکا تھا، تو خیمسو کے گرم گرم آنسو اس کی رخسار پر ڈھلک گئے۔ عبداللہ اپنی محنت سے کچھ عرصے بعد ایک بہت بڑے ماہر ڈاکٹر عبداللہ کے نام سے پکارا جانے لگا اور سیٹھ منظور کی بیٹی عبداللہ کے نام سے......!!

☆☆☆☆☆☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اصل کارنامہ

عمیر بن عبداللہ کے چار بیٹے تھے اور چاروں ہی نہایت اعلیٰ اخلاق کے نوجوان تھے۔ پہلے تو عمیر بن عبداللہ خود تجارتی قافلے کے ساتھ جایا کرتے تھے لیکن بوڑھا ہونے پر انہوں نے یہ کام اپنے بیٹوں کو سونپ دیا۔

ان کا قبیلہ بہت خوشحال تھا اور وہ اس قبیلے کے سردار تھے۔ پھر عمیر بن عبداللہ بیمار رہنے لگے اور انہیں اندازہ ہوا کہ اب وہ چند دن کے مہمان ہیں۔ چنانچہ ایک دن عمیر بن عبداللہ نے اپنے بیٹوں کو بلوا بھیجا، تا کہ ان کے خیالات کا جائزہ لیں۔ وہ چاروں گھر پر تھے فوراً ہی آ گئے۔

عمیر بن عبداللہ بولے۔ ''بچو! میرا آخری وقت قریب ہے۔ جو کچھ میرے پاس ہے۔ وہ سب کچھ تمہارا ہے لیکن میرے پاس کچھ قیمتی ہیرے اور جواہرات ہیں۔ میں یہ اس بیٹے کو دوں گا جو مجھے بہادری کا سب سے بڑا کارنامہ سنائے گا۔ چنانچہ تم یاد کر کے باری باری مجھے اپنی اپنی بہادری کا سب سے بڑا کارنامہ سناؤ۔''

عمیر کا سب سے بڑا بیٹا بولا۔ ''ابا جان! ایک مرتبہ میں افریقہ میں ہاتھی کے دانت خریدنے گیا تھا۔ جنگل میں ایک جگہ میں ملازموں سے علیحدہ ہو کر چلنے لگا تو مجھے اپنے پیچھے جھاڑیوں میں سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ خطرہ کے پیش نظر میں نے تلوار نکالی اور چوکنا ہو گیا۔ دوبارہ اس آواز کے آنے پر میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک ببر شیر نے مجھ پر جست لگائی اور میں نے تلوار کے پے در پے وار کر کے شیر کا کام تمام کر دیا''۔

عمیر بن عبداللہ بولا۔ ''شاباش بیٹے تمہارا یہ کارنامہ حاضر دماغی اور بہادری کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ میں تمہارے اس کارنامے پر بہت خوش ہوا''

اب دوسرا بیٹا بولا۔ ''ابا حضور میں دمشق کے بازار سے گزر رہا تھا۔ گلی کے ایک مکان میں آگ لگی ہوئی تھی۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ اس دوران کچھ لوگ آگ بجھانے میں مصروف تھے۔ ایک عورت چلا چلا کر کہہ رہی تھی ''لوگو میرا چار سال کا بیٹا کمرے کے اندر سو رہا ہے، خدا کے لئے میرے بچے کی جان بچاؤ۔ وہ جل جائے گا۔''

مجھ سے اس عورت کی آہ و بکا سن کر نہ رہا گیا اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود میں اونٹ کی اون کا کمبل اوڑھ کر گھر کے اندر سے اس عورت کے بچے کو زندہ نکال لایا، اس نے مجھے بہت دعائیں دیں جبکہ میں بری طرح جھلس گیا تھا۔ چند ہفتوں کے علاج کے بعد میں صحت یاب ہو گیا''۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عمیر بن عبداللہ کہنے لگے ''تمہارا یہ کارنامہ بہادری اور بے لوثی کا شاندار نمونہ ہے۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے''۔

اب تیسرا بیٹا کہنے لگا ''ابا جان میں ایک مرتبہ دریا کے کنارے کشتی میں سامان چڑھوا رہا تھا تو سامنے سے آنے والی ایک کشتی ساحل کے قریب ہی آ کر ڈوب گئی لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر مسافروں کو بچانے کیلئے دوڑ پڑے۔ میں بھی ایک ماہر تیراک ہوں۔ میں نے سات آدمیوں، عورتوں اور بچوں کو خود اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر ڈوبنے سے بچالیا اور کنارے پر لے آیا''۔

عمیر بن عبداللہ بولے ''شاباش بیٹے، تمہارا یہ کارنامہ بہادری اور انسانی خدمت کی ایک شاندار مثال ہے۔ واقعی تم داد و تحسین کے مستحق ہو''۔

اب چوتھا بیٹا سر جھکائے بیٹھا رہا۔ پوچھنے پر چوتھا بیٹا بولنے لگا ''ہاں ابا جان ایک ایسا واقعہ تو ضرور ہے لیکن وہ بہادری کا واقعہ بھی نہیں ہے، پھر مجھے یہ خدشہ بھی ہے کہ میں نے اگر سنایا تو آپ ناراض ہوں گے اور ممکن ہے کہ میرے بڑے بھائی میری پٹائی بھی کردیں''۔

عمیر بن عبداللہ نے اپنے بیٹے کو حوصلہ دیا۔ چوتھا بیٹا قصہ سناتے ہوئے کہنے لگا۔ ''ابا حضور عراق جاتے ہوئے ایک مرتبہ ہمارے قافلے نے پہاڑی کے دامن میں رات کو پڑاؤ کیا۔ شام کے وقت اچانک پانی ختم ہو جانے پر قافلہ کے سردار نے مجھے پانی بھر کر لانے کا حکم دیا، میں مشک اٹھا کر گیا اور قریبی پہاڑی نالے میں سے پانی بھرنے ہی لگا تھا کہ مجھے کچھ فاصلے پر کسی انسان کے کراہنے کی آواز آئی۔ میں لپک کر اس جانب گیا تو دیکھا کہ ایک شخص زخموں سے چور پتھروں میں پڑا ہے۔

میں نے اس کے چہرے پر پانی ڈالا تو وہ کچھ ہوش میں آ گیا۔ وہ کچھ دیر میری طرف دیکھتا رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے مجھے بتایا کہ پہاڑی ڈاکو اس کی تمام پونجی چھین کر اپنی جانب سے اسے مار کر یہاں پھینک گئے ہیں۔ اگر میں کچھ دیر سے اس تک پہنچ جاتا تو شاید وہ مر چکا ہوتا۔

پانی تو میں بعد میں لایا لیکن پہلے میں اس زخمی شخص کو اٹھا کر اپنے خیمے میں لے آیا۔ قافلے کے طبیب نے اس کی مرہم پٹی کی اور میں نے اس کی تیمارداری بہت توجہ سے کی۔ صبح کے وقت روشنی میں اس کو میں نے پہچان لیا۔ وہ ہمارے دشمن قبیلے کا سردار ولید بن زبیر تھا۔

پہلے تو میرے جی میں آیا کہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں کیونکہ کچھ عرصہ پہلے اس آدمی نے مجھے تنہا پا کر میری مار پیٹ کرتا رہا تھا۔ ممکن تھا کہ وہ جان سے مار ڈالتا لیکن میری قسمت اچھی تھی کہ میں اس کی قید میں سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس وقت زخمی حالت میں میں نے اس سے بدلہ لینے کو مناسب نہ سمجھا۔ میں نے دل جمعی سے اس کا علاج کروایا۔ دیکھ بھال کی اپنے ساتھ سفر میں رکھا، اپنی سواری اس کے سپرد کی اور اگلی منزل پر جب قافلہ شہر میں پہنچا تو میں نے اسے اپنے ملازموں کی نگرانی میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شہر میں اس کے ایک دوست کے گھر پہنچوا دیا۔

رخصت ہوتے وقت میں نے اس سے طعن و تشنیع کی اور نہ ہی اپنا احسان جتلایا۔ البتہ اسے اپنی پہچان ضرور کروادی لیکن اس وقت اس شخص کے پاس ندامت اور آنسوؤں کے سوا کچھ نہ تھا، شاید اس وجہ سے ان کا قبیلہ ایک عرصہ سے ہم پر حملہ آور نہیں ہوا اور نہ ہی ہمارے مال مویشی چرائے گئے“۔

عمیر بن عبداللہ اتنی نقاہت کے باوجود تیزی سے بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر بے اختیار اپنے بیٹے کا منہ چوم لیا اور بولے:۔

”یہی ہے اصل کارنامہ، اللہ کا حکم ہے کہ تمہارے پاس اختیار ہے کہ تم دشمن سے اس حد تک بدلہ لو جتنا کہ اس نے تم پر ظلم کیا ہے۔ اگر اختیار پالینے کے باوجود تم اس کو معاف کرسکو تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اس کا بہت ہی زیادہ نیک اجر ہے۔ میرے پیارے بیٹے تمہارا یہ کارنامہ سب سے بڑی بہادری کی درخشندہ مثال ہے اور یہ ہیرے اور جواہرات میں تمہیں تحفہ میں دیتا ہوں“۔

یہ کہہ کر عمیر بن عبداللہ نے ہیرے اور جواہرات کی تھیلی اپنے چوتھے بیٹے کی طرف اچھال دی۔ باپ کو اپنے بیٹے کے کارنامے پر بے حد خوشی ہوئی تھی۔

بیٹے نے شکریہ کے ساتھ ابا کا تحفہ قبول کیا اور ابا کے سامنے باقی تینوں بھائیوں سے وعدہ کیا کہ اس مرتبہ میں جب دمشق جاؤں گا تو اس جواہرات کو فروخت کر کے میں تم میں سے ہر ایک کو اس کا چوتھائی حصہ دوں گا۔

سبق : اپنے دشمنوں سے انتقام اور نفرت کی بجائے دوستی اور رواداری کا مظاہرہ کریں۔ یہ ہمارے دین کی فطرت ہے اور اس سے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صبح کا بھولا

"امّی! ابو کے ساتھ میں اسکول نہیں جاؤں گا۔" عدنان منہ بنا کر بولا۔

"مگر میں پوچھتی ہوں کہ تمہیں ابو کے ساتھ جانے میں کیا پریشانی ہے؟"

"بات دراصل یہ ہے امّی۔۔۔۔۔!" یہ کہتے کہتے عدنان ایک بار پھر رک گیا۔

امّی نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔ "آج کل اسکول میں تمہارا دل نہیں لگتا، اس لیے اسکول نہ جانے کے لیے آخر تمہیں کوئی بہانہ تو چاہیے نا!"۔

"نہیں امّی! یہ بات نہیں ہے۔"

"میں سب سمجھتی ہوں، تمہیں پتا ہے کہ امّی تو اسکول پہنچانے جا نہیں سکتیں۔ ابو کے ساتھ جانے سے انکار کردو، اسی طرح چھٹی پکی ہوگئی۔"

عدنان نے جھنجلاہٹ کے مارے اپنا سر پیٹ لیا اور پھر اس نے سوچا کہ امّی کو بتانا ہی پڑے گا، ورنہ نہ جانے میرے بارے میں کیا کیا سوچتی رہیں گی۔ اس نے آخر بتا ہی دیا۔

"دراصل بات یہ ہے امّی! کہ ابو کے ساتھ جاتے ہوئے مجھے بڑی شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔"

امّی نے اُسے حیرت سے دیکھ کر کہا۔ "یہ کیا بات ہوئی؟ باپ کے ساتھ جاتے ہوئے بیٹے کو شرمندگی کا احساس ہوتا ہے۔ میں پوچھتی ہوں وہ کوئی گرے پڑے آدمی ہیں کیا۔۔۔؟"

"نہیں امّی! یہ بات نہیں ہے۔ بس ان کی عادتیں بڑی ویسی ہیں۔" عدنان ایک بار پھر چپ ہوگیا۔

"کیسی ہیں۔۔۔۔؟" امّی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ عدنان کیا کہہ رہا ہے۔

"مطلب یہ امّی! کہ ابو راستے میں چلتے ہوئے زمین پر پڑی ہوئی چیزیں اُٹھا کر اِدھر اُدھر ڈال دیتے ہیں۔" عدنان نے آخر جی کڑا کر کے کہہ ہی دیا۔

امّی نے غصے سے کہا۔ "خاموش! وہ ایسے ہرگز نہیں ہو سکتے۔"

عدنان نے کہا۔ "آپ یقین کیجیے امّی! اگر چلتے چلتے انھیں سڑک پر کوئی شیشے کا ٹکڑا نظر آجائے تو یا تو اسے کہیں کنارے پھینکیں گے یا اگر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے یا کرچیاں ہوں تو جھک کر ایک ایک کرچ چنیں گے اور کہیں ایسی جگہ لے جا کر پھینکیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گے جہاں سے کسی کا گزر نہ ہو۔ کبھی کوئی کانٹا دکھائی دیا تو اُسے بھی اٹھا کر دور پھینکیں گے۔ کیلے اور آم کے چھلکے بھی راستے سے اُٹھا لیتے ہیں۔ جب گزرتے ہوئے لوگ انہیں اس حال میں دیکھتے ہیں تو میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔''

عدنان کی امی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ وہ اپنے شوہر کی حرکتوں سے واقف تھیں۔ اب انہیں اپنے بچے کی پریشانی کا اندازہ ہوا۔ واقعی اگر عدنان ان کے ساتھ اسکول نہیں جانا چاہتا تو یہ کوئی غلط بات نہیں تھی۔ وہ سوچنے لگیں۔

''تم اپنے ابو کو منع کیوں نہیں کرتے؟'' انہوں نے عدنان سے کہا۔

''میں نے کتنی بار ان سے کہا کہ آپ کو گھن نہیں آتی راستے میں یہ چیزیں اُٹھاتے ہوئے؟ مگر وہ جواب میں کہتے ہیں۔

''بیٹا! اس میں گھن کی بات کیا ہے؟ میں کوئی گندگی تھوڑی اٹھاتا ہوں۔ یہ دیکھو یہ کانٹا یہاں بیچ سڑک پر پڑا ہے، کسی غریب کے پیر میں چبھ گیا تو بے چارہ ایک مصیبت میں مبتلا ہو جائے۔''

تھوڑی دیر خاموش رہ کر عدنان نے پھر کہا۔

''میں نے ان سے کتنی بار کہا کہ آپ کو غریبوں کا تو بڑا خیال ہے مگر اپنی پوزیشن کا ذرا خیال نہیں۔ لوگ آپ کو کچرا اُٹھاتے ہوئے دیکھ کر کیا سوچتے ہوں گے؟ مگر وہ جواب دیتے ہیں کہ انسان کو اپنی ظاہری شان و شوکت کی اتنی نمائش نہیں کرنا چاہیے۔ اچھا انسان تو وہی ہوتا ہے جو دوسروں کا دُکھ درد اپنے سینے میں محسوس کرے۔''

ابھی ماں بیٹے میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اس کے ابو آگئے۔ انھوں نے فوراً ہی کہا۔ ''ارے بھئی عدنان! کیا آج اسکول جانے کا ارادہ نہیں ہے؟''

عدنان کے جواب دینے سے پہلے ان کی امی بول پڑیں۔ ''آج سے عدنان آپ کے ساتھ اسکول نہیں جائے گا۔''

ابو نے حیرت سے کہا۔ ''ارے، ارے۔۔۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں؟''

''آپ ٹھیک سن رہے ہیں۔ عدنان اسکول جائے گا، مگر آپ کے ساتھ نہیں۔''

''پھر کس کے ساتھ جائیں گے عدنان میاں؟'' ابو نے جلدی سے پوچھا۔

''آخر مجھ میں ایسی کیا برائی نظر آئی کہ میری خدمات حاصل کرنے سے انکار ہو رہا ہے؟''

''آپ میں یہ برائی ہے کہ آپ بہت گندگی پسند ہو گئے ہیں۔ راستے سے گزرتے ہوئے سڑک کی گندگیاں سمیٹتے چلتے ہیں۔'' عدنان کی امی نے کہا۔

ابو نے گھور کر عدنان کو دیکھا۔ اس کی تو جان ہی نکل گئی۔ اب ابو اس کے کان کھینچ کر کہیں گے۔

''کیوں نالائق! تو نے اپنی امی سے میری کیوں شکایت کی؟'' مگر وہ مسکرا دیے۔ عدنان کی امی کی طرف دیکھتے ہوئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بولے۔"تو عدنان میاں نے میری شکایت کی ہے؟"

"اور کوئی غلط شکایت نہیں کی ہے۔ میں پوچھتی ہوں کہ آخر آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ اپنی پوزیشن کا نہ سہی بچّے ہی کا خیال رکھیے۔ اس کے دل و دماغ پر غلط اثر پڑتا ہے۔"

ابو نے نہایت نرمی سے کہا۔"مگر بیگم! میں جو کچھ کرتا ہوں وہ کوئی غلط کام نہیں۔ یہ تو نیکی ہے، بہت بڑی نیکی۔"

"ارے بھئی! نیکی ہی کرنا ہے تو اور بہت سے کام ہیں نیکی کے۔ پُل بنائیے، مسجد بنائیے، تالاب بنائیے، اسپتال تعمیر کروائیے، بہت سے چھوٹے چھوٹے کام بھی ہیں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ اسی طرح خوش ہوتا ہے جس طرح مسجد یا اسپتال تعمیر کروانے سے۔"

عدنان بیچ میں بول پڑا۔"مگر ابو! آپ ہی تو کہتے ہیں ہمیشہ اونچی باتیں سوچا کرو، اپنے خیالات کو بلند رکھو۔"

"ہاں بیٹا! میں یہ بات کہتا ہوں مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اپنے سامنے کی چھوٹی چھوٹی نیکیاں چھوڑ کر آدمی بڑی نیکیوں کے پیچھے بھاگے۔ یقین جانو جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کی بڑی نیکیاں بھی قبول نہیں ہوتیں۔"

"یہ آپ کا اپنا فلسفہ ہوگا، میں نہیں مانتی۔" امّی نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا نہیں، بلکہ اللہ کا کہنا ہے۔ اللہ کے تمام نیک بندے یہی بتاتے رہے ہیں۔" ابو ایک لمحے کے لیے رُکے اور امّی سے بولے۔

"بیگم! آپ نے بھی یقیناً یہ بات پڑھی ہوگی کہ اگر آپ کا کوئی پڑوسی بھوکا سو گیا ہے تو آپ کی نماز اور روزے قبول نہیں ہوتے۔" عدنان کے ابو بولے۔

"مجھے معلوم ہے، سب معلوم ہے۔ میں اتنی جاہل بھی نہیں۔" عدنان کی امّی بولیں۔ وہ عدنان کے ابو کی باتوں سے کچھ کچھ قائل ہو گئی تھیں، مگر وہ اس کا اظہار بھلا کیسے کرتیں۔ وہ بولیں۔"مگر مجھے آپ کی یہ نیکی بالکل اچھی نہیں لگتی کہ آپ سڑکوں پر جھاڑو دیتے پھریں، اگر آپ کو اپنے وقار کا خیال نہیں تو کم از کم ہماری عزت کا تو پاس کیا کیجیے۔" عدنان کی امّی یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

اس دن کے بعد سے عدنان اکیلے اسکول جانے لگا۔ امّی نے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ اب وہ ماشاءاللہ بڑا ہو گیا ہے۔ اچھی طرح سوچ سمجھ کر سڑک پار کیا کرے۔ گھر سے سیدھا اسکول جائے اور اسکول سے لوٹ کر ادھر اُدھر نہ جائے، سیدھا گھر آیا کرے۔

عدنان ایک اچھا لڑکا تھا۔ والدین کی باتوں پر عمل کرتا تھا۔ اس نے اپنی پیاری امّی کی باتوں پر چل کر یہ ثابت کر دیا کہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ قابلِ اعتماد ہے۔اس طرح ایک فائدہ یہ ہوا کہ اسے کھیلنے کودنے کے لئے گھر سے باہر جانے کی اجازت بھی مل گئی۔ وہ پڑھنے لکھنے میں جتنا اچھا تھا، کھیلنے کودنے میں بھی اتنا ہی تیز تھا۔ کرکٹ اس کا پسندیدہ کھیل تھا۔ پہلے وہ اپنے محلے کی جونیئر ٹیم میں کھیلا کرتا تھا پھر اپنے اسکول کی ٹیم میں کھیلنے لگا۔

تھوڑے ہی دنوں میں انٹر اسکول ٹورنامنٹ شروع ہوا تو عدنان اور اس کا دوست فرخ اپنی ٹیم کو ہر میچ میں شاندار کامیابی دلوانے لگے۔ اسکول کے تمام طالب علم اور اساتذہ ان دونوں سے بے حد خوش تھے۔ انھیں پوری اُمید تھی کہ ان کے یہ مایہ ناز کھلاڑی ان کے اسکول کے لئے ٹرافی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ عدنان بہت اچھا باؤلر تھا۔ ان سب کھلاڑیوں کے حوصلے بھی بہت بلند تھے۔ آخر وہ سیمی فائنل میں پہنچ گئے۔ ہر ایک کو یہی امید تھی کہ ٹرافی عدنان اور فرخ کی موجودگی میں کوئی اور ٹیم حاصل نہیں کر سکتی۔

جس دن سیمی فائنل تھا، فرخ بڑی بے تابی سے عدنان کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا ویسے ویسے اس کے ساتھ دوسرے لوگوں کی بھی بے قراری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

”آخر عدنان کہاں رہ گیا؟“ کیپٹن نے فرخ سے دریافت کیا۔

”تم لوگوں نے اس کی خبر لی؟ اس کی طرف کسی کو بھجوایا؟ کوئی فون وغیرہ کیا؟“ ہیڈ ماسٹر صاحب ایک ہی سانس میں کئی سوال کر گئے۔

کیپٹن کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ انتہائی شرمندگی سے بولا۔”نہیں سر! اس کا تو ہمیں خیال ہی نہیں رہا۔“

پھر ذرا دیر بعد اسٹیڈیم میں گویا ایک دھماکا ہوا۔ یہ خبر جیسے ایٹم بم کی طرح پھٹی۔

”عدنان زخمی ہو گیا۔۔۔وہ اسپتال میں ہے۔“

پلک جھپکتے میں پورے میدان میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

عدنان کیسے زخمی ہوا، عدنان کیوں اسپتال میں ہے؟ یہ کسی کو پتا نہیں تھا۔ فرخ نے عدنان کا موبائل نمبر ملایا لیکن وہ بھی آف جا رہا تھا۔

پرنسپل صاحب اور دوسرے ٹیچر صاحبان بھی فکر مند ہو گئے مگر انھوں نے یہ سوچا کہ اگر اس وقت لڑکوں کی حوصلہ افزائی نہ کی گئی تو ان کی ٹیم کا وقار برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ پرنسپل صاحب نے تمام کھلاڑیوں کو جمع کر کے ایک چھوٹی سی تقریر کی۔

”آج جو لڑکا بہترین کھیل پیش کرے گا میں اسے ایک خصوصی انعام دوں گا۔ یہ انعام کیا اور کیسا ہوگا، فی الحال میں اس کے بارے میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ بس اتنا سمجھئے کہ ایک انمول تحفہ ہوگا۔“

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ سن کر ہر کھلاڑی مستعد اور چاق و چوبند نظر آنے لگا مگر ان کے اندر چھپا ہوا یہ احساس بالکل ختم نہیں ہوا تھا کہ عدنان کے بغیر کیا وہ جیت سکیں گے؟

وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔۔۔عدنان کی غیر موجودگی میں ٹیم ہار گئی۔ وہ ٹیم جسے عدنان کی وجہ سے ناقابلِ شکست سمجھا جاتا تھا۔

دوسرے دن جب فرخ اور اس کی ٹیم کے دوسرے کھلاڑی عدنان کی عیادت کے لئے اسپتال پہنچے تو ان کی زبانی اپنی ٹیم کی ہار کی خبر سن کر عدنان کو بے حد دکھ ہوا۔ وہ اس صدمے سے ایسا نڈھال ہوا کہ اس سے ایک لفظ تک نہیں بولا گیا پھر اس کے دوستوں نے اس سے پوچھا کہ آخر وہ زخمی کیسے ہوا؟ چند لمحوں تک وہ انھیں خالی نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔

''میچ کے لئے میں گھر سے تیار ہو کر نکلا۔ میں تیزی سے جا رہا تھا کہ مجھے اسٹیڈیم تک پہنچنے میں دیر نہ ہو جائے۔ چند قدم کے فاصلے پر میرا پیر کیلے کے ایک چھلکے پر پڑا اور میں اس تیزی سے پھسلا کہ اپنا توازن برقرار رکھنا میرے لیے مشکل ہو گیا۔ میرے سر، کمر اور پیروں پر چوٹیں آئیں۔ ٹھیک اسی وقت سامنے سے ایک تیز رفتار گاڑی آتی ہوئی نظر آئی تو میں نے بڑی پھرتی سے کروٹ بدلی۔ میرے کروٹ لیتے ہی گاڑی زن سے گزر گئی۔ میں گاڑی کی زد سے تو بچ گیا مگر کروٹ لیتے ہی ایک نئی مصیبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ میرے سارے جسم پر سوئیاں چبھ گئی ہوں۔ اس مصیبت سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے میں نے اٹھنا چاہا تو میرا ہاتھ لہولہان ہو گیا۔ میں نے پتھر سمجھ کر جس چیز کا سہارا لیا تھا وہ تو کوئی ٹوٹا ہوا کانچ کا گلاس تھا۔ لوگوں نے مجھے اٹھا کر اسپتال پہنچایا۔''

چند دن بعد عدنان کو اسپتال سے چھٹی مل گئی۔ وہ گھر چلا آیا مگر ابھی اس کے زخم بھرے نہیں تھے۔ اللہ نے رحم کیا تھا کہ اس کی کوئی ہڈی ٹوٹی نہیں تھی۔ سر میں چوٹیں آئی تھیں مگر وہ خطرناک نہیں تھیں۔ کچھ روز بعد سر کے زخم بھی بھر گئے۔

دو مہینے کے بعد عدنان مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا تھا۔ امی ابو نے اس کی صحت یابی کا جشن منانے کا پروگرام بنایا۔ ایک دن اس تقریب کی خریداری کے لیے عدنان، اس کی امی اور ابو گھر سے نکلے۔ ابھی وہ چند قدم آگے بڑھے تھے کہ سڑک پر آم کا چھلکا پڑا نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی ابو سے پہلے عدنان اس کی طرف جھپٹا اور جھک کر بلا تکلف اٹھا کر دور پھینک دیا۔

''توبہ! توبہ! یہ کیا کر رہے ہو عدنان! تمھیں گھن نہیں آتی سڑک سے گندگی اٹھاتے ہوئے؟'' ابو نے کہا۔

عدنان اپنے ابو سے لپٹ گیا اور بولا۔ ''ابو! مجھے معاف کر دیجیے۔ میں نے آپ کو سمجھنے میں بڑی غلطی کی تھی۔ کاش آپ کی طرح ہر آدمی ان چھوٹی چھوٹی نیکیوں کو حقیر نہ سمجھے۔ راستوں پر پڑے ہوئے کانٹوں، شیشوں اور چھلکوں کو اٹھانا اپنی توہین نہ سمجھے۔ اسے گندگی تصور نہ کرے تو میرے جیسا کوئی لڑکا کبھی زخمی نہ ہو۔ کوئی آدمی کسی حادثے کا شکار نہ ہو۔''

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہادر بونے

دینو ایک محنتی اور جفاکش کسان تھا۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہا تھا۔ ان کی زندگی میں سوائے اولاد کے کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ دینو کو اولاد کی بہت خواہش تھی۔ آخر بڑی دعاؤں کے بعد ان کی مراد پوری ہوئی اور اللہ نے انہیں ایک بیٹا دیا مگر دونوں میاں بیوی اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ یہ بچہ بہت ہی چھوٹا سا تھا۔ ایک چھوٹی سی گڑیا کے برابر۔

جس نے بھی بچے کو دیکھا تو یہ کہا کہ یہ بچہ بونا ہے۔ اس کا قد زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ فٹ تک بڑھ سکے گا اور نہیں۔ دینو بہت مایوس ہوا اور اس نے بچے کا نام آنہ رکھ دیا۔ آنہ واقعی بہت آہستہ آہستہ بڑا ہونا شروع ہوا۔

کچھ عرصے بعد دینو کے گھر ایک اور بچے کی آمد ہوئی لیکن وہ بھی پہلے کی طرح بونا نکلا۔ دینو نے بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے اپنی قسمت کو کوسنا شروع کر دیا اور چڑ کر دوسرے بیٹے کا نام دوآنہ رکھ دیا۔

گاؤں میں اس کے دوستوں نے دینو کو بہت سمجھایا کہ اولاد اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے اس کا شکر ادا کرو، ناشکری نہ کرو، مگر دینو ہر وقت اپنی قسمت کو برا بھلا کہتا۔ اسے فکر تھی کہ جب وہ بوڑھا ہو جائے گا تو اس کے کھیتوں میں ہل کون چلائے گا، بوائی کون کرے گا اور فصل کون کاٹے گا۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ، یہ بونے بچے بھلا کیا کام کریں گے۔

وہ اسی فکر میں تھا کہ اللہ نے اسے ایک اور بیٹا بھی نوازا جو دونوں کی طرح بونا تھا۔ دینو نے اپنا سر پیٹ لیا اور کئی دن تک وہ گھر سے باہر بھی نہیں نکلا۔ وہ اس قدر چڑچڑا ہو گیا تھا کہ کسی سے بات بھی نہیں کرتا تھا۔ غصے میں آ کر اس نے اپنے تیسرے بیٹے کا نام کھوٹا آنہ رکھ دیا۔

وقت گزرتا گیا اور یہ تینوں بچے آنہ، دوآنہ اور کھوٹا آنہ جوان ہو گئے۔ تینوں ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ کے تھے۔ ان کے قد تو نہ بڑھ سکے مگر اپنی شرارتوں، ذہانت اور بے باکی میں تینوں یکتا تھے۔ وہ اپنے باپ کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ مگر پھر بھی دینو کسان ان سے خوش نہیں تھا۔ اسے تو رہ رہ کر یہی خیال آتا تھا۔ کہ کاش یہ بچے معمول کے مطابق قد میں پورے اور کڑیل جوان ہوتے۔

تینوں بونوں میں ایک ایک خصوصیت بھی تھی۔ آنہ جانوروں کی آوازیں بڑی مہارت سے نکالتا تھا اور ان کی بولی بھی سمجھتا اور بولتا تھا۔ دوآنہ تیر اندازی میں ماہر تھا اور آنکھ بند کر کے نشانے پر تیر مارتا تھا۔ کھوٹا آنہ ہوا میں اڑ کر چھلانگ مارتا تھا۔ اس کی لات جسے پڑ جاتی، اس کا منہ ٹیڑھا کر دیتی تھی۔ وہ تو بس ایک چھلاوا تھا۔

دینو کے کھیت میں فصل تیار تھی۔ اس نے فصل کٹوا کر منڈی میں بیچ دی اور خوشی خوشی رقم لے کر گھر آ گیا۔ چار چور دینو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی تاک میں تھے۔انہوں نے رات کو کسان کے گھر میں چوری کا پروگرام بنایا اور آدھی رات کو کسان کے گھر میں داخل ہو گئے۔

کسان اور اس کی بیوی سو رہے تھے کہ چوروں نے ٹھوکروں سے اٹھا دیا۔

دونوں نے جب چوروں کو سامنے پایا تو بہت گھبرائے۔ایک چور نے دینو کا گریبان پکڑا اور بولا۔''نکالو وہ ساری رقم جو تم آج منڈی سے لائے ہو۔''

''بھائیو! میں بڑا غریب آدمی ہوں، اسی رقم سے پورا سال گزارنا ہے، یہ ظلم نہ کرو۔'' دینو نے بڑی عاجزی سے کہا اور سب کے آگے ہاتھ جوڑے۔

لیکن چور تو پھر چور تھے۔انہوں نے کسان کو مارنا شروع کر دیا۔تینوں آنے یعنی آنہ، دوآنہ اور کھوٹا آنہ یہ منظر چُھپ کر دیکھ رہے تھے۔آنہ کسان کی چھتری میں چھپا ہوا تھا۔دوآنہ ایک بالٹی کو الٹا کر کے اس کے اندر بیٹھا تھا اور کھوٹا آنہ اوپر مچان پر رکھے گدوں اور تکیوں کے درمیان گھسا بیٹھا تھا۔

ایک چور کے ہاتھ میں بڑی بندوق تھی۔اس نے بندوق کسان کی طرف تان رکھی تھی اور وہ چور برابر رقم کا مطالبہ کر رہے تھے۔سب سے پہلے دوآنہ نے بالٹی کو اندر سے بجایا۔

ایک چور بولا۔''یہ کیسی آواز ہے؟''

دوسرا بولا۔''تمہارے کان بج رہے ہیں۔''

دوآنہ نے پھر بالٹی بجائی۔اب کے تو چوروں نے چاروں طرف دیکھا لیکن انہیں کوئی نظر نہ آیا۔چوروں نے دینو سے پوچھا۔''یہ کیسی آواز ہے؟''

دینو نے کہا۔''بھائیو! مجھے کیا پتہ شاید کوئی جانور ہو گا۔''

اسی وقت آنے نے اپنے منہ سے بھیڑیے کی آواز نکالی۔ایک چور نے گھبرا کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور کہا''لو باہر بھیڑیے آ گئے۔''

دوسرے چور نے اسے غصے سے جھڑک دیا اور بولا۔''چپ بزدل! میں ڈرتا نہیں ہوں، تو مجھے ڈرا رہا ہے۔''

کسان نے کہا۔''یہاں آدھی رات کو بہت خطرناک جانور آتے ہیں......آپ لوگ بھاگ جائیں۔''

چوروں کا سردار بولا۔''واہ بیٹا! ہم سے چالاکی کر رہا ہے، نکال جلدی سے سارا مال اور زیور نقدی۔'' یہ کہہ کر سردار دینو کو ایک تھپڑ رسید کیا۔

یہ دیکھ کر آنہ نے شیر کی بڑی گرجدار آواز نکالی جسے سنتے ہی چوروں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔وہ گھبرا کر ایک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اسی لمحے کھوٹا آنہ جو مچان پر بیٹھا تھا جست لگا کر بندوق والے چور پر کودا اور ایک زوردار لات اس کے منہ پر رسید کی، چور کے ہاتھ سے بندوق چھوٹ گئی اور وہ اپنا جبڑا پکڑ کر دُہرا ہو گیا۔

کسان نے جھپٹ کر بندوق اٹھائی اور چاروں پر تان لی۔ کھوٹا آنہ ایک بار پھر اڑتا ہوا آیا اور اپنی دونوں لاتیں اس نے چوروں کے سردار کے منہ پر جمادیں۔ وہ لڑھکتا ہوا ایک کونے میں جا گرا۔

ایک چور نے آواز لگائی۔ ''بھاگو'' اور وہ سب بھاگ نکلے۔

کسان نے اطمینان کا سانس لیا اور زندگی میں پہلی بار اپنے بچوں کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ کھوٹا آنہ نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور کہا ''اباجی! ہم ریزگاری ہی سہی لیکن بڑے کام کی ریزگاری ہیں۔''

کسان بولا۔ ''بچو! اب سو جاؤ لیکن تمہارے لئے ایک خبر ہے، وہ صبح سناؤں گا۔''

تینوں آنے ضد کرنے لگے نہیں نہیں، وہ کیا خبر ہے ابھی سنائیں''۔

کسان نے جواب دیا۔ ''بادشاہ نے اعلان کیا ہے کہ اس کی تین شہزادیوں کے لئے اچھے اور بہادر شوہر چاہئیں، وہاں بڑے زبردست مقابلے ہوں گے، تم لوگ بھی جا کر قسمت آزمائی کرو۔ تم لوگوں نے الٹے سیدھے کام سیکھ رکھے ہیں۔ ممکن ہے کوئی تکا لگ جائے۔''

تینوں آنے بڑے خوش ہوئے، کہنے لگے۔ ''ہم لوگ صبح ہوتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔''

غرض صبح ہوتے ہی تینوں آنے اپنے سفر پر روانہ ہوئے اور جلد ہی اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ جب منزلیں طے کرتے ہوئے یہ تینوں شہر میں داخل ہوئے تو لوگ انہیں دیکھ کر ہنسنے لگے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ ''یہ تو شاید جوکر ہیں جو شاہی مسخرے بننے آئے ہیں'' مگر وہ سب سے بے نیاز چلتے رہے۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے تو بادشاہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بولا۔ ''تم تینوں مل کر لڑو گے یا ایک ایک کرکے۔''

دوآنہ نے جواب دیا۔ ''جہاں پناہ! ہم تو مقابلے میں شریک ہونے آئے ہیں جیسے آپ کی مرضی۔''

بادشاہ نے کہا۔ ''تمہیں پتا ہے بڑے بڑے شہزادے اور سورما ان مقابلوں میں حصہ لیں گے۔ تم ان کا مقابلہ بھلا کیسے کروگے؟''

کھوٹا آنہ بولا۔ ''آپ ہمارے قد پر نہ جائیں اور مقابلے کا انتظام کیجئے۔''

بادشاہ نے کہا۔ ''کل صبح شاہی گراؤنڈ میں آجانا۔ اب جا کے آرام کرو۔''

دوسرے دن شاہی گراؤنڈ میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ چاروں طرف لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ کئی نامی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گرامی پہلوان، تیرانداز اور تلوار باز وہاں موجود تھے۔ آس پڑوس کے ملکوں کے شہزادے بھی آئے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے تیراندازوں کا مقابلہ ہوا۔ یہ مقابلہ دوآنہ نے جیت لیا۔

پہلوانی اور زور آزمائی کے مقابلوں میں جب کھوٹا آنہ میدان میں اترا تو چاروں طرف سے لوگ ہنسنے لگے۔ کئی شہ زور اور پہلوان اس کے مقابلے پر آئے مگر کھوٹا آنہ کی فلائنگ ککس نے سب کے منہ توڑ کے رکھ دیے۔

اب بادشاہ نے اٹھ کر اعلان کیا کہ ایک انوکھا کھیل ہوگا۔ ہم کچھ جانور چھوڑیں گے اور امیدواروں کو ان سے لڑنا ہوگا، اگر وہ جانوروں کو مار ڈالنے میں کامیاب ہوگئے تو شہزادیوں کی شادی ان ہی بہادروں سے کی جائے گی۔"

میدان خالی کر کے سپاہیوں نے پنجرے کھول دیے۔ ان جانوروں میں بھیڑیے، کتے، ریچھ اور خوفناک قسم کے بڑے بڑے بندر شامل تھے۔ یہ دیکھتے ہی تمام امیدوار بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب میدان میں اترنے کو کوئی تیار نہ تھا۔

پھر لوگوں نے دیکھا کہ آنہ، دوآنہ اور کھوٹا آنہ میدان میں اترے اور چاروں طرف سے جانوران کی طرف دوڑے، جیسے ہی جانوران کے قریب آئے، آنہ نے شیر کی گرجدار آواز نکالی مگر آواز نکالنے سے پہلے اس نے اپنے تھیلے سے شیر کی کھال نکال کر اوڑھ لی تھی۔ جانور ڈر کر پیچھے ہٹنے لگے۔ دوآنہ نے تیر کمان نکالی اور اپنی بے مثال مہارت سے کئی خوفناک جانوروں کو نشانہ بنایا۔ کھوٹا آنہ اچھل اچھل کر دولتیاں چلا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں میدان میں جانوروں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں اور میدان تالیوں سے گونج رہا تھا۔

بادشاہ نے تینوں بونوں کی جیت کا اعلان کیا اور اسی وقت شاہی پالکی میں تینوں شہزادیاں باہر نکلیں۔ حسن اتفاق کہ یہ تینوں شہزادیاں بھی بونی تھیں۔ بادشاہ نے آنوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں تو خود چاہتا تھا کہ آپ تینوں جیتیں کیونکہ ان چھوٹی چھوٹی گڑیوں جیسی شہزادیوں کے لئے آپ تینوں سے اچھا کوئی رشتہ نہیں ہوسکتا۔"

دوسرے دن بادشاہ نے شادی کا اعلان کر دیا اور تینوں آنوں نے فوراً اپنے ابا یعنی دینو کسان اور اپنی ماں کو شاہی محل بلوالیا۔

شادی کی تقریبات بڑی دھوم دھام سے ہوئیں...... شہنائیوں کی گونج میں اور خوشی اور مسرت کے شادیانوں میں دینو نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور دل سے تسلیم کیا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہر چیز پر شکر ادا کرنا چاہئے اور کبھی ناشکری نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُلٹا جوتا، سیدھا پاؤں

سیکڑوں برس ہوئے ایک نوجوان بادشاہ کے دل میں ایک نہایت انوکھا خیال آیا۔ آئے دن کی جنگ وجدال کو ختم کرنے کے لئے اس نے اپنی فوج کے تمام سپاہیوں کو چھٹی دے دی اور ان سے کہا کہ تم سب اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ اور کھیتی باڑی کرو۔

چنانچہ تمام سپاہی اپنے اپنے گاؤں روانہ ہوگئے، لیکن ایک سپاہی ایسا تھا جس کا نہ تو کوئی رشتے دار تھا اور نہ کھیت کھلیان، لہٰذا وہ سوچنے لگا کہ میرے پاس تو صرف بہادری کے چند تمغے ہیں اور خالی جیب۔ مگر یہ سپاہی تھا بڑا جری۔ چنانچہ وہ اپنی قسمت پر بھروسا کرکے چل پڑا۔

راستے میں بہت سے جنگل اور پہاڑ ملے، لیکن یہ اپنی دُھن میں مگن گاتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ وہ طرح طرح کے خواب وخیالوں میں مبتلا ہوتا رہا۔ کبھی وہ یہ تصور کرتا کہ اس نے بادشاہ کے دشمنوں کو مغلوب کرلیا ہے اور پھر یہ تصور کرتا کہ بادشاہ بذات خود اس کا شکریہ ادا کررہا ہے لیکن اس خواب خیالی کے باوجود بھی کام کی ضرورت ہوتی، وہ فوراً دوڑ پڑتا۔

ایک جگہ پر ایک بھیڑیا بکری کے ایک بچے کو پکڑنے کے لیے جھپٹا تو سپاہی فوراً کھانس پڑا اور بکری کے بچے کو تیزی سے اپنی گود میں اٹھالیا۔ بھیڑیا بھاگ گیا۔ بکری کا بچہ جس کسان کا تھا وہ بھی دوڑتا ہوا وہاں آ پہنچا اور سپاہی کا شکریہ ادا کرنے لگا۔

اس طرح ایک گھوڑا لگام تڑا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ سپاہی نے تیزی سے دوڑ کر گھوڑے کو پکڑ لیا۔ اس دلیری کو دیکھ کر ہر شخص سپاہی کی تعریف کرنے لگا۔

ایک روز سپاہی نے دیکھا کہ ایک نہایت بوڑھا آدمی ایک بڑی بھاری گٹھڑی اٹھائے چلا جارہا تھا مگر گٹھڑی اتنی بھاری تھی کہ بوڑھا دُہرا ہوا جارہا تھا۔

سپاہی نے لپک کر بوڑھے سے کہا۔ ''لائیے بڑے میاں! میں آپ کا یہ سامان اٹھادوں۔ میرے بازو آپ سے زیادہ مضبوط ہیں۔''

یہ کہہ کر سپاہی نے گٹھڑی اٹھالی اور بوڑھے کو بازار تک پہنچادیا۔ یہاں پہنچ کر بوڑھا بولا۔ ''برخوردار! میرے پاس تم کو دینے کے لئے پیسے تو ہیں نہیں۔ جب سامان بیچوں گا تب کہیں پیسے ملیں گے۔''

اس پر سپاہی بولا۔ ''مجھے کسی انعام کی ضرورت نہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ میں آپ کے کام آسکا۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ جواب سُن کر بوڑھا بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا۔ ''بہر حال میں تم کو ایک تحفہ دیتا ہوں''۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی گٹھڑی میں سے ایک جوڑا جوتے نکالے اور سپاہی کو دیتے ہوئے کہا۔ ''ان جوتوں میں ایک خاص صفت ہے۔ میں تم کو بتاتا ہوں کہ انھیں کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔''

سپاہی نے جوتے لیے پھر بوڑھے نے سپاہی کے کان میں کچھ کہہ دیا۔ اس کے بعد سپاہی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ ایک گھنے جنگل میں پہنچ گیا۔ جنگل میں ایک درخت کے پاس اسے ایک شکاری بیٹھا دکھائی دیا۔ سپاہی نے شکاری کو سلام کیا اور کہا۔ ''کیا تم بھی میری ہی طرح کے کوئی سپاہی ہو جو اپنی قسمت آزمائی کے لئے آ نکلے ہو؟''

اس پر شکاری بولا۔ ''تم نے جو کہا وہ کسی حد تک صحیح ہے۔ آؤ میرے پاس بیٹھو اور اپنے بارے میں بتاؤ۔''

چنانچہ سپاہی اور شکاری بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ سپاہی نے اس عرصے میں خوب ہنسی مذاق بھی کیا پھر سپاہی بولا۔ ''بھئی مجھے تو بڑی بھوک لگی ہے۔ تم کدھر جا رہے ہو؟''

شکاری نے کہا۔ ''کیا بتاؤں، میں تو اس جنگل میں راستہ ہی بھول گیا ہوں۔''

یہ سن کر سپاہی بولا۔ ''پھر تو تم میرے ساتھ چلو۔ ہم دونوں مل کر کھانا تلاش کریں گے۔''

چنانچہ دونوں آگے بڑھے۔ جنگل اتنا بڑا تھا کہ ختم ہی نہ ہوتا تھا۔ اتنے میں شام ہو گئی۔ شکاری بولا۔

''اب تو رات بسر کرنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنا چاہیے۔''

اس پر سپاہی نے کہا۔ ''کاش کہیں کھانا مل جائے۔''

دونوں آگے بڑھتے چلے گئے۔ اتنے میں اچانک انھیں بہت دور روشنی دکھائی دی۔ سپاہی بولا۔ ''بھائی شکاری! جلدی چلو۔ کھانے کے خیال ہی سے میرے منہ میں پانی آ رہا ہے۔''

لہٰذا یہ دونوں اس روشنی کی طرف روانہ ہوئے۔ آخر یہ ایک مکان کے پاس پہنچ گئے۔ سپاہی نے بڑے زور سے دروازے پر دستک دی۔ ایک بوڑھی عورت نے دروازے سے جھانک کر پوچھا۔ ''کیا چاہتے ہو؟''

سپاہی بولا۔ ''بڑی بی! ہم کو اندر آنے دو۔ ہمیں بڑے زور کی بھوک لگی ہے اور رات بسر کرنے کے لیے ذرا سی جگہ بھی دے دو۔''

یہ سن کر بڑھیا چلائی۔ ''بھاگ جاؤ۔۔۔۔ جتنی جلد ہو سکے بھاگ جاؤ۔ یہ ڈاکوؤں کا اڈا ہے۔''

اس پر سپاہی بولا۔ ''بڑی بی! اگر ڈاکوؤں نے نہیں مارا تو بھوک سے مر جاؤں گا۔ بات وہی ہوگی۔ میں آ رہا ہوں۔''

شکاری نے سپاہی کو روکنا چاہا مگر سپاہی نہ مانا۔ کہنے لگا۔ ''یار! گھبراؤ نہیں، میں اپنی اور تمھاری دونوں کی حفاظت کرتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رہوں گا۔''

ادھر بڑھیا کو ان دونوں مسافروں پر ترس آ گیا چنانچہ اس نے انھیں آنے دیا مگر اس نے کہا۔ ''تم دونوں جلدی سے چولہے کے پیچھے چھپ جاؤ۔ جب ڈاکو آ کر چلے جائیں گے تب میں تم کو کھانے پینے کو دے دوں گی۔''

لہٰذا یہ دونوں چولہے کے پیچھے چھپ گئے۔ شکاری بولا۔ ''ارے یہاں تو بڑی گرمی ہے۔''

اس پر سپاہی بولا۔ ''مجھے تو گرمی کی پروا نہیں، ہاں بھوک نے میرا دیوالیہ نکال رکھا ہے۔''

اتنے میں بڑھیا آ کر بولی۔ ''چپ ہو جاؤ۔۔۔۔ وہ لوگ آ رہے ہیں۔ خبردار! اگر جان عزیز ہے تو ذرا بھی آواز نہ نکالنا۔ ورنہ مارے جاؤ گے۔''

بڑھیا کے یہ کہتے ہی دھڑام سے دروازہ کھلا اور بہت سے آدمیوں کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ ڈاکو اندر داخل ہو گئے۔ ڈاکوؤں نے بڑھیا سے کھانا مانگا۔ جب تک بڑھیا کھانا لائے۔۔۔۔ اس وقت ڈاکوؤں نے گانے اور چیخنے چلانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اتنے میں بڑھیا کھانا لے آئی اور ڈاکو کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر سپاہی کا بھوک سے برا حال ہو رہا تھا۔ چپکے سے شکاری سے بولا۔ ''یار! میں تو اب برداشت نہیں کر سکتا، میں تو باہر نکلتا ہوں۔''

اس پر شکاری نے کہا۔ ''ایسا غضب نہ کرنا۔ ہم دونوں کی جانیں چلی جائیں گی۔''

شکاری نے سپاہی کو روکنے کی بہتیری کوشش کی مگر اتنے میں سپاہی کو اس زور کی چھینک آئی کہ وہ ضبط نہ کر سکا۔

چھینک کی آواز سن کر ڈاکوؤں کے کان کھڑے ہو گئے۔ سب چلانے لگے۔ ''یہ کون ہے؟ پکڑ لو۔۔۔ جانے نہ پائے۔۔۔۔ جاسوس ہے۔''

چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں سپاہی اور شکاری دونوں کو ڈاکوؤں نے پکڑ لیا اور ڈاکوؤں کے سردار کے پاس پیش کر دیا۔ ڈاکوؤں کے سردار کی ایک آنکھ پر کالی پٹی چڑھی تھی۔ اس کی صورت بڑی ہولناک تھی۔ وہ بڑے غصے میں چلایا۔ ''اچھا تم جاسوسی کر رہے تھے۔ جانتے ہو ہم جاسوس کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟''

یہ سن کر سپاہی بولا۔ ''پہلے ہم کو کچھ کھانے کو دے دو۔ اس کے بعد جو جی چاہے کرنا۔ بھوک سے میرا بُرا حال ہو رہا ہے۔''

ڈاکوؤں کا سردار یہ غیر متوقع جواب پا کر بڑا متاثر ہوا، کہنے لگا۔ ''سپاہی! تمھاری ہمت کی میں داد دیتا ہوں۔''

پھر اس نے حکم دیا کہ ان دونوں کو کھانا دیا جائے۔ چنانچہ سپاہی اور شکاری دونوں کھانا کھانے لگے۔ سپاہی نے تو ڈٹ کر کھایا، مگر شکاری پریشانی کی وجہ سے کھا نہ سکا۔ جب سپاہی کھا چکا تو ڈاکوؤں کا سردار بولا۔

''بس اب تمھارا وقت ختم ہو گیا۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ کہہ کر وہ سپاہی کی طرف جھپٹا اور دوسرے ڈاکو بھی لپکے۔ سپاہی نے جو یہ دیکھا تو وہ کود کر کھڑا ہو گیا اور اپنے دونوں جوتوں کی ایڑیوں کو رگڑنے لگا اور اس کے ساتھ بولا۔

''اُلٹا جوتا سیدھا پاؤں۔''

یہ الفاظ سپاہی کو اس بوڑھے نے سکھائے تھے جس کی گٹھڑی سپاہی نے اٹھا دی تھی اور جس کے صلے میں سپاہی نے بوڑھے کو ایک جوڑا جوتے دیے تھے۔ چنانچہ سپاہی کے منہ سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ تمام ڈاکو جس جگہ تھے وہیں ساکت ہو گئے ان کے پیر زمین میں چپک گئے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے ان کو سانپ سونگھ گیا ہو۔

شکاری نے حیران ہو کر سپاہی سے پوچھا۔ ''ارے یہ تم نے کیا کر دیا؟''

سپاہی بولا۔ ''میں نے ان کو طلسم میں جکڑ دیا ہے۔''

شکاری نے پوچھا۔ ''یہ لوگ کب تک اس حالت میں رہیں گے؟''

سپاہی نے کہا۔ ''جب تک میں انھیں آزاد نہ کروں۔''

شکاری بولا۔ ''بھائی سپاہی! تم نے تو واقعی کمال کر دیا۔ چلو اب یہاں سے بھاگ چلیں۔''

یہ سن کر سپاہی ہنس کر بولا۔ ''جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتے۔ آؤ اچھی طرح کھا پی لو۔''

چنانچہ بڑھیا خوب گرما گرم کھانا لے آئی اور دونوں نے خوب سیر ہو کر کھا لیا پھر سپاہی بولا۔ ''اب چلو۔''

دونوں پھر روانہ ہو گئے۔ شکاری نے پوچھا۔ ''اب کہاں چل رہے ہو؟''

سپاہی نے کہا۔ ''اب کسی قریبی شہر چلتے ہیں۔ وہاں خوب تگڑے تگڑے آدمیوں کو لے آئیں گے، تاکہ ان ڈاکوؤں کو گرفتار کر لیں۔''

جب یہ لوگ شہر پہنچ گئے تو شکاری تو ایک جگہ رک کر انتظار کرنے لگا اور سپاہی نے جا کر اپنے پرانے ساتھیوں کو اکٹھا کر لیا پھر یہ سب لوگ ڈاکوؤں کے مکان پر پہنچ گئے۔ ڈاکو ابھی تک اسی حالت میں ساکت تھے۔ سپاہی کے ساتھیوں نے کہا۔

''چلو ان کو رسیوں سے باندھ لیں۔ دیر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''تم لوگ پہلے کچھ کھا پی تو لو۔'' سپاہی نے کہا، لہٰذا سب کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔ جب سب خوب کھا پی چکے تو سپاہی نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

''اب تم لوگ ہوشیار رہنا۔ میں جیسے ہی وہ الفاظ ادا کروں گا یہ طلسم ٹوٹ جائے گا اور ڈاکو آزاد ہو جائیں گے۔''

چنانچہ جب سب لوگ تیار ہو گئے تو سپاہی نے ایڑیاں رگڑ کر کہا۔ ''الٹا جوتا، سیدھا پاؤں۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کے منہ سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ تمام ڈاکو گویا دوبارہ زندہ ہوئے۔ ڈاکوؤں نے لڑنا چاہا مگر سپاہی کے ساتھیوں نے انھیں نرغے میں لے لیا اور سب کی مشکیں کس لیں۔ پھر تمام ڈاکوؤں کو ایک بیل گاڑی میں لاد کر شہر روانہ ہوئے تاکہ ڈاکوؤں کو جیل میں بند کر دیا جائے۔ سپاہی اور شکاری گاڑی کے پیچھے آہستہ آہستہ چلتے رہے۔

جب یہ دونوں شہر پہنچ گئے تو دیکھا کہ شہر کے لوگ ہار پھول اور جھنڈے لیے استقبال کو موجود ہیں۔ پوچھنے پر ایک شخص نے بتایا کہ آج بادشاہ سلامت شہر کا معائنہ کرنے آرہے ہیں۔

سپاہی سوچنے لگا کہ چلو اب بادشاہ کا دیدار بھی نصیب ہو جائے گا۔ تمام لوگ تالیاں بجا رہے تھے اور خوشی سے ناچ رہے تھے۔ ہر طرف بادشاہ سلامت زندہ باد کے نعرے لگ رہے تھے۔ سپاہی حیران تھا کہ بادشاہ ہیں کہاں۔ آخر اس سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ پوچھ ہی بیٹھا۔

”مگر بادشاہ سلامت ہیں کہاں۔“

یہ سن کر شکاری نے اپنا شکاریوں والا سبز لباس اتار کر ایک طرف ڈال دیا۔ پہلی بار سپاہی کے علم میں یہ بات آگئی کہ دراصل وہ شکاری ہی ملک کا بادشاہ تھا۔ اس نے سپاہی کے ساتھ بڑی بے تکلفی سے باتیں کیں۔

بادشاہ بولا۔ ”اس کی فکر نہ کرو۔ مجھے تمھاری صحبت میں بڑا لطف حاصل ہوا۔ تم بہادر بھی ہو اور خوش مزاج بھی۔ اب تم ہمیشہ میرے ہی ساتھ رہو گے۔ تم ہمارے حفاظتی دستے کے کپتان ہو گے اور ہمیشہ میری اور میری رعایا کی حفاظت کرو گے۔“

سپاہی بولا۔ ”جہاں پناہ! میں اپنی زندگی کا ہر لمحہ آپ کی خدمت کرنے کے لئے وقف کر دوں گا۔“

چنانچہ سپاہی کو شاہی حفاظتی دستے کا کپتان بنا دیا گیا۔ بادشاہ جہاں بھی ہوتا سپاہی سائے کی طرح اس کے ساتھ رہتا۔ بادشاہ کو اس پر پورا اعتماد تھا اور رعایا بھی اس سے محبت کرتی تھی مگر ڈاکو اور غنڈے اس کے نام سے ایسے بھاگتے کہ جیسے شیطان لاحول سے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آخری فیصلہ

ثناء کے مکان کی انیکسی میں کچھ پُر اسرار چہل پہل تھی۔ پہلے تو ثناء نے کبھی اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن اب حالات یکسر مختلف تھے۔ اب تو ثناء اپنے چار اطراف سے باخبر رہتی تھی۔ اس سے پہلے بھی شاید ایسی چہل پہل ہوتی رہی ہو لیکن آج ثناء نے اس ساری سرگرمی کو اپنی نگاہوں سے دیکھنے کا پلان بنا رکھا تھا۔ اس کے ابو کے سارے سیکورٹی گارڈز اس کی کوٹھی کے بیرونی دروازے کی طرف تھے۔ انیکسی سے ملحقہ کوٹھی کی طرف کسی کا دھیان نہیں جاتا تھا۔ ثناء دبے پاؤں چلتی ہوئی انیکسی کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھ رہی تھی۔

ابھی وہ اوپر جانے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ تہ خانے کے روشندان میں سے اسے عجیب و غریب روشنیاں آتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس نے احتیاطاً اِدھر اُدھر دیکھا لیکن میدان صاف تھا۔ وہ پیٹ کے بل فرش پر لیٹ گئی اور رینگتی ہوئی تہ خانے کے روشندان کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے اندر جھانکا۔

تہ خانے میں ایک گول میز کے اردگرد کچھ غیر ملکی افراد اس کے ابو کے ساتھ بیٹھے بات چیت کر رہے تھے۔ ان کے پاس بہت ہی جدید قسم کے اسلحے کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ابو کا خاص آدمی اس اسلحے کی باقاعدہ نمائش کر رہا تھا۔ بعض ہتھیاروں میں سے عجیب و غریب شعاعیں نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ لوگ جو باتیں آپس میں کر رہے تھے، اس کو سننے کیلئے ثناء نے روشندان پر ذرا سا دباؤ ڈالتے ہوئے اسے کھولنے کی کوشش کی۔

خوش قسمتی سے اسے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔ ہلکی سی کلک کی آواز بہرحال پیدا ہوئی۔ اس آواز نے ایک غیر ملکی کو چونکا دیا۔ باقی لوگ اپنی باتوں میں مشغول تھے۔ وہ غیر ملکی اٹھا اور اس روشندان کے بالکل نیچے آ کر کھڑا ہو گیا اور ایک بار پھر آہٹ لینے کی کوشش کی۔

ثناء کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس نے اپنے آپ کو ساکت کر لیا، وہ ذرا سی بھی ہلتی تو پھر آہٹ پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔ ظاہر ہے اس موقعے پر بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی تاکہ دوسروں کو اس کی موجودگی کا پتہ نہیں چلنا چاہیے تھا۔

''کیا بات ہے جوزف!۔۔۔۔۔۔ وہاں کیا کر رہے ہو، ادھر آؤ، دیکھو کیا کمال کا اسلحہ ہے۔ اس کے استعمال سے ہم لوگ اپنے ہدف کو بہت جلد حاصل کر لیں گے۔'' اسکے ابو کی آواز گونجی۔ ''ہاں۔۔۔۔ ہاں بس ایسے ہی کچھ وہم ہو گیا تھا'' غیر ملکی انگریزی زبان میں بولا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''وہم کو چھوڑو۔۔۔۔حقیقت کو دیکھو بے فکر رہو۔ یہاں کسی کے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ یہ ایکسی ہماری سرگرمیوں کا مرکز ہے۔۔۔۔میں نے یہاں بہت محنت سے اپنی ساکھ برقرار رکھی ہوئی ہے۔ یہاں میری اجازت کے بغیر کوئی پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا''۔اس کے ابو بہت تکبر سے بولے۔

غیر ملکی واپس اپنی جگہ آ بیٹھا۔ثناء نے شکھ کا سانس لیا۔ان تمام باتوں نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ اس کے ابو غیر قانونی اسلحے کے نہ صرف ڈیلر ہیں بلکہ ملک میں کئی تخریبی کارروائیوں میں بھی ان کا عمل دخل ہے۔ثناء کے لئے یہ تمام حقائق قیامت خیز تھے۔اس نے دوسرے دن ہی انکل فہد کو یہ تمام باتیں بتا ڈالیں۔اور پھر نجانے کتنی دیر تک روتی رہی۔وہ اپنے ابو کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایسے گھناؤنے کاروبار سے ان کا تعلق ہو سکتا ہے۔کیونکہ معاشرے میں ان کی ایک ساکھ تھی اور بظاہر وہ سماجی فلاح و بہبود کے اداروں کی بھی مالی مدد کیا کرتے تھے۔لوگوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

''میں جانتا ہوں میری بچی! کہ اپنے خون کے رشتوں کی قربانی دینا مجاہدوں کا کام ہے۔تمہاری یہ قربانی نہ جانے کتنے ہی گھروں کے چراغ گل ہونے سے بچائے''۔انکل فہد نے کہا۔

انکل فہد کی باتوں نے اسے کچھ حوصلہ دیا۔پھر انکل نے اسے آئندہ لائحہ عمل کے مطابق ہدایات دینا شروع کیں۔وہ ہمہ تن گوش ساری ہدایات سنتی رہی۔

''کچھ دنوں سے ہماری ثناء بہت بدل گئی ہے''۔ثناء کی امی چائے کی میز پر اس کے ابو سے بولیں۔

''کیا آپ نے اس بات کو محسوس کیا ہے؟''''ہاں۔۔۔ہاں! دیکھو ناں۔۔۔۔اب تو ہمارے درمیان بیٹھنے لگی ہے۔خوش رہنے لگی ہے۔ہمارے ساتھ پارٹیز میں جانے لگی ہے''۔ابو بھی خوش دلی سے بولے۔

''جی ہاں ابو۔۔۔۔میں نے یہی سوچا ہے کہ جب آپ سب لوگ ہی اس طرح خوش رہتے ہیں تو میں کیوں نہ رہوں۔بھئی جیسا دیس ویسا بھیس بدل لینے میں حرج ہی کیا ہے''۔ثناء بسکٹ کھاتے ہوئے بے نیازی سے بولی۔وہ اس وقت ہشاش بشاش لگ رہی تھی۔

''بھئی اس بار تمہاری سالگرہ تو پھر زبردست ہونی چاہیئے۔کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں''۔بڑے بھائی نے چہکتے ہوئے کہا۔''اس خوشی کے موقعے پر میں اپنے تمام دوستوں کو دعوت دوں گا اور خوب ہلہ گلہ ہوگا۔''

''جی ہاں۔۔۔۔اب کی بار میں نے اپنی سالگرہ پر میڈیا ٹیم کو بھی مدعو کیا ہے''۔ثناء نے انکشاف کیا تو امی ابو کا منہ کا کھلا رہ گیا۔''وہ بھی اس پارٹی میں شرکت کریں گے''۔''ارے واہ۔۔۔۔زبردست۔یہ تو ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔آخر اتنے بڑے سیٹھ کی بیٹی کی سالگرہ ہے تو پھر جشن بھی بھرپور ہی ہونا چاہیئے۔شاباش بیٹی!۔۔۔۔۔آخر تمہیں اس سوسائٹی کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طور طریقے سمجھ میں آہی گئے۔"Well Done" ابو قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ اور ثناء سر جھکا کر ہلکی سی سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

آج وہ دن آ پہنچا تھا۔ سالگرہ کے سارے مہمان آ چکے تھے۔ حکومتی ارکان کے علاوہ پولیس اور فوج کے بھی بڑے بڑے افسران مدعو تھے۔ دس بارہ ٹی وی چینلز کے کیمرے اس سالگرہ کو کور کر رہے تھے کیونکہ یہاں نہ صرف سیاسی ارکان جمع تھے بلکہ بعض شوبز کے ستارے بھی جلوہ افروز تھے۔ سامنے بڑی سی سکرین پر تقریب کی براہ راست فلم چل رہی تھی۔

سب لوگ خوب انجوائے کر رہے تھے کہ اچانک پورے پنڈال میں اندھیرا چھا گیا اور صرف سکرین جگمگانے لگی۔ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ سب کی نظریں سکرین پر جم کر رہ گئیں۔ چند لمحے قبل آپس میں باتوں کا جو ایک سلسلہ چل رہا تھا وہ ختم گیا۔ لوگوں میں تجسس کی ایک لہر سی دوڑنے لگی۔ اور ہر شخص کچھ ہونے کا منتظر تھا۔

''یہ ضرور میری ثناء کوئی سرپرائز ہے۔'' ثناء کی امی کی چہکتی ہوئی آواز آئی تو سب لوگوں کے چہروں پر مسکان آ گئی۔ سب کی نظریں سکرین پر تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے منظر تبدیل ہونے لگا۔ اب سکرین پر ثناء کے ابو کی تمام غیر قانونی سرگرمیوں کی فلم چلنا شروع ہو گئی۔ سب لوگ سکتے میں آ گئے۔ سکرین پر جو کچھ دکھایا جا رہا تھا، وہ منظر تقریب میں شریک مہمانوں کو چونکا دینے کے لئے کافی تھا۔ ''یہ۔۔۔ یہ کیا مذاق ہے۔۔۔ یہ کیا بے ہودہ حرکت ہے، روکو اسے روکو'' ثناء کے ابو چلا اُٹھے لیکن مختلف چینلز کے کیمرے تمام شواہد محفوظ کر رہے تھے۔

''میں کہہ رہا ہوں بند کرو۔۔۔ یہ میرے خلاف سازش ہے۔'' ابو چیخ رہے تھے۔

''اگر یہ سازش بھی ہے تو اس کا جواب اب آپ کو عدالت میں دینا ہوگا''۔ ثناء کے ابو کا سر ندامت سے جھک گیا تھا۔ ان کا اصل روپ سامنے آ چکا تھا۔ ان کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تھی۔ یہ ان کی دہشت گردی کی واضح تصویر تھی۔

آئی جی صاحب کے پاس سارے میڈیا کے سامنے ثناء کے ابو کو گرفتار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ آئی جی صاحب کے گارڈز نے ان کے ہاتھ میں ہتھکڑی پہنا دی۔

'ثناء!۔۔۔ تم نے اپنے ابو کو گرفتار کروا دیا''۔ ثناء کی امی چیخ اٹھیں۔ وہ ثناء کو ڈھونڈ رہی تھیں۔۔۔ لیکن ثناء تو اپنے ابو کے ہاتھوں میں ہتھکڑی دیکھتے ہی صوفے پر ڈھیر ہو چکی تھی۔ اس کے نازک سے دل کی دھڑکن تھم چکی تھی اور اس کی روح ان تمام سوالوں کا جواب دیئے بغیر قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی جو اس کی ماں، بھائیوں اور میڈیا کی زبان پر تھے۔ لیکن اُسے آخری وقت یہ اطمینان ضرور تھا کہ وہ ایک کڑے فیصلے کی گھڑی میں اپنے خدا اور قوم کے سامنے سرخرو رہی تھی۔

ایک محب وطن بیٹی اپنے وطن پر قربان ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاگل لڑکی

نورا کی آواز ایک مرتبہ پھر کمرے میں گونجی۔ ''ڈاکٹر صاحب، خدارا آج رات کے لئے نرس کو میرے پاس رہنے دیجئے، مجھے ڈر لگ رہا ہے جانے کیا ہونے والا ہے۔ بس آپ نرس سے کہہ دیجیے کہ وہ آج رات یہیں رہے۔ اگر آپ نے میری بات نہ مانی، تو میں اپنے آپ کو ختم کر دوں گی۔ ہاں ہاں، میں ضرور کچھ کر بیٹھوں گی۔ میں قسم کھاتی ہوں یقین کیجئے ڈاکٹر صاحب، میں بالکل سچ کہتی ہوں۔''

نرس نے ڈاکٹر پیٹرسن کی طرف دیکھا اور اُس کے حکم کا انتظار کرنے لگی۔ ڈاکٹر مُسکرایا اور پھر بزرگانہ شفقت سے مریضہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا: ''بچی، آخر بتاؤ تو سہی، تمہیں کیا ہونے والا ہے؟ تم کس چیز سے خوف زدہ ہو''؟

''یہ میں نہیں بتا سکتی۔ میں ڈرتی ہوں کہ۔۔۔۔۔۔ لیکن نرس سے یہ کہہ دیجیے کہ وہ مجھے تنہا نہ چھوڑے''۔

ڈاکٹر نے نرس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ نرس کندھے سکیڑ کر بولی: میں نہیں سمجھ سکی، کیا بات ہے''؟

''بیٹی! اصل بات بتاؤ گی تو ہم کچھ کریں گے''۔ ڈاکٹر پیٹرسن نے کہا۔

''میں نہیں بتا سکتی۔ وہ اُسے سن لے گا۔ وہ اُسے سُن لے گا''۔ نورا دوبارہ چلائی۔

''وہ! وہ کون؟'' ڈاکٹر نے پوچھا۔

''ڈاکٹر مورس۔'' نورا نے بتایا۔

''ڈاکٹر مورس؟'' پیٹرسن نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہاں'' نورا نے آہستہ سے کہا اور کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔ کھڑکیوں پر لوہے کے مضبوط جنگلے لگے ہوئے تھے۔ سفید بے داغ بستر اور صاف ستھرا فرش جیسا کہ بالعموم ہسپتالوں میں ہوتا ہے۔

''میرا خیال ہے آج یہ مضطرب ہے''۔ نرس نے کہا اور پھر نورا کو بڑے پیار سے سمجھاتے ہوئے بولی ''صبح تمہاری امی آجائیں گی، آخر گھبرانے کی بات ہی کیا ہے''؟

''ہاں، اگر تم نے اس قسم کی بے چینی اور اضطراب ظاہر کیا، تو ہم صبح تمہیں چھٹی نہیں دیں گے اور اُس وقت تک تمہیں یہاں رکھنے پر مجبور ہوں گے جب تک تم بالکل صحت مند نہ ہو جاؤ''۔

نورا اُٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ ''اُف! میرے خدا۔'' اُس نے سوچا۔ ''اب بھی یہ لوگ مجھے چھُٹی نہیں دیں گے''۔ وہ تین

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سال سے اس دماغی ہسپتال میں زیر علاج تھی۔

''ہاں نورا تمہاری امی صبح تمہیں لینے کے لئے یہاں پہنچ جائیں گی اور انہیں تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھنا چاہیے۔ بس اب تم دماغ پر زور نہ دو، ورنہ جیسا کہ نرس کہہ رہی ہے، ہم تمہیں چھٹی نہیں دیں گے''۔

یہ کہہ کر ڈاکٹر پیٹرسن نرس کو اشارے سے برآمدے میں لے گیا۔ نورا اُن کی سرگوشیاں سُن رہی تھی۔ آخر وہ کیا کہہ رہے ہیں، یہی کہ وہ اب تک پاگل ہے اور جو کچھ وہ کہہ رہی ہے محض اُس کا وہم ہے۔

''اُف! اب کیا ہوگا''؟ وہ خوف زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

''آج رات پھر ڈاکٹر مورس آئے گا جیسا کہ اُس نے کہا تھا۔ پھر وہی خوف ناک آنکھیں ہوں گی اور وہ۔۔۔۔۔ وہ ضرور مجھے مار ڈالے گا''۔

اچانک کسی عورت کی خوف ناک ہنسی نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ ہنسی بڑی مکروہ تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی درندے کے حلق سے نکلی ہوئی آواز ہو۔ وہ خوف سے کانپنے لگی۔

نورا بستر پر چپ چاپ پڑی تھی۔ اُس کی آنکھیں اب تک کھلی ہوئی تھیں۔ نیند۔ ہاں اب اُسے سو ہی جانا چاہیے۔ کل وہ اپنے گھر چلی جائے گی جہاں اُس کی امی ہوں گی اور گھر کے دوسرے لوگ۔ اب اُسے سو ہی جانا چاہیے۔ اُسے سو جانا چاہیے، سو جانا چاہیے سو جانا۔۔۔۔۔۔

ڈاکٹر پیٹرسن نے پہلے سوچا کہ ڈاکٹر مورس سے نورا کے ان الفاظ کا ذکر کرے جو اس کے متعلق کہے گئے تھے، لیکن پھر یہ سوچ کر کہ آخر ایک پاگل لڑکی کی باتوں کا کیا بھروسہ، خاموشی ہی میں مصلحت سمجھی۔

ڈاکٹر مورس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور پھر اُس فائل کو گھورنے لگا جسے وہ اپنے سامنے کھولے بیٹھا تھا۔ کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

''آ جاؤ'' اُس نے کہا۔

دروازہ کھلا اور پیٹرسن اندر داخل ہوا۔

''اوہ، ڈاکٹر تم آ گئے۔ اچھا میں نے تمہیں اسی لیے بلایا تھا کہ آج رات مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ تم سونے کے لئے جا سکتے ہو۔ مجھے بہت سا کام کرنا ہے اور اس میں خلل نہ ہونے پائے''۔

''بہتر جناب شب بخیر'' پیٹرسن نے کہا اور چلا گیا۔

ڈاکٹر مورس نے پیٹرسن کے واپس جانے کی آوازیں سُنیں۔ پھر اُس نے اپنی جیکٹ پہنی، کندھے جھٹکائے اور سفید

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دستانے اُتارنے لگا۔ اُسے انسانی دماغ کے مطالعے کا از حد شوق تھا۔ آج رات وہ ایک اہم تجربہ کرنے والا تھا۔ اور وہ یہ کہ ہپناٹزم اور مسمریزم سے جسمانی درد اور تکلیف کا علاج ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اُس نے کلائی پر لگی بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا اور زیر لب بڑبڑایا۔ ''بہتر ہوگا کہ ایک گھنٹہ اور انتظار کرلیا جائے''۔

چاندنی سلاخ دار کھڑکیوں سے نورا کے کمرے میں آرہی تھی۔ وہ بستر پر چُپ چاپ لیٹی تھی۔ نیند نے شاید نہ آنے کی قسم کھالی تھی۔ چار گھنٹے گزر گئے۔ اس طویل عرصے میں وہ ہر لمحے اُن بھاری قدموں کی چاپ کی منتظر رہی جن سے وہ بخوبی واقف تھی۔ کئی بار اُس کا جی چاہا کہ اُٹھ کر بھاگ جائے، لیکن دروازہ صرف باہر ہی کُھل سکتا تھا اور وہ بھی اِس صورت میں جب چابی پاس ہو۔ خود بخود بند ہونے والے اِس دروازے نے اُس کی خواہش کو کُچل کر رکھ دیا تھا۔ تذبذب سے تنگ آکر اُسے خوامخواہ یقین ہوگیا کہ اب کوئی نہیں آئے گا اور وہ آہستہ آہستہ سوگئی۔

مین ہام دماغی شفا خانے کے بڑے ہال میں لگے ہوئے کلاک نے دو بجائے۔ ساری عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ صرف ایک کمرے سے روشنی باہر سنگترے اور لیموں کے پودوں پر پڑ رہی تھی۔ اس کمرے میں رات کی ڈیوٹی والی نرس بیٹھتی تھی۔ مورس نے بڑی آہستگی سے ڈسپنسری کا دروازہ کھولا۔ برآمدہ خالی تھا۔ اٹھارہ نمبر کمرے کے سامنے وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھہرا اور کوئی آواز نہ سُن کر آگے بڑھ گیا۔

یک بیک نورا نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ صبح ہونے والی تھی۔ اُس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ وقت کا صحیح تعین تو خاصا مشکل تھا، تاہم چند گھنٹے بعد اُس کی امّی اُسے لینے آرہی تھی۔ آج وہ گھر واپس چلی جائے گی۔ پھر وہی خوشیاں ہوں گی اور وہی خوشگوار چہرے ہوں گے۔

ایک ہلکے سے کھٹکے نے اُس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی۔ کوشش کے باوجود وہ اپنی نظریں دروازے سے ہٹا نہ سکی۔ پھر وہی ڈاکٹر مورس۔ وہ جانتی تھی کہ بچنے کا کوئی طریقہ نہیں آخر اُس نے ڈاکٹر پیٹرسن اور نرس سے ضد کرکے اپنی بات کیوں نہ منوائی؟ ڈاکٹر مورس نے کہا تھا۔ ''اگر تم نے کسی سے میرے متعلق کہا، تو میں تمہیں جان سے ماردوں گا۔ سمجھیں تم جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی''۔

اُس نے اپنی آنکھیں ایک لمحے کے لئے بند کرلیں۔ خوف سے اُسے جھرجھری آگئی۔ پھر جب اُس نے آنکھیں کھولیں، تو ڈاکٹر مورس اُس کے سامنے تھا۔

''چپکی لیٹی رہو۔'' اُس کی آواز تحکمانہ تھی۔ وہ آگے بڑھا اور اُس کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔

''ڈاکٹر مورس۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"نورا میری طرف دیکھو۔" وہ اُس کے بالکل قریب تھا۔نورا کو اُس کے چمکتے ہوئے سفید دانت نظر آ رہے تھے۔"نورا، میں نے کہا تھا کسی کو نہ بتانا کہ میں یہاں آیا تھا۔"

"نہیں ڈاکٹر، میں نے کسی کو نہیں بتایا، میں سچ کہتی ہوں۔"

"سنو"۔اُس نے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔"جیسا میں کہوں تم ویسا ہی کروگی۔سُنا، جیسا میں کہوں۔۔۔۔۔دیکھو، درد کہیں نہیں ہے، تمہارے کسی جگہ درد نہیں ہے، درد کا کوئی وجود نہیں۔اسے دُہراؤ۔کہو درد کہیں نہیں ہے، تمہارے کسی جگہ درد نہیں ہے، درد کا کوئی وجود نہیں!اسے دُہراؤ۔کہو درد کوئی شے نہیں، ڈرنے کی ضرورت نہیں، درد کوئی شے نہیں"۔

"درد کوئی شے نہیں۔"

"درد صرف تصوراتی شے ہے۔"

"درد صرف تصوراتی شے ہے۔" نورا ہکلائی۔

رفتہ رفتہ نورا کو محسوس ہوا کہ شعور اُس کا ساتھ چھوڑ رہا ہے۔وہ تھک گئی تھی۔اُف!وہ بہت تھک گئی تھی۔وہ چاہتی تھی ڈاکٹر مورس اُس کی طرف دیکھنا چھوڑ دے۔ڈاکٹر کی خوفناک نظریں اُس کے دماغ میں گھسی جارہی تھیں۔اُس نے چلانے کی کوشش کی، لیکن بے سود۔رفتہ رفتہ اُس کے سامنے ہر شے تاریک ہوتی چلی گئی۔

ڈاکٹر مورس نے دیکھا، تجربے کا پہلا حصّہ کامیاب ہوگیا ہے، تو اُس نے نورا کے ہاتھ چھوڑ دیئے اور اُسے گھورتے ہوئے جیب سے ایک چمکدار اور تیز چاقو نکالا۔

"نورا، کیا تم سن رہی ہو"؟ وہ بولا۔

کوئی جواب نہ آیا، آہستگی سے اُس نے وہ چھوٹا سا چاقو اُٹھایا۔چاند کی روشنی میں اُس کا پھل چمک رہا تھا۔اُس نے لڑکی کے ہاتھ پر ایک چھوٹا سا چیرہ دیا۔خون کی ایک سُرخ دھار بہہ کر اُجلے بستر کو داغدار کرنے لگی۔

"نورا، اپنے بائیں انگوٹھے پر ذرا سا چیرہ دو۔سُن رہی ہو۔درد صرف تصوراتی شے ہے، اس کا کوئی وجود نہیں"۔اُس نے چھا جانے والے لہجے میں کہا۔لڑکی کچھ دیر ساکت رہی۔مورس جوش میں آ کر دوبارہ بولا۔"درد صرف تصوراتی شے ہے۔بائیں انگوٹھے پر ذرا سا چیرہ دو۔"

نورا اب کھڑکی کے بالکل سامنے کھڑی تھی۔کچھ دیر وہ یونہی ساکت کھڑی رہی، پھر اُس نے ہاتھ اُوپر اُٹھایا اور آہستگی سے اُسے گردن تک لے گئی۔

لیکن چاقو اپنا کام کر چکا تھا۔اگلے ہی لمحے نورا فرش پر پڑی تھی۔خون اُس کے گلے سے فوارے کی طرح پھوٹ رہا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ڈاکٹر مورس کو یوں محسوس ہوا جیسے اُس کے چاروں طرف خون ہی خون ہے۔ بستر پر۔ کمرے میں۔ اُس کے ہاتھوں پر۔ اچانک اُسے خیال آیا کہ یہاں سے فوراً چلے جانا چاہیے۔ جب اِس حادثے کا لوگوں کو علم ہوگا، وہ مزے سے کمرے میں بیٹھا ہوگا۔ وہ یہ کہے گا۔ غالباً نورا نے چاقو چھپا لیا تھا، اُسی سے خودکشی کرلی۔ وہ دروازے کی طرف مُڑا، اور اُسی لمحے اُسے اپنی خوفناک حالت کا علم ہوا۔ چابی باہر تھی، اُس نے خود دروازہ بند کیا تھا۔ اب وہ اس کمرے میں قید تھا، صبح تک قید۔ اُس نے فرش پر پھیلے ہوئے خون کی طرف دیکھا۔ اُسے اپنا دماغی توازن برقرار رکھنا ہوگا؟ ورنہ وہ بھی۔۔۔۔۔ اُس نے کھڑکی کی طرف دو ایک قدم بڑھائے۔ اُف! باہر خون ہی خون تھا۔ اُس نے گھبرا کر دوسری کھڑکی کی طرف رُخ کیا، وہاں بھی وہی کچھ تھا۔

اُس نے اپنی پوری قوت سے سلاخوں کو توڑنے کی کوشش کی۔ اُف! اُسے تو پُرسکون رہنا چاہیے۔ ہر قیمت پر پُرسکون، ورنہ وہ۔۔۔۔۔ ورنہ اُس کا دماغ بھی جواب دے جائے گا۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ خون۔ خون۔ خون۔ اُسے یُوں محسوس ہوا جیسے وہ خون کی ندی میں کھڑا ہے۔ خون اُس کے حلق سے نیچے اُترتا جارہا ہے۔ اُس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں، لیکن خون پھر بھی اُس کے سامنے تھا۔ سُرخ اور تازہ خون۔

ٹن ٹن ٹن، گھڑی نے تین بجائے، آدھے گھنٹے تک رات کی ڈیوٹی والی نرس آجائے گی۔ اُسے محسوس ہوا کہ فرش پر پڑی ہوئی نورا کی لاش حرکت کر رہی ہے۔ جانے دو، جانے دو، اُس کا خیال چھوڑ دو، ورنہ تم بھی پاگل ہوجاؤ گے۔ درد کوئی شے نہیں، درد صرف تصوراتی شے ہے۔ خود اپنی آواز سے کیوں پریشان ہوتے ہو۔ درد کوئی شے نہیں۔ اوہ! مجھے باہر جانے دو۔ خدا کے لیے مجھے باہر جانے دو۔ وہ چیخ رہا تھا۔ وہ پوری قوت سے چیخ رہا تھا: درد کوئی شے نہیں، میں کہتا ہوں یہ صرف تصوراتی شے ہے۔ اس کا کوئی وجود نہیں۔ میں نے ثابت کردیا ہے۔ میں نے خود ثابت کردیا ہے۔ مجھے باہر جانے دو، مجھے باہر جانے دو۔

وہ بند دروازے کے ساتھ سر ٹکرانے لگا۔ حتیٰ کہ اُس کی طاقت جواب دے گئی اور وہ گر پڑا۔ برآمدے میں آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ یہ پیٹرسن ہوگا۔ اور آوازیں۔ قریب کی آوازیں۔

چابی گھمانے کی آواز آئی، پھر دروازہ کُھلا اور ڈاکٹر پیٹرسن، نرسوں اور بہت سے دوسرے ملازموں کی معیت میں داخل ہوا۔

"پیٹرسن میں نے ثابت کردیا ہے کہ درد کوئی شے نہیں"۔ دماغی ہسپتال کا ناظم اعلیٰ ڈاکٹر مورس دیوانہ وار قہقہے لگا رہا تھا۔

"کیا تم جانتے ہو میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میں نے درد پر فتح پالی ہے، اب وہ کسی کو تنگ نہیں کرے گا۔ ہاہاہا، میں جیت گیا ہوں"۔

تھوڑی دیر بعد چند ملازم ڈاکٹر مورس کو تھامے اُن کوٹھڑیوں کی طرف لے جارہے تھے جن میں نہایت خطرناک قسم کے پاگل رکھے جاتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جوکروں کی ملکہ

لٹی لالی پاپ ایک ملکہ تھی۔ اس کا کوئی محل تھا نہ تاج تھا۔ اس کی کوئی ریاست بھی نہیں تھی کہ جس کی وہ ملکہ ہوتی لیکن پھر بھی وہ بہت مشہور ملکہ تھی۔ اس کے نام کے ساتھ لالی پاپ بہت بعد میں لگا ورنہ پہلے ایسا نہیں تھا۔

لٹی دوسری تمام لڑکیوں کی طرح عام سی لڑکی تھی۔ وہ بہت خوب صورت نہیں تھی۔ ایک عام سے گھر میں رہتی تھی۔ عام سے اسکول میں پڑھتی تھی اور دوسری لڑکیوں کی طرح اس کے عام سے مشاغل تھے۔ ٹی وی دیکھنا، کہانی کی کتابیں پڑھنا اور امی کے ساتھ باورچی خانے کا کام کروانا، اسے ٹام اینڈ جیری اور ڈونلڈ ڈک کے کارٹون اور مزاحیہ فلمیں بہت اچھی لگتی تھیں۔ وہ انہیں دیکھ کر خوب ہنستی تھی اور یہی وہ بات تھی جو اسے عام لڑکی نہیں رہنے دیتی تھی۔

لٹی کی ہنسی سب سے الگ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ شروع ہوتی، بالکل ایسے جیسے اس کے حلق میں پانی کا بلبلہ اٹک گیا ہو۔ تھوڑی دیر میں ایسا لگتا جیسے سوڈا واٹر کی بند بوتل میں بلبلے اٹھ رہے ہوں اور پھر لٹی کی ہنسی کی آواز بڑھتے بڑھتے اپنے اردگرد موجود تمام لوگوں کو متوجہ کر لیتی، جو بھی اس کی ہنسی سنتا، وہ ہنسنا شروع کر دیتا۔ اور پھر ہنستا ہی چلا جاتا۔

اپنی ہنسی کی وجہ سے لٹی اسکول میں بہت مشہور تھی۔ تمام استانیاں جب لٹی کی کلاس میں جاتیں تو پڑھاتے ہوئے بہت احتیاط کرتیں کہ ایسی کوئی بات نہ ہو جس پر لٹی کو ہنسی آ جائے۔ کیوں کہ اگر لٹی کو ہنسی آ جاتی تو اس کے ساتھ ہی پوری کلاس بھی ہنسنا شروع کر دیتی۔ یہاں تک کہ ہنستے ہنستے سب کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ اور پھر کافی دیر بعد پڑھائی دوبارہ شروع ہوتی لٹی کی ہنسی ختم ہو جانے کے تقریباً پانچ منٹ بعد کلاس کی باقی تمام طالبات بھی اپنی ہنسی روک پاتیں۔

لٹی جیسے جیسے بڑی ہو رہی تھی، اس کی ہنسی بھی بڑھ رہی تھی۔ اب ایسی صورت حال کے پیش نظر کبھی کبھی اس کی ہنسی دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث بھی بنتی تھی۔

ایک روز وہ سپر اسٹور میں ہنس پڑی تو اس کی ہنسی سن کر ایک خاتون ہنستے ہنستے اتنا بے حال ہوئیں کہ بے دھیانی میں ایک شوکیس سے ٹکرا گئیں اور وہ الٹ گیا۔ چیزیں زمین پر گریں تو لٹی کو مزید ہنسی آ گئی۔

اسٹور میں موجود ہر شخص ہنس رہا تھا۔ یہاں تک کہ سپر اسٹور کا مالک بھی بے تحاشا ہنستا ہی چلا جا رہا تھا۔ حالاں کہ اپنا نقصان ہونے پر سخت غصہ آ رہا تھا اور وہ ہنسنا نہیں چاہتا تھا لیکن اپنی ہنسی پر اسے کنٹرول ہی نہیں تھا۔

بعد میں اس نے لٹی کو اپنے اسٹور پر دوبارہ آنے سے منع کر دیا تھا اور اسٹور کے مالک کی سرزنش پر وہ دوبارہ وہاں گئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں گئی۔

للّی اب سمجھ دار ہو گئی تھی۔ اسے احساس تھا کہ اس کے ہنسنے سے لوگ مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے اس نے کوشش شروع کر دی کہ اسے ہنسی نہ آیا کرے۔ وہ کوشش کرتی کہ کسی ایسی چیز کی طرف نہ دیکھے کہ اسے ہنسی آئے۔ وہ صرف اس وقت ہنستی جب اس کے آس پاس کوئی نہ ہوتا۔ اسے اچھا لگتا تھا جب لوگ اس کی ہنسی پر ہنستے لیکن یہ بات پریشانی بھی پیدا کر رہی تھی، اس لئے اسے خود پر قابو رکھنا تھا۔

ایک دن اتفاق سے اسے وہ چیز مل گئی جو اس کی ہنسی روکنے میں بہت مددگار ثابت ہوئی۔ وہ ایک لالی پاپ (Lolly pop) تھی۔ اب للّی ہر وقت اپنی جیب میں بہت ساری لالی پاپ رکھتی اور جب بھی اسے ہنسی آنے لگتی، وہ فوراً ایک لالی پاپ اپنے منہ میں ڈال کر چوسنے لگتی۔ اسی لئے اس کا نام "للّی لالی پاپ" پڑ گیا۔

جب اس نے اپنی تعلیم مکمل کر لی تو کئی جگہ نوکری کی درخواست دی لیکن اسے کہیں ملازمت نہ ملی، کیوں کہ ہر دفتر میں اس کو نوکری دینے کی شرط رکھی جاتی کہ وہ آفس میں لالی پاپ نہیں چوسے گی۔ اس نے ایک جگہ اس شرط کو مان کر ملازمت کر لی لیکن کچھ ہی دن بعد اسے بے اختیار ہنسی آ گئی اور اس کی ہنسی سن کر اس کی ایک ساتھی کو اتنی ہنسی آئی کہ وہ فوٹو کاپی مشین پر کام کرتے کرتے اسے بند کرنا بھول گئی اور 3 کی جگہ 317 کاپیاں بن گئیں۔

للّی کو نوکری سے نکال دیا گیا اور اس کے باس نے بہت سخت لہجے میں اس سے کہا "یہ مسخرہ پن تمہیں کسی سرکس میں نوکری دلوا سکتا ہے۔ میرے آفس میں نہیں۔"

"میں جوکر نہیں سر......" للّی نے کہنا چاہا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے دماغ میں ایک زبردست آئیڈیا آ گیا۔ اور وہ فوراً اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔ اس نے اپنے لئے بہترین نوکری تلاش کر لی تھی۔

"میں جوکر بننے کی تربیت لوں گی اور لوگوں کو ہنساؤں گی۔" اس نے دل میں ارادہ کر لیا۔ اور اپنے اس ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے سہیلیوں سے مشورہ کیا۔

"لیکن جوکر تو لڑکے ہوتے ہیں۔ لڑکیاں جوکر نہیں بنتیں۔" جس نے بھی للّی کے ارادے کے بارے میں سنا، اس نے یہی کہا۔ للّی اس کے جواب میں صرف مسکرا دیتی۔ کیونکہ اس کا عزم و ارادہ پکا تھا۔

وہ تین سال تک فرانس اور امریکہ کے مختلف سرکس اسکولوں میں تربیت لیتی رہی۔ اس نے سیکھا کہ کس طرح اداکاری کرنی ہے، کس طرح دوسرے جوکروں سے الگ نظر آنا ہے، اس نے بھی اپنا ایک مخصوص پٹیوں والا لباس بنوالیا، حتیٰ کہ اس کا لالی پاپ بھی پٹیوں کی طرح رنگ دار تھا۔ اس نے سیکھا کہ کس طرح اس نے اپنی ہنسی ضبط کرنی ہے اور بالکل نہیں ہنسنا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

للی لالی پاپ نے ایک سرکس میں پرفارم کرنا شروع کیا تو اسے بہت کامیابی ملی۔ اسے کئی کرتب بہت مہارت سے دکھانے آتے تھے۔ لوگ اسے دیکھ کر ہنستے تھے، لیکن وہ بالکل نہیں ہنستی، صرف لالی پاپ چوستی رہتی۔

یہاں تک کہ سرکس کا آخری دن آپہنچا۔ اس دن جشن کا سماں تھا، تمام جوکروں نے کرتب دکھائے جن میں للی نے اپنے منہ سے لالی پاپ نکال دیا اور زور سے قہقہہ لگایا...... اس کے ساتھ ہی سرکس دیکھنے والے تمام لوگ بے ساختہ ہنسنے لگے اور ہنستے ہنستے سب لوٹ پوٹ ہو گئے۔

کچھ ہی عرصے میں للی لالی پاپ مشہور ہو گئی۔ وہ اپنے سرکس کے تمام جوکروں کی ملکہ بن گئی اور سرکس اس کی ریاست بن گئی۔ اب کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ للی ایک ایسی ملکہ ہے جس کی کوئی ریاست نہیں۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فقیر کی بدُعا

اسکول کی گھنٹی بجی۔ٹن۔۔۔۔۔ٹن۔۔۔۔ٹن۔۔۔۔۔

چھٹی ہوگئی اور چھوٹے بڑے بچے کلاسوں سے اس طرح نکلے، جس طرح گرمیوں میں چیونٹیاں زمین سے اُبل کر باہر آتی ہیں۔وہ جب تک اسکول کی عمارت کے اندر رہے، تب تک بھیگی بلی بنے رہے اور اسکول کی عمارت سے باہر آتے ہی شیر ہوگئے۔دھینگا مستی کرنے لگے، ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے لگے، ایک دوسرے کو مارنے پیٹنے لگے، کوئی چیخ رہا تھا، کوئی چلاّ رہا تھا، کوئی قہقہے لگا رہا تھا اور کوئی ٹسوے بہا رہا تھا۔

آس پاس خوانچے والے تھے۔کوئی آئس کریم، کوئی گولا گنڈا، کوئی شربت بیچ رہا تھا۔ایک شخص میلی سی، ٹوٹی پھوٹی گاڑی پر مکئی کے دانے بھن رہا تھا، دوسری طرف دوسرا شخص شکر قندی صاف کر رہا تھا، ایک کونے میں برگر اور بن کباب والا کھڑا تھا۔اسکول کے بچوں نے ہر ایک کو گھیر رکھا تھا۔

اسی بھیڑ بھاڑ میں وہ گاڑیاں بھی کھڑی تھیں جن میں بیٹھ کر انہیں گھر جانا تھا۔کچھ گاڑیاں گھروں سے آئی تھیں، کچھ گاڑیاں وہ تھیں جو آمد رفت کا ماہانہ کرایہ لے رہی تھیں، ایک دو رکشا، ایک دو گھوڑا گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔غرض اسکول کے باہر ایک میلہ لگا ہوا تھا۔شور..... ہنگامہ..... چیخ و پکار.....عجیب رونق تھی۔

اس ہنگامے میں وہاں ایک فقیر پہنچا۔اس کے دونوں پیر گھٹنوں کے پاس سے کٹے ہوئے تھے۔وہ لکڑی کے ایک تختے پر بیٹھا تھا، جس میں چار چال لگے تھے۔اُس کے دونوں ہاتھوں میں لکڑی کے بلاک تھے، وہ ان کی مدد سے تختے کو چلاتا تھا۔

حامد کو شرارت سوجھی، وہ اُس کے پاس گیا اور بولا: ''لنگڑ دین..... پیسے کے تین..... جوتے کھاؤ ساڑھے تین!''

لنگڑا فقیر غصہ ہوا اور اُسے مارنے کے لیے لپکا، حامد اُس کو منہ چڑاتا ہوا بھاگا، پیچھے سے سر کلیم آ رہے تھے۔اُنہوں نے دور سے حامد کی شرارت دیکھی اور اُسے آواز دی: ''حامد..... یہاں آؤ!''

اُستاد کی آواز سُن کر حامد کی سٹی گم ہوگئی۔وہ من ہی من میں: ''جل تُو جلال تُو، آئی بلا کو ٹال تُو!'' پڑھتا ہوا سر کے پاس آیا۔

سر کلیم نے اُس کا کان پکڑا اور کہا: ''تم نے اُس بے چارے فقیر کا مذاق اُڑایا، کتنی بُری بات ہے۔وہ بھی تمہاری طرح ایک انسان ہے، اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، مصیبت کا مارا ہے، پتا نہیں، وہ کیوں اور کیسے اپاہج بنا؟ اُس کا مذاق اُڑانا اچھا نہیں۔اللہ تعالیٰ کے بندوں سے پیار کروگے، اللہ تعالیٰ تم سے پیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کے بندوں سے نفرت کروگے، اللہ تعالیٰ تم سے نفرت کرے گا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اللہ تعالیٰ کے بندوں کا مذاق اُڑاؤ گے، اللہ تعالیٰ تمہارا مذاق اُڑائے گا، جاؤ اُس سے معافی مانگو۔ شاباش..... جاؤ... جلدی جاؤ۔''

حامد ندامت کے ساتھ فقیر کے پاس آیا اور بولا: ''بابا.....! میں نے آپ کا دل دکھایا، مجھے معاف کر دیں۔'' یہ کہہ کر وہ رونے لگا۔

فقیر مسکرایا اور بولا: ''جاؤ بیٹا..... جاؤ... میں نے تمہیں معاف کر دیا لیکن یاد رکھو! آج کے بعد کسی اپاہج اور معذور پر نہ ہنسنا، کسی کے دل سے آہ نکلی تو اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو جائے گا۔ جاؤ... اب اپنے گھر جاؤ..... ماں باپ تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے...''

حامد کا دِل ہلکا ہوا۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئے سر کے پاس آیا اور بولا: ''سر آپ بھی مجھے معاف کر دیں، میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں، اب آئندہ کسی غریب فقیر کا دل نہیں دکھاؤں گا۔''

سر کلیم نے محبت اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، اس کی پیٹھ تھپ تھپائی اور بولے: ''اچھے بچے اسی طرح بڑوں کا کہا مانتے ہیں، جاؤ اب گھر جاؤ۔'' اتنے میں گاڑی کا ہارن بجا، حامد نے دوڑ لگائی اور گاڑی میں جا بیٹھا۔

حامد شریر ضرور تھا۔ ہوشیار اور ذہین بھی تھا۔ وہ پانچویں میں پڑھتا تھا۔ سر کلیم اُس کے کلاس ٹیچر تھے۔

دوسرے دن وہ کلاس میں بیٹھا تھا۔ سر جماعت کے کمرے میں داخل ہوئے، سب بچے ''السلام علیکم'' کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ سر کلیم نے جواب دیا: ''وعلیکم السلام.....! بیٹھ جائیں....''

سب بچے بیٹھ گئے۔ سر نے پہلے حاضری لی، اس کے بعد پوری کلاس پر نظر دوڑائی، پھر بولے: ''بچو! آج میں آپ کو تاریخ کا ایک عجیب و غریب اور سبق آموز واقعہ سُناتا ہوں۔''

یہ سُن کر بچے بہت خوش ہوئے، سب بچوں نے سر کلیم کی طرف کان لگا دیے، اُنہوں نے اپنی بات شروع کرتے ہوئے کہا: ''یہ اُن دنوں کی بات ہے جب ہندوستان اور پاکستان ایک ہی ملک تھے، اس پورے ملک کا نام ہندوستان تھا۔''

''میں جس دور کی بات کر رہا ہوں، اُس زمانے میں بہادر شاہ ظفر دہلی کا بادشاہ تھا۔ وہ مغل خاندان کا آخری چشم و چراغ تھا۔ اُس کے دورِ حکومت میں مغلیہ سلطنت سکڑ کر لال قلعے کی چہار دیواری کے اندر تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ظاہر میں بہادر شاہ ظفر پورے ہندوستان کا بادشاہ تھا، مگر اصل معنوں میں پورے ہندوستان پر انگریز سرکار ہی کا راج تھا۔ بہادر شاہ ظفر بادشاہ ہوتے ہوئے بھی انگریزوں کا آلہ کار تھا، وہ جو چاہتے یا کہتے بادشاہ وہی کرتا۔''

گرمی کا موسم تھا، دہلی سے باہر، لال قلعے سے دور تین مغل شہزادے جنگل کے ویرانے میں شکار کرتے پھر رہے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں بندوقوں کی بجائے غلیلیں تھیں۔ درختوں کی ٹہنیوں پر پتوں کی چھاؤں میں بیٹھی ہوئی چڑیوں اور فاختاؤں کا وہ شکار کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک فقیر وہاں آنکلا۔ اُس نے دیکھا کہ تین لڑکے غلیل سے ننھی منی چڑیوں اور فاختاؤں کو مار رہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں۔ اُن کا لباس اور رکھ رکھاؤ دیکھ کر معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بادشاہ زادے تھے۔ وہ لڑکوں کے پاس آیا، شہزادے اُسے دیکھ کر کچھ حیران سے ہو گئے۔ فقیر اُن کے سامنے پہنچ کر ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑا ہوا اور بولا:

''اے شہزادو! بے زبان پرندوں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے کہ آپ اُن کی جان کے دشمن بنے ہیں؟ جس طرح ہماری جان ہے، اس طرح اُن کی بھی جان ہے۔ جس طرح ہم خوش رہنا چاہتے ہیں، اسی طرح انہیں بھی خوش رہنے کا حق ہے۔ جس طرح ہمیں کوئی چوٹ لگتی ہے تو ہم دکھی ہوتے ہیں، اُسی طرح چوٹ لگنے سے انہیں بھی صدمہ پہنچتا ہے۔ وہ بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں، ہماری تمہاری طرح بولتے ہیں، مگر ہم اُن کی بولی سمجھ نہیں سکتے، آپ بادشاہ زادے ہیں۔ آپ کو اپنے ملک میں رہنے والوں سے محبت کرنی چاہیے، اُن کی جان اور اُن کے مال کی حفاظت کرنی چاہیے، یہ بھی آپ کی رعایا ہیں، ان کی حفاظت بھی آپ کا فرض ہے۔''

اُن تین شہزادوں میں سے ایک کا نام مرزا نصیر الملک تھا۔ فقیر کی نصیحت والی باتیں سُن کر وہ غصّے سے آگ بگولا ہو گیا اور بولا:

''ارے! تم کون ہوتے ہو ہمیں نصیحت کرنے والے؟ تم تو دو ٹکے کے آدمی ہو، بھیک منگے ہو اور چلے ہمیں سمجھانے۔ پہلے اپنی اوقات تو دیکھو، پھر زبان کھولو۔ ہم شکار کھیل رہے ہیں، کوئی گناہ کا کام نہیں کر رہے ہیں۔''

فقیر نے شہزادے کو سمجھاتے ہوئے کہا: ''بے شک آپ کے سامنے میری کیا حیثیت، مگر آدمی مال و دولت سے نہیں، عقل سے بڑا بنتا ہے۔ جس کے پاس عقل ہے، جو سوجھ بوجھ سے کام لیتا ہے، دنیا میں اُسی کی وقعت ہے۔''

جو عقل سے، سوجھ بوجھ سے کام نہیں لیتا، خواہ اس کے پاس کتنی ہی دولت کیوں نہ ہو، دنیا میں اُس کی کوئی وقعت نہیں۔ میں شکار کھیلنے سے منع نہیں کرتا، شوق سے کھیلئے، مگر ایسا شکار کریں کہ ایک کی جان جائے اور پانچ دس جانوں کا پیٹ تو بھرے، آپ تو اُن ننھی منھی چڑیوں اور فاختاؤں کا شکار کر رہے ہیں کہ سو پچاس جانیں لیں گے، تب بھی ایک جان کا پیٹ نہیں بھرے گا۔''

فقیر کی باتوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مرزا نصیر الملک کا پارہ ایک سو ڈگری سے بھی اوپر چڑھ گیا۔ وہ غصّے سے لال پیلا ہوا اور غلیل سے ایک پتھر فقیر کے گھٹنے پر اس زور سے مارا کہ اُس کے منہ سے دل دہلا دینے والی چیخ نکلی اور وہ زمین پر منہ کے بل گرا۔ تینوں شہزادے گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھتے ہی...... یہ جا وہ جا۔ فقیر نے کراہتے ہوئے کہا: ''ہائے ظالم......! تم نے میری ٹانگ توڑ دی۔ اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح تمہاری ٹانگ توڑ دے اور تم بھی زمین پر گھسٹتے ہوئے چلو۔''

یہ بددعا دے کر فقیر زمین پر اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا سامنے کے قبرستان کی طرف جانے لگا۔

بات آئی گئی ہو گئی۔ دہلی میں ۱۸۵۷ء کا خونی انقلاب آیا۔ اس خونی انقلاب میں مغلیہ سلطنت، اس کا تخت و تاج، اس کی شان و شوکت، عزت اور ناموس سب کچھ بہہ گیا۔ کل تک جو بادشاہ زادے تھے وہ فقیر بن گئے۔ کل تک جو دوسروں کی جانوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے کھیلتے تھے، ان کی جانوں کے لالے پڑ گئے۔ اطلس وکم خواب کے نرم گرم بستروں پر سونے والوں کو گھاس پھوس کا بستر تک میسر نہ آیا۔ عالی شان محلوں میں رہنے والوں کو سر چھپانے کے لئے چھت نہ ملتی تھی، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے والوں کو مٹی کے برتن بھی میسر نہ تھے۔ طرح طرح کے، قسم قسم کے تر نوالے کھانے والوں کے نصیب میں سوکھی روٹی تک نہ رہی تھی۔

مرزا نصیر الملک کا بھی وہی حال ہوا۔ وہ بہادر شاہ ظفر کا پوتا تھا۔ اس کی خدمت میں ہر وقت نوکر چاکر ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ اب وہ ایک سوداگر کے گھر کا نوکر تھا۔ وہ کچھ دنوں تک نوکری کرتا رہا۔ جب وہاں دل نہیں لگا تو دوسری جگہ نوکری کر لی۔ اس طرح کئی سال بیت گئے۔

☆☆☆

ایک دن دہلی کے بازار میں لوگوں نے دیکھا کہ ایک فقیر جس کے چہرے بشرے سے لگتا تھا کہ اس کا تعلق مغل خاندان سے رہا ہوگا، گھسٹتا ہوا چل رہا تھا۔ فالج کی شدید بیماری کی وجہ سے اس کے دونوں پیر بے کار ہو گئے تھے، وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا تھا۔ وہ ہاتھوں کو زمین پر ٹیک ٹیک کر اپنے آپ کو اس طرح گھسیٹتا جس طرح کل شہزادوں کو نصیحت کرنے والا فقیر اپنے آپ کو گھسیٹ رہا تھا۔ لوگ رحم کھا کر، ترس کھا کر اس کی جھولی میں کچھ نہ کچھ ڈال دیتے۔ ''حامد......!'' سر کلیم نے حامد کو خاص طور سے مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''میں نے آج یہ واقعہ تم سب کو اس لئے سنایا کہ تم لوگ یاد رکھو کہ کسی اپاہج یا معذور کا مذاق مت اڑاؤ، اس کا دل مت دکھاؤ، اگر اس کے دل سے ہائے نکلی......تو یاد رکھو وہ ہائے ساتوں آسمانوں کو چیرتی ہوئی عرش رب جلیل سے جا ٹکرائے گی، پھر اس کا نتیجہ کیا ہوگا......؟ وہی جو اس مغل شہزادے کا ہوا، جس نے غلیل سے ایک فقیر کی ٹانگ توڑ دی اور اس کی بددعا سے وہ بھی چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا اور امیر سے غریب ہو گیا۔'' ابھی سر کلیم نے اپنی بات پوری نہیں کی تھی کہ پیریڈ ختم ہونے کی گھنٹی بجی۔

''پیارے بچو......! آج کی بات گرہ میں باندھ لو، دوسرے پیریڈ میں آ کر ہوم ورک چیک کروں گا۔'' یہ کہتے ہوئے سر کلیم جماعت کے کمرے سے باہر نکلے اور لڑکے گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ وہ اس وقت چونکے جب دوسرے استاد کلاس میں داخل ہو رہے تھے۔

سبق : ہمیں کسی غریب اور معذور شخص کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔ اس سے دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہے جو نہایت بری بات ہے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جادوگر اور آدم خور دیو

پرانے وقتوں کی بات ہے، کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جو نہایت ذہین اور فرماں بردار تھا۔ اب کسان بوڑھا ہو چکا تھا اور کام کے قابل نہیں رہا تھا۔ ایک دن وہ سخت بیمار ہو گیا اس کے بیٹے نے اس کا بہت علاج کروایا اور اس کی تیمارداری کا خرچ پورا کرنے کے لئے اپنا کھیت بیچ دیا لیکن کسان کی طبیعت ٹھیک ہونے کے بجائے خراب ہوتی چلی گئی اور ایک دن اس کا انتقال ہو گیا۔

کسان کا بیٹا اب دنیا میں اکیلا رہ گیا۔ کھیت تو پہلے ہی اس کا نہیں رہا تھا، صرف ایک گھوڑا تھا، اب وہ کیا کرے اور کیسے کمائے یہ سوال اس کے لئے سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی قسمت آزمانے کے لئے گھوڑے پر سوار ہوا اور سفر شروع کر دیا۔

کئی دن کی مسافت کے بعد وہ ایک شہر کے دروازے پر پہنچا۔ وہاں کھڑے ہوئے سپاہی نے اسے روک کر پوچھا۔

''کون ہو تم اور شہر میں کیوں آنا چاہتے ہو؟''۔

کسان کے بیٹے نے جواب دیا۔ ''میں ایک پردیسی ہوں اور اس شہر میں اپنی قسمت آزمانا چاہتا ہوں تاکہ اپنی روزی روٹی پیدا کر سکوں''۔

سپاہی نے یہ سنا تو بولا۔ ''اگر قسمت آزمانا چاہتے ہو تو پھر ایک سوال کا جواب ڈھونڈ کر لاؤ، اس شہر کا حاکم تمہیں منہ مانگا انعام دے گا۔''

''کون سا سوال؟'' کسان کے بیٹے نے پوچھا۔

''ہمارے شہر میں ایک آبشار ہے، پچھلے ایک سال سے وہ خشک ہے لیکن اس کی وجہ کسی کو سمجھ نہیں آتی، اگر تم اس کا جواب ڈھونڈ لاؤ تو حاکم تمہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دے گا۔''

سپاہی نے کسان کے بیٹے کو بتایا۔

''ٹھیک ہے، میں ضرور پتا لگاؤں گا۔'' کسان کے بیٹے نے جواب دیا اور آگے کی طرف چل پڑا۔ کچھ دن بعد وہ دوسرے شہر کے دروازے پر جا پہنچا۔ وہاں کھڑے سپاہی نے بھی اس سے آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ وہ اپنی قسمت آزمانا چاہتا ہے۔

''اگر تم ایک سوال کا جواب ڈھونڈ لاؤ تو اس شہر کا رئیس تمہیں بہت سا سونا انعام میں دے گا جس سے تم مالا مال ہو جاؤ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گے۔'' سپاہی نے کہا۔

''کون سا سوال؟'' کسان کے بیٹے نے پوچھا۔

''رئیس کے باغ میں سیب کا ایک درخت ہے، اس پر میٹھے اور بڑے بڑے سیب لگتے تھے لیکن کئی سالوں سے اس پر سیب لگنا ختم ہو گئے ہیں، اس کی وجہ کسی کو سمجھ نہیں آ رہی اور رئیس نے اس مسئلے کو حل کرنے والے کے لئے انعام کا اعلان کیا ہے۔'' سپاہی نے کسان کے بیٹے سے کہا۔

''میں ضرور کوشش کروں گا کہ اس کا جواب لا سکوں۔'' کسان کے بیٹے نے کہا اور آگے کی طرف چل پڑا۔ راستے میں ایک جنگل آ گیا، وہ وہاں رک گیا تاکہ تھوڑی دیر آرام کر سکے۔ اچانک وہاں ایک جادوگر آ گیا اور لڑکے سے پوچھا۔ ''کون ہو تم اور کہاں سے آ رہے ہو؟''

کسان کے بیٹے نے اسے اپنی پوری کہانی سنائی اور کہا کہ اب وہ ان دو سوالوں کے جواب حاصل کرنا چاہتا ہے۔

جادوگر نے کسان کے بیٹے سے کہا۔

''میں تمہیں ان دونوں سوالوں کے جواب دے سکتا ہوں لیکن میری ایک شرط ہے، اس سے پہلے تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔''

''کیا......؟'' کسان کے بیٹے نے پوچھا۔

''اس جنگل کے ختم ہونے پر غار شروع جاتے ہیں۔ وہاں ایک لال غار ہے جہاں بہت بڑا آدم خور دیو رہتا ہے۔ مجھے اس دیو کے سر کے دو بال لا کر دے دو۔ میں تمہیں تمہارے سوالوں کے جواب دے دوں گا۔'' جادوگر نے کہا۔

''ٹھیک ہے، میں اس کے بال ضرور لے کر آؤں گا۔'' لڑکے نے کہا اور گھوڑے پر سوار ہو کر غار ڈھونڈنے چل پڑا۔

جنگل ختم ہونے پر غار شروع ہو گئے۔ بہت ڈھونڈنے کے بعد بالآخر اسے لال غار بھی نظر آ ہی گیا۔ دیو اس وقت کہیں گیا ہوا تھا اور غار کے دروازے پر اس کی نانی بیٹھی تھی۔

''کون ہو تم؟ یہاں کیا کرنے آئے ہو؟'' دیو کی نانی نے کسان کے بیٹے کو دیکھا تو غصے سے پوچھا۔ کسان کے بیٹے نے اپنی پوری کہانی سنائی اور کہا ''میں دیو کے دو بال لینے آیا ہوں۔''

''وہ آدم خور ہے، کیا تمہیں نہیں معلوم؟ چلو خیر...... تم مجھے ایک اچھے لڑکے لگتے ہو، اس لئے میں تمہاری مدد کروں گی۔'' دیو کی نانی نے کہا اور ایک منتر پڑھا، جس سے کسان کا بیٹا چیونٹی بن گیا۔

کچھ ہی دیر بعد دیو غار میں واپس آیا اور ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ ''آدم بو...... آدم بو...... مجھے کسی انسان کے گوشت کی بو آ رہی ہے۔'' اس نے پورے غار میں تلاش کیا لیکن کوئی انسان نظر نہیں آیا۔ تھک ہار کر وہ اپنی نانی کی گود میں سر رکھ کر سو گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب وہ گہری نیند سوگیا تو اس کی نانی نے اس کے سر کے دو بال کھینچ کر توڑ لیے۔

''اوئی......میرا بال کیوں توڑا ہے نانی؟'' دیو نے پوچھا۔

''میں سو رہی تھی، مجھے پتا ہی نہیں چلا۔'' دیو کی نانی بولی۔

دیو دوبارہ سوگیا۔ نانی نے منتر پڑھ کر کسان کے بیٹے کو چیونٹی سے دوبارہ انسان بنادیا اور دونوں بال اسے دے دیے۔

کسان کا بیٹا غار سے باہر نکل کر واپس جنگل میں جا پہنچا جہاں جادوگر بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ دونوں بال حاصل کر لینے پر وہ بہت خوش ہوا اور بولا۔

''اب میں تمہارے دونوں سوالوں کے جواب دوں گا۔ رئیس کے باغ میں سیب کا درخت اس لئے پھل نہیں دے رہا کیونکہ اس کی جڑ میں ایک چوہا رہتا ہے۔ اگر اس چوہے کو ماردیا جائے تو درخت دوبارہ سیب سے بھر جائے گا۔ دوسرے شہر میں آبشار اس لئے خشک ہے کہ وہاں ایک پتھر کے نیچے مینڈک رہتا ہے جو دراصل ایک جادوگر ہے۔ اگر اسے ماردیا جائے تو آبشار دوبارہ رواں ہوجائے گا۔''

کسان کے لڑکے نے جادوگر کا شکریہ ادا کیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پہلے شہر کے رئیس کے پاس پہنچا اور اس کے سوال کا جواب دینے پر بہت سا سونا انعام میں لیا۔ پھر دوسرے شہر کے حاکم کے پاس پہنچا اور اس کے سوال کا صحیح جواب دے کر بہت سا روپیہ حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ واپس اپنے گاؤں میں پہنچا جہاں ان پیسوں سے اس نے اپنا کھیت واپس خرید لیا اور وہیں ہنسی خوشی رہنے لگا۔

سبق: انسان کا عزم و حوصلہ بلند ہو تو وہ کٹھن سے کٹھن کام کو سرانجام دے سکتا ہے۔ اپنے راستے کی تمام رکاوٹوں کو باآسانی دور کرسکتا ہے جیسا کہ کسان کے بیٹے نے کر کے دکھایا۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوستی دشمنی

کھلونے اور بس کھلونے۔۔۔ایسا لگتا تھا جیسے اس کی زندگی کا مقصد ہی کھلونے جمع کرنا رہ گیا ہو۔ابھی کل ہی اسے اپنی سالگرہ پر ڈھیر سارے کھلونے ملے تھے۔یہ کھلونے دیکھ دیکھ کر وہ خوش ہوتا رہا مگر اس کا جی نہیں بھرا۔سونے سے پہلے اس نے تمام کھلونے اپنے پلنگ کے قریب رکھی ہوئی ایک میز پر سجائے اور سو گیا۔

''اسے تو خواب میں بھی کھلونے نظر آتے ہوں گے۔'' اماں بی نے فراز کو دیکھ کر کہا۔

''ہمارا بیٹا بڑا ہو کر انجینئر بنے گا''۔فراز کے ابو نے سوتے ہوئے فراز کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے کہا۔فراز، زبیری صاحب کا اکلوتا بیٹا تھا، اس کی ایک ننھی سی بہن تھی۔''ماریہ'' مگر ماریہ ابھی بہت چھوٹی تھی۔اتنی چھوٹی کہ اسے ابھی غوں غاں کرنے کے علاوہ کچھ آتا ہی نہ تھا۔

زبیری صاحب ایک غیر ملکی ادارے میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔اچھی تنخواہ، لاتعداد سہولتیں۔کسی چیز کی کمی تو تھی نہیں، پھر بھلا وہ فراز کی خوشی کی خاطر اس کی ہر فرمائش کو کیوں پورا نہ کرتے۔ہر ماہ سب سے پہلے وہ فراز کے لئے کھلونے خریدتے۔اس کے بعد گھر کی کوئی چیز خریدی جاتی۔فراز کا چھوٹا سا کمرہ کھلونوں سے بھر گیا تھا۔شاید ہی کوئی کھلونا ایسا ہو جو فراز کے لئے نہ خریدا گیا ہو۔اسکول میں فراز کا سب سے اچھا دوست دانش تھا۔ان دونوں کی دوستی ضرب المثل بن گئی تھی۔عین ممکن ہے اس دوستی کی وجہ ''کھلونے'' ہوں۔دانش بھی فراز کی طرح کھلونوں کا بے حد شوقین تھا مگر ان دونوں کے کھلونوں میں بس فرق اتنا تھا کہ فراز کھلونے خریدا کرتا تھا جب کہ دانش اپنی ضرورت کے کھلونے گھر کی بے کار چیزوں کی مدد سے خود ہی بنا لیا کرتا۔دانش کھلونے خریدنا چاہتا بھی تو کیسے خریدتا؟ اس کے ابو ایک اسکول میں معمولی تنخواہ کے ملازم تھے۔کہنے کو وہ استاد تھے مگر استاد کو پیسے ہی کتنے ملتے ہیں جو وہ زندگی کی دوسری ضرورتوں کے علاوہ بچوں کے لئے کھلونے بھی خرید سکے۔یہ تو اس کی سگھڑ ماں کا کمال تھا کہ جس نے بہت چھوٹی عمر ہی میں دانش کو طرح طرح کے کھلونے بنانا سکھا دیئے تھے۔اپنے ہاتھ سے کھلونے بنانے کا شوق تو دانش کی گھٹی میں ایسا پڑ گیا تھا کہ اب تو اسے بازار کے کھلونے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔اس نے ماچس کی خالی ڈبیوں سے ایک بہت بڑا محل بنا لیا تھا۔کپڑے کی کترنوں اور بٹن کی مدد سے اس نے طرح طرح کے جانور بنا رکھے تھے۔دیا سلائی کے پھول، انڈوں کے کھلونے چھوٹی سی عمر میں اس کی غیر معمولی صلاحیتوں کا پتا دیتے تھے۔دانش کے گھر کوئی بھی مہمان آتا وہ دانش کی ذہانت اور اس کے کھلونوں کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ پاتا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دانش اور فراز کی مس اکثر کہا کرتی تھیں کہ "دیکھنا ہماری کلاس کے یہ دونوں بچے بڑے ہو کر انجینئر بنیں گے۔"

اس پر دانش اور فراز دونوں بہ یک زبان جواب دیتے "انشاء اللہ ضرور بنیں گے"۔

دانش اور فراز یوں تو اچھے دوست تھے مگر گزشتہ چند روز سے فراز میں ایک عجیب سی تبدیلی آگئی تھی۔ وہ اکثر دانش کو اس کی غربت کا طعنہ دینے لگا تھا یا اس کی غربت کے حوالے سے کوئی ایسی چُبھتی ہوئی بات کہہ جاتا جو کسی تیز دھار آلے کی طرح اس کے ننھے سے دل میں پیوست ہو جاتی مگر وہ جواب میں کچھ کہنے کے بجائے خاموش رہتا۔ اس لئے کہ اس کی تربیت ہی ایسی ہوئی تھی۔ ایک روز ایسی ہی کسی بات پر اس کا دل بہت دکھا اور وہ گھر آ کر بہت دیر تک روتا رہا، مگر پھر ماں کی باتوں نے جیسے اس کے زخموں پر مرہم سا رکھ دیا ہو۔ ماں بہت دیر تک دانش کو ان بڑے لوگوں کے قصے سناتی رہی جو غریب گھرانوں میں پیدا ہوئے مگر اپنے عزم و ہمت سے انہوں نے دنیا کے نقشے کو بدل کر رکھ دیا۔

دانش نے ماں کی بات کاٹ کر پوچھا "ماں امریکہ کا صدر ابراہام لنکن بھی تو غریب تھا نا"؟

"ہاں وہ تو بہت غریب تھا، ہم سے بھی کہیں زیادہ غریب۔ وہ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں پڑھتا اور مٹکے کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں پر کوئلے کی مدد سے لکھا کرتا تھا مگر وہ کبھی مایوس نہیں ہوا اور پھر ایک دن امریکہ کا صدر بن گیا۔"

ماں کی ایسی باتیں سُن کر دانش کا دل بڑا ہو جاتا۔ اب تو اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ فراز یا دوسرے لڑکوں کی باتوں سے بے نیاز ہو کر پڑھے گا، محنت کرے گا اور ایک دن بڑا آدمی بن کر سب کو حیرت میں ڈال دے گا۔

فراز سے دانش کے تعلقات روز بہ روز خراب ہوتے چلے گئے مگر اس میں دانش کا کیا قصور؟ خود فراز کی عادتیں ہی اتنی بگڑ چکی تھیں کہ لامحالہ یہ تعلقات تو کشیدہ ہونا ہی تھے۔ فراز پڑھنے لکھنے میں ایسا برا نہ تھا، بس یہ روپے پیسے کا کھیل اس کے دماغ میں ایسا آ بسا کہ کسی طرح غریب کو تو وہ خاطر ہی میں نہ لاتا خصوصاً دانش تو آئے دن اس کی تلخ اور زہریلی باتوں کا نشانہ بنتا مگر اس کے باوجود خاموش رہتا۔

دانش اور فراز دونوں اب ہائی اسکول کی آٹھویں جماعت پاس کر چکے تھے مگر ان کی کشیدگی میں ذرہ برابر فرق نہ آیا تھا بلکہ یہ اس وقت اور زیادہ شدت اختیار کر گئی جب ایک غیر ملکی ثقافتی مرکز کے زیر اہتمام بچوں کی بنائی ہوئی چیزوں کی نمائش میں دانش اور فراز دونوں کی چیزیں رکھی گئیں۔ مگر فراز کے کھلونے کوئی انعام حاصل نہ کر سکے جب کہ دانش کی بنائی ہوئی چیزیں اول قرار دی گئیں۔ فراز کی موجودگی میں نہ صرف دانش کے لئے اول انعام کا اعلان ہوا بلکہ مہمان خصوصی نے تالیوں کے شور میں اس کے سینے پر گولڈ میڈل سجایا اور دیکھتے ہی دیکھتے اخبار کے رپورٹرز اور فوٹو گرافرز کا جم غفیر ان کے گرد جمع ہو گیا۔ فراز کے سامنے دانش کی اس غیر معمولی پذیرائی نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا اور فراز کی مخالفت اب مخالفت کے بجائے نفرت اور دشمنی کی شکل اختیار

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کر گئی۔ فراز، دانش کو ایذا پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا مگر دانش اب ایسی باتوں کا عادی ہو گیا تھا۔ وہ سنی ان سنی کر دیتا اور اپنے کام سے کام رکھتا۔

دانش کا خیال تھا کہ شاید اسکول کے بعد کالج میں ان دونوں کا ساتھ نہ رہے۔ اس طرح کالج میں جا کر اس بدتمیز لڑکے سے نجات مل جائے گی مگر کالج میں انٹر کرنے کے بعد جب دانش کا داخلہ انجینئرنگ یونیورسٹی میں ہوا تو فراز وہاں بھی کسی آسیب کی طرح اس کے سر پر موجود تھا۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ یونیورسٹی میں ان دونوں کا داخلہ الیکٹریکل کے شعبے میں ہوا تھا اور یہ ایک ہی کلاس روم میں بیٹھا کرتے تھے۔ "اذیت کے چار سال مزید گزارنا ہوں گے"۔ اس تصور ہی سے دانش کانپ جاتا تھا۔ یوں بھی اب فراز اسکول والا فراز تو نہیں تھا۔ اس کے گرد آوارہ لڑکوں کا ایک گروہ ہر وقت موجود رہتا اور فراز اپنے گم راہ دوستوں کو اپنی اصل قوت سمجھ کر مزید سرکش ہو جاتا۔ دانش نے بارہا کوشش بھی کی کہ کسی طرح فراز سے اس کی صلح ہو جائے تاکہ یہ دیرینہ دشمنی ختم ہو اور دانش سکون سے انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کر سکے مگر فراز تو کسی ضدی بچے کی طرح اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے دانش کو تنگ کرتے رہنا اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہو۔

انجینئرنگ کے دوسرے سال تک پہنچتے پہنچتے دانش اپنی ذہانت کے باعث بہت سی ایسی چیزیں بنا چکا تھا جو یونیورسٹی اور محلے کے لوگوں کو اس کا گرویدہ بنا چکی تھیں۔ کم وولٹیج سے چلنے والے پنکھے، پانی بھرنے کے لئے خود بخود چلنے اور بند ہونے والی موٹر، چوری کے ممکنہ خطرے کو بھانپنے والا سائرن اور تار کے بغیر ایک انچ کا چھوٹا سا مگر طاقت ور اینٹینا۔۔۔۔۔ اس کی ایسی ایجادیں تھیں جس پر وہ اور اس کے گھر والے بجا طور پر فخر کرتے تھے۔

فراز کھلونے کھیلنے والا بچہ نہیں رہا تھا۔ وہ بڑا ہو چکا تھا مگر اس کے مشاغل بڑے عجیب و غریب ہو گئے تھے۔ دن بھر ڈرائیونگ کرنا اور پیسے اڑانا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ غریب لڑکوں سے نفرت کا اظہار کر کے نہ جانے کیوں اسے راحت سی محسوس ہوتی تھی۔ اپنی ان تمام خامیوں کے باوجود حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے رزلٹ اب بھی اچھے آ رہے تھے۔

دانش ایک روز اپنی سائیکل میں چھوٹا سا انجن فٹ کر کے یونیورسٹی لایا تو اس کی یہ عجیب و غریب سائیکل سب نے شوق سے دیکھی اور تعریف کی مگر یہ سائیکل فراز کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ یونیورسٹی سے واپسی پر فراز نے اپنی تیز رفتار کار سے دانش کی سائیکل کو ایسی ٹکر ماری کہ سائیکل تو تباہ ہو گئی مگر خود دانش بھی کئی ہفتے بستر سے نہ اٹھ سکا۔ وہ تو شکر ہوا کہ بات خراشوں اور چند زخموں تک محدود رہی۔ خدانخواستہ ہاتھ پاؤں ٹوٹ جاتا تو عمر بھر کی معذوری بھی تو ہو سکتی تھی۔ اس بات پر یونیورسٹی میں واویلا مچا مگر ہونا کیا تھا۔ کچھ دنوں تک یہ بات بھی پرانی ہو گئی۔ دانش اور اس کی امی صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ کچھ کرتے بھی تو کیا کرتے۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کب کسی نے سنی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خدا خدا کر کے انجینئرنگ کے 4 سال ہو گئے۔ سالانہ امتحان دیتے ہوئے دانش کو دوہری خوشی ہو رہی تھی۔ ایک خوشی تو اس کی تھی کہ اس کی تیاری اچھی ہوئی ہے اور وہ یقیناً پہلی پوزیشن حاصل کر لے گا اور شاید اس سے بھی بڑی خوشی فراز کی دشمنی سے نجات حاصل کرنے کی تھی۔ سچ مچ یہ خوشی تو بہت بڑی تھی۔

امتحان ختم ہو گئے صرف وائیوا باقی تھا۔۔۔۔ وائیوا کالج اور یونیورسٹی میں ایسے امتحان کو کہتے ہیں جس میں سوال و جواب کا سلسلہ تحریری نہیں، زبانی ہوتا ہے۔ وائیوا میں ہر طالب علم کو انجینئرنگ کا ایک تجرباتی ماڈل اور اس کے متعلق تحقیقی رپورٹ بھی جمع کروانا تھی مگر وائیوا سے ٹھیک ایک ہفتے قبل فراز کے والد ایک حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔ یقیناً یہ ایک بڑا صدمہ تھا۔ اس ناگہانی موت نے فراز کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ دانش نے تعزیت کے لئے فراز کے گھر جانے سے پہلے سو بار سوچا مگر اس کی ہمت نہ ہوئی۔ بالآخر ماں کے سمجھانے پر دانش، فراز کے ہاں چلا گیا۔

بہت سے لوگ فراز کو حوصلہ دے رہے تھے۔ وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ اسے اپنے ابو کے یوں بچھڑ جانے کا غم کھائے جا رہا تھا۔ اس کی آہیں اور سسکیاں کم ہوئیں تو وہ امتحان کا ذکر لے بیٹھا۔ اسے یہ بھی فکر تھی کہ وہ وائیوا نہ دے سکا تو فیل ہو جائے گا۔ اس بار تو فراز نے محنت بھی بہت کی تھی۔ اپنے نامکمل ماڈل، ادھوری تحقیقی رپورٹ اور وائیوا نہ دے سکنے کا غم بھی اسے بے چین کر رہا تھا۔

اگلے روز وائیوا کے متعلقہ استاد پروفیسر عرفان صاحب کو ایک خط موصول ہوا، خط میں لکھا تھا "والد کے انتقال نے مجھے ذہنی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ میں اپنا ماڈل اور تحقیقی رپورٹ جمع کروا رہا ہوں لیکن شاید وائیوا نہ دے سکوں۔ میرے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مجھے پاس کر دیا جائے تو میرا مستقبل تاریک ہونے سے بچ جائے گا۔ میں زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔ فراز"۔

خط کے مضمون سے فراز کی مجبوری عیاں تھی۔ چند روز بعد بی۔ اے کے نتائج کا اعلان ہوا تو یونیورسٹی کا ہر لڑکا دم بخود رہ گیا۔ فراز نے پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ اس سے بھی زیادہ اہم خبر جو اخبارات کا موضوع بنی وہ یہ تھی "جامعہ انجینئرنگ کے طالب علم فراز نے اپنی بجلی پیدا کرنے والا پنکھا ایجاد کر کے برقیات کی دنیا میں پاکستان کا وقار بلند کر دیا" اخبارات میں اس ایجاد کی تفصیلات آ رہی تھیں۔ اس ایجاد میں حیرت اور دلچسپی کے کئی اور پہلو بھی تھے۔ ملک بھر کے لوگ فراز کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔ مبارک باد کے خطوط آ رہے تھے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے اسکالرشپ کی پیش کش ہونے لگی۔ چند روز بعد یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں ایک تقریب کا انعقاد ہوا جس میں فراز کو گولڈ میڈل دیا جانا تھا۔ اس تقریب میں صوبے کے گورنر یونیورسٹی کے چانسلر ہونے کے ناطے مہمان خصوصی تھے۔ تقریب کا آغاز ہوا تو فراز کو اس کی اہم ایجاد کے بارے میں اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ فراز نے سٹیج پر آ کر بولنا شروع کیا تو ہر آنکھ اسے رشک سے دیکھ رہی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''محترم مہمانانِ گرامی، اساتذہ کرام اور میرے عزیز دوستو! میں آپ کی محبتوں پر آپ کا ممنون ہوں مگر شاید آپ یہ بات نہیں جانتے کہ میں نے پہلی پوزیشن کس طرح حاصل کی؟ اپنے ابو کے انتقال کے بعد میری ذہنی حالت ایسی نہیں تھی کہ میں اپنا پروجیکٹ مکمل کرسکتا۔ یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے مجھے بتائے بغیر میرا پروجیکٹ مکمل کیا اور اس پروجیکٹ کو میرے نام سے جمع کروا کر میرا مستقبل بچالیا۔ یہ طالب علم وہی ہے جسے میں نے برسوں ذہنی اذیت دی اور اسے نیچا دکھانے کی کوشش کرتا رہا''۔

پورے ہال کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ہر شخص اس طالب علم کا نام جاننے کے لئے بے چین تھا۔ ''میرا وہ محسن دانش ہے۔۔۔دانش، عظیم انسان ہے۔۔۔۔دانش، بڑا آدمی ہے۔۔۔صدر محترم میں آپ سے گزارش کروں گا کہ جو گولڈ میڈل مجھے دیا جانے والا ہے، وہ دانش کے گلے میں ڈالا جائے۔ اس کا اصل حق دار وہی ہے''۔

پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ چند لمحوں بعد ہزاروں آنکھوں نے دیکھا کہ فراز اور دانش بھیگی ہوئی پلکوں سے بغل گیر ہیں۔

سبق : سچا دوست وہی ہوتا ہے جو بُرے وقت میں اپنے دوست کے کام آئے اور مشکل وقت سے باہر نکالے۔ ہر طرح اُس کی مدد کرے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرسٹل والا گھوڑا

ارمغان اور حنان دو دوست تھے، دونوں بہت امیر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور ان دونوں کی بچپن کی دوستی تھی۔ لوگ ان کی گہری دوستی کی مثالیں دیا کرتے تھے۔ ایک دن ارمغان کو اس کے پاپا نے ایک بہت پیارا گھوڑا لا کر دیا۔ وہ کرسٹل سے بنا ہوا ایک گھوڑا تھا۔ ارمغان بہت خوش ہوا اور فوراً اپنے دوست حنان کو دکھانے کے لئے اس کے گھر لے گیا۔ حنان نے ہی دروازہ کھولا۔ وہ اپنے دوست کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ارمغان نے حنان کو اپنا گھوڑا دکھایا اور کہا۔ ''یہ میرے پاپا لائے ہیں۔''

حنان کو کرسٹل کا گھوڑا بہت اچھا لگا۔ اس نے سوچا میں بھی اپنے پاپا سے منگواؤں گا۔ ارمغان کے جانے کے بعد حنان نے اپنے پاپا سے ضد کرنا شروع کر دی کہ ''مجھے بھی کرسٹل کا ویسا ہی گھوڑا لا کر دیں جیسا ارمغان کے پاس موجود ہے۔''

اس کے ابو نے کہا۔ ''اچھا بیٹا میں کل آفس سے آتے ہوئے آپ کے لئے ویسا ہی کرسٹل کا گھوڑا لے آؤں گا۔''

حنان یہ سن کر بہت خوش ہوا اور دوسرے دن کا انتظار کرنے لگا۔ دوسرے دن اس کے پاپا آفس سے آئے تو حنان نے اپنے پاپا سے پوچھا۔ ''پاپا میرا کرسٹل کا گھوڑا کہاں ہے؟'' اس کے پاپا بولے۔ ''بیٹا میں نے تمام جگہوں پر بہت ڈھونڈا مگر مجھے ویسا ہی کرسٹل کا گھوڑا نہیں مل سکا، میں تمہارے لئے اس سے بھی اچھا یہ کالے رنگ کا گھوڑا لے آیا ہوں۔'' حنان نے کہا۔ ''نہیں مجھے ویسا ہی چاہئے۔'' حنان نے ضد میں آ کر پورے دن کھانا بھی نہیں کھایا اور رات بغیر کھانا کھائے سو گیا۔

اگلے دن جب وہ اسکول جانے کیلئے گھر سے روانہ ہو رہا تھا تو اس کے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا کیوں نہ میں ارمغان کا کرسٹل کا گھوڑا چرا لوں۔ اسکول سے واپسی پر کھانے سے فارغ ہو کر اس نے کچھ دیر آرام کیا اور شام کے وقت اپنی امی کی اجازت سے ارمغان کے گھر روانہ ہو گیا۔ ارمغان نے اپنے دوست کو اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور خود اپنی امی سے شربت بنوانے کیلئے کہہ کر باہر نکل گیا۔ حنان نے موقع غنیمت جانا اور ڈرائنگ روم میں سجا وہ کرسٹل کا گھوڑا جلدی سے اپنی جیکٹ کی جیب میں چھپا لیا۔ جب ارمغان ڈرائنگ روم میں شربت لے کر آیا تو حنان نے اس سے سر درد کا بہانہ کیا اور شربت پئے بغیر اپنے گھر کے لئے روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن وہ اسکول گیا تو اس نے دیکھا ارمغان بہت اُداس تھا۔ حنان نے اس سے اداسی کی وجہ پوچھی تو اُس نے بتایا۔ ''گھر سے کرسٹل کا بنا ہوا گھوڑا گم ہو گیا ہے۔'' حنان بولا۔ ''وہ تو اتنا پیارا گھوڑا تھا کیسے گم ہو گیا؟ کہیں تمہارے ملازم فیفو نے تو وہ گھوڑا نہیں چُرا لیا۔'' فیفو کا اصل نام فیضان تھا۔ وہ ارمغان اور حنان کا ہم عمر تھا، اس کا رنگ سانولا تھا، وہ غریب گھر سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے والدین ارمغان کے گھر میں ملازم تھے۔ ارمغان کے امی ابو ان لوگوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور ان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ ارمغان نے جب حنان سے یہ سنا تو اسے بہت غصہ آیا اور وہ اپنے والدین کی ساری تربیت بھول کر سوچنے لگا کہ میرا گھوڑا فیضو نے چُرایا ہے، وہ غریب ہے، اُسے گھوڑا بہت اچھا لگا ہوگا اسی لئے اُس نے یہ حرکت کی ہے۔ حنان نے ارمغان کے دل میں شک کا بیج بو دیا تھا۔ حنان بہت خوش تھا کہ اس نے فیضو سے اپنا بدلہ لے لیا ہے۔

ہوا یہ تھا کہ ایک دن جب حنان، ارمغان کے گھر آیا تو اس کا سامنا فیضو سے ہوگیا۔ اس نے فیضو سے کہا ''تمہارا رنگ کتنا کالا ہے۔ فیضو نے اس کی بات کا برا نہیں منایا اور بولا'' میری رنگت اللہ نے بنائی ہے اور میں اس میں بہت خوش ہوں اور مجھے کسی کی تنقید کی پروا نہیں ہوتی۔

''فیضو نے اس کی بات مسکرا کر ٹال دی۔ حنان کو بہت غصہ آیا اور اس نے آج ارمغان کو فیضو کے خلاف بھڑکا کر اپنا غصہ اُتار لیا تھا۔ اسے یہ بات بہت ناگوار گزری تھی کہ فیضو نے اس کے کہنے کا کوئی اثر نہیں لیا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے فیضو کی نظر میں اس کی رائے یا تبصرے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ارمغان جب گھر آیا تو اس نے رو رو کر پورا گھر سر پر اُٹھا لیا۔ اس کی امی نے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا'' فیضو کے بچے نے میرا کرسٹل کا گھوڑا چرا لیا ہے۔ وہ غریب ہے، اس نے موقع ملتے ہی میرا گھوڑا چرا لیا۔''

رمغان کی امی نے اسے بہت سمجھایا مگر ارمغان نہ مانا اور اس نے فیضو کو بھی بہت بے عزت کیا۔ فیضو کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ روتا ہوا اپنے گھر روانہ ہوگیا۔ شام کے وقت جب ارمغان کے ابو آفس سے آئے تو اُس کی امی نے انہیں ساری بات بتا دی۔ ابو نے اسے بہت سمجھایا کہ'' بیٹا پیسا تو آنی جانی چیز ہے، میں تمہیں کرسٹل کا گھوڑا دوبارہ لا دوں گا مگر تم اس غریب بچے پر الزام نہ لگاؤ۔ تم ہی گھر میں کہیں رکھ کر بھول گئے ہو۔'' مگر ارمغان نہ مانا اب جب بھی اسے موقع ملتا وہ فیضو کو ذلیل کرتا اور ذرا ذرا سی بات پر اسے جھڑک دیتا اور بعض اوقات تو تھپڑ مارنے سے بھی گریز نہ کرتا۔ حنان کو جب یہ سب کچھ پتا چلتا تو وہ بہت خوش ہوتا۔

ایک دن ارمغان اسکول گیا تو اسے پتہ چلا کہ آج حنان اسکول نہیں آیا اور اس نے دو ہفتے کے لئے چھٹی کی درخواست دی ہے۔ وہ پورا دن اپنی سیٹ پر اکیلا بیٹھا رہا۔ آج اس کا پڑھائی میں دل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ اسکول سے واپسی پر گھر آکر اس نے حنان کے گھر فون کیا تو اس کے ملازم نے فون ریسیو کیا اور اُسے بتایا کہ بڑے صاحب کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور سب گھر والے اسپتال میں ہیں۔ ارمغان کو بہت رنج ہوا۔ اس نے سوچا دو تین دن میں جب حنان اسپتال سے گھر آجائے گا تو میں اس کے گھر جاؤں گا۔

اُدھر اسپتال میں حنان کی حالت بہت خراب تھی۔ وہ روئے جا رہا تھا۔ اس کے والد کا بہت زیادہ خون بہہ گیا تھا، ڈاکٹروں نے فوراً خون کی بوتلوں کا بندوبست کرنے کے لئے کہا تھا۔ خون کی بوتلوں کا انتظام نہیں ہو سکا تھا۔ اس کی امی بے ہوگئی تھیں۔ سب خاندان والے پریشان تھے۔ تھوڑی دیر میں حنان کو پتا چلا کہ خون کا بندوبست ہوگیا ہے۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے پاپا کی صحت یابی کے لئے دُعائیں کرنے لگا۔ کامیاب آپریشن کے بعد پاپا نے آنکھیں کھولیں تو ڈاکٹر نے گھر والوں سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ملنے کی اجازت دیدی۔ ڈاکٹروں کی انتھک محنت اور گھر والوں کی تیمارداری کی وجہ سے اس کے والد تیزی سے صحت یاب ہونے لگے اور ایک ہفتے کے بعد ڈاکٹروں نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی۔ اب اس کے والد چل پھر سکتے تھے۔ انہوں نے گھر والوں کو مختصراً یہ بتایا کہ ایکسیڈنٹ کے بعد ایک آدمی نے انہیں اسپتال پہنچایا اور خون کا بندوبست بھی اُسی نیک انسان نے کیا۔

حنان اسکول سے واپس گھر آیا تو اس نے اپنے گھر میں ایک اجنبی شخص کو دیکھا وہ سمجھا کہ شاید ابو کا کوئی دوست اُن سے ملنے کے لئے آیا ہے مگر جب حنان نے اُس شخص کو دیکھا تو حیران رہ گیا اور سوچنے لگا کہ میں نے اس اجنبی کو کہیں دیکھا ہے۔ پھر اسے خیال آیا کہ اُس اجنبی شخص کو اس نے ارمغان کے گھر میں دیکھا ہے۔ وہ ارمغان کے گھر میں ملازم تھے اور فیضو کے والد تھے۔ اُس شخص کے جانے کے بعد حنان اپنے ابو کے پاس آیا اور بولا۔ ''ابو آپ نے اس معمولی سے آدمی کو اپنے گھر میں کیوں بلایا تھا؟'' اس کے ابو نے کہا۔ ''کس معمولی سے آدمی کی بات کر رہے ہو؟''

حنان کے ابو نے کہا'' بیٹے جس کو آپ معمولی آدمی کہہ رہے ہو، اسی کی وجہ سے آج میں آپ کے سامنے زندہ سلامت بیٹھا ہوں۔ جب میرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو یہی شخص تھا جس نے مجھے اسپتال پہنچایا تھا۔ اگر یہ مجھے اسپتال نہ پہنچاتا اور خون کا بندوبست نہ کرتا تو آج میں آپ کے سامنے صحیح سلامت موجود نہ ہوتا۔'' حنان پر جب یہ انکشاف ہوا تو وہ سکتے میں آ گیا۔ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے رونے سے سارا گھر اکٹھا ہو گیا اور سب پریشان ہو گئے کہ حنان کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ کیوں رو رہا ہے؟ حنان کے ابو نے اسے پیار کیا اور اپنے سینے سے لگایا۔ وہ خود پریشان تھے کہ اچانک یہ حنان کو کیا ہو گیا ہے؟ جب حنان نے اپنے ابو کا شفقت بھرا رویہ دیکھا تو وہ ہچکیوں کے درمیان بولا۔ ''پاپا میں نے ارمغان کا کرسٹل کا گھوڑا چرایا تھا اور اس کا الزام میں نے فیضو پر لگا دیا تھا۔ ارمغان کو نہیں معلوم کہ کرسٹل کا گھوڑا میرے پاس ہے۔ ابو! جب بھی میں ارمغان کے گھر جاتا تھا تو ارمغان کسی نہ کسی بات پر فیضو کو ذلیل کر رہا ہوتا تھا اور میں بہت خوش ہوتا تھا۔ اب میں نے سوچا ہے کہ فیضو سے جا کر معافی مانگوں گا اور ارمغان کو اس کا کرسٹل کا گھوڑا واپس کر دوں گا۔''

اُس کی امّی نے کہا۔'' اچھا چلو اب چپ ہو جاؤ، آج شام کو ہم سب ارمغان کے گھر چلیں گے۔''

شام کے وقت حنان اپنے والدین کے ساتھ ارمغان کے گھر پہنچا اور اس نے ارمغان کو سچ سچ ساری بات بتا دی۔ ارمغان نے اُسے معاف کر دیا، پھر وہ دونوں فیضو کے گھر گئے اور اس سے معافی مانگی۔ فیضو نے اِن دونوں کو معاف کر دیا۔ اب حنان اور ارمغان نے امیری اور غریبی میں فرق کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ دو دوست نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ تیسرے دوست کا اضافہ ہو چکا تھا۔۔۔ اور وہ تھا فیضو۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بوجھو تو جانیں

بچو، آج میں ایک کہانی تحریر کر رہی ہوں۔ یہ ایک کہانی بھی ہے اور پہیلی بھی مگر اس پہیلی کا جواب کیا ہے، اس کو آپ کی ذہانت پر چھوڑتی ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کہانی کے اختتام پر ایک شعر تحریر کر رہی ہوں اور پھر جواب آپ کی ذہانت پر چھوڑ دوں گی اور پھر یہ بھی کہ مجھے اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ آج کل کے بچوں میں بلاشبہ ذہانت کا معیار ہمارے وقتوں کے بچوں سے زیادہ ہے۔

کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ بہت نیک اور بہت اچھا۔ اس کی کل کائنات یا تو اس کی چھوٹی سی زمین تھی یا پھر ایک بیوی اور دو بچے۔ بچوں میں ایک لڑکی تھی چار پانچ سال کی، لڑکا تھا سات آٹھ برس کا۔ بچے بڑے اچھے اور دوسرے بچوں کی نسبت کم شرارتی تھے۔ جہاں اس کی چھوٹی سی زمین تھی اسی کے قریب ایک سڑک تھی اور سڑک کے دوسری جانب ایک جادوگر رہتا تھا۔ کسان اور جادوگر کی آپس میں بہت گہری دوستی تھی لیکن نہ جانے کس بات پر دونوں کی دوستیاں دشمنی میں بدل گئیں۔

جادوگر نے کسان سے کہا کہ اب نہ وہ اس کے گھر آئے گا اور نہ ہی اپنے گھر کسی کے آنے جانے کو پسند کرے گا اور ہاں یاد رکھو اگر سڑک کے اس پار اس کا کوئی بچہ آئے گا تو وہ اسے سخت سزا دے گا۔

کسان نے یہ بات اپنی بیوی کو بتا دی اور بچوں کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ وہ کبھی سڑک کے اس پار نہ جائیں کیونکہ جادوگر ان کا دشمن ہو گیا ہے اور جادوگر کا کیا بھروسا کہ وہ کیا کر گزرے۔ بچے والدین کی بات کو اچھی طرح سمجھ گئے اور اس طرف نہ جانے کا عہد کر لیا۔ لیکن ہوا یوں کہ ایک شام تتلیوں کا پیچھا کرتی ہوئی کسان کی بچی سڑک کے اس پار جا نکلی۔ جونہی بچی نے سڑک پار کی جادوگر نے فوراً ہی اس بچی کو پکڑ لیا اور گھر لے گیا اور اس پر جادو منتر پڑھ کر جو زور سے پھونک ماری تو وہ ایک بڑا سا گلاب کا پھول بن گئی۔

جادوگر نے اسے ایک دھاگے میں باندھ کر صحن میں تنی الگنی سے لٹکا دیا۔ (بچوں الگنی اسے کہتے ہیں جو تار یا رسی کی مدد سے صحن یا کھلی جگہ پر کپڑے سکھانے کے لئے تانی جاتی ہے)۔

جب رات کا اندھیرا چھا گیا اور کسان کی بیٹی گھر نہ لوٹی تو کسان کو بڑی پریشانی ہوئی۔ اور وہ سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو بچی سڑک کے اس پار چلی گئی ہوگی اور جادوگر نے اسے پکڑ لیا ہوگا۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ مگر اب کیا کیا جا سکتا تھا۔ دونوں میاں بیوی ترکیب سوچنے لگے کہ اب کیا کریں۔ پریشانی اور غم کی وجہ سے انہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔

بچی کا بھائی بھی بہت بے چین تھا۔ معلوم نہیں رات کے کس پہر میں ماں باپ کو نیند نے آ لیا۔ لیکن بھائی ساری رات سو سکا۔ اسے اپنی بہن یاد آ رہی تھی۔ جب رات ڈھلی تو وہ اپنے بستر سے اٹھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے ماں باپ سو رہے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پہلے تو اس نے سوچا انہیں اٹھائے لیکن پھر سوچا کہ جو کچھ وہ کرنا چاہتا ہے، والدین اسے کرنے نہ دیں گے۔ چنانچہ وہ انہیں اٹھائے بغیر گھر سے نکلا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ جادوگر کے گھر چپکے سے داخل ہو کر اپنی بہن کو وہاں سے لے آئے کیونکہ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ جادوگر نے اسے جادو کے زور سے پھول بنا دیا ہے۔ وہ اپنے پروگرام کے مطابق جادوگر کے گھر داخل ہوا لیکن جیسے ہی وہ جادوگر کے گھر میں داخل ہوا۔ جادوگر نے اسے بھی کالے منتر کے ذریعے ویسا ہی گلاب کا پھول بنا کر الگنی پر لٹکا دیا۔ دونوں پھول بغیر کسی فرق کے ایک ہی جیسے تھے۔ ان میں قطعاً کوئی فرق نہیں تھا۔

جب کسان اور اس کی بیوی کی آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنے بچے کو بھی بستر پر نہ پا کر سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو وہ بہن کی تلاش میں جادوگر کے ہاتھ لگ گیا ہوگا۔ ان دونوں سے نہ رہا گیا اور وہ غم سے نڈھال ہو کر جادوگر کے پاس پہنچے اور فریاد کی کہ وہ بچوں کا قصور معاف کر دے اور انہیں رہا کر دے۔ نہ معلوم ان کی فریاد اور آہ وزاری میں کیا تھا کہ جادوگر انہیں اپنے صحن میں لے گیا اور کہنے لگا کہ یہ رہے تمہارے بچے۔ میں نے انہیں جادو سے گلاب کا پھول بنا دیا ہے، میں انہیں دوبارہ انسان بھی بنا سکتا ہوں۔ لیکن میری ایک شرط ہے، وہ یہ ہے کہ تم یہ بتا دو کہ ان میں سے لڑکی کون سی ہے اور لڑکا کون سا۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ اگر تمہارا جواب غلط ہوا تو یہ میرے علم کے ذریعے سے کبھی بھی انسان نہیں بن سکیں گے۔

یہ سن کر ماں کی حالت تو غیر ہو گئی لیکن کسان نے ذرا سنبھل کر جادوگر سے عہد کیا کہ وہ جیسا کہہ رہا ہے ویسا ہی کرے گا۔ جادوگر نے کہا کہ تم اطمینان سے رہو، میرا قول کھرا ہے۔ جیسے ہی اس نے قول نبھانے کا وعدہ کیا کسان نے ایک پھول کی طرف اشارہ کر کے کہا ''یہ لڑکی ہے اور دوسرے پھول کی جانب اشارہ کر کے کہا یہ لڑکا ہے''۔ ماں کا کلیجہ خوف کے مارے منہ کو آنے لگا کہ نہ جانے یہ درست بھی ہے کہ نہیں۔ البتہ جادوگر کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ مگر چونکہ وہ قول دے چکا تھا اس لئے اس نے انہیں انسانی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اس طرح دونوں میاں بیوی خوشی خوشی اپنے بچوں کو گھر لے آئے۔

بچوں! اب بوجھنا یہ ہے کہ آخر کسان نے اس قدر اعتماد کے ساتھ یہ کیسے کہا کہ فلاں پھول لڑکی اور فلاں پھول لڑکا ہے جبکہ سوال زندگی اور موت کا تھا اور وہ بھی اپنی سگی اولاد کی۔ ہے نا بڑی حیرت کی بات۔ ہم اس کا جواب تو نہیں لکھتے کیونکہ ہمیں آپ کی ذہانت پر بڑا اعتماد ہے۔ البتہ ایک شعر لکھ رہے ہیں اور اس شعر میں اس کا جواب بھی ہے۔

چمن میں گرتی ہے ہر صبح اس لئے شبنم
کہ پتہ پتہ کرے یاد باوضو تیری

(لڑکی چونکہ رات کو پھول بنی تھی اس لئے رات کے وقت اس پر شبنم کے قطرے گرے تھے جو صبح کو بھی نظر آ رہے تھے)

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک آنکھ والا دیو

بہت پرانے زمانے کی بات ہے۔ جاپان کے پہاڑوں میں ایک دیو رہا کرتا تھا۔ پہاڑ کا پہاڑ، نہایت ہی بھونڈی صُورت۔ اس کا بدن سر سے لے کر پاؤں تک بالوں سے ڈھکا ہوا تھا اور ماتھے پر صرف ایک آنکھ تھی۔

یہ ایک آنکھ والا دیو جاپان کے لوگوں کو بہت ستایا کرتا تھا۔ وہ راستے میں چُھپ کر بیٹھا رہتا اور اِکے دُکے مُسافروں کو پکڑ کر لے جاتا اور پھر غار میں بیٹھ کر انھیں مزے سے کھایا کرتا تھا۔

جاپان کے لوگ ایک آنکھ والے دیو سے اِس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ وہ شام ہوتے ہی اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیتے تھے اور جن پہاڑوں میں یہ رہتا تھا اُدھر بھول کر بھی نہ جاتے تھے۔

جاپان کے لوگ بہت بہادر ہوتے ہیں۔ لہٰذا کئی بہادر نوجوانوں نے ایک آنکھ والے دیو سے مقابلہ کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور پہاڑوں میں اس دیو کے ٹھکانے پر گئے، لیکن ان میں سے کوئی بھی زندہ لوٹ کر واپس نہ آیا۔

ایک آنکھ والے دیو کی لوگوں کے دلوں پر ایسی دہشت طاری تھی کہ وہ اس کا نام سُنتے ہی تھر تھر کانپنے لگتے تھے۔ عام لوگوں کی تو یہ حالت تھی کہ وہ اکیلے گھروں سے بھی باہر نہ نکلتے تھے اور جہاں اُنھوں نے دیو کی صورت دیکھی وہیں ہاتھ پاؤں پُھول گئے اور وہ دیو کا نوالہ بن گئے۔

یہ صورتِ حال دن بدن خراب ہوتی گئی اور اب تو یہ حالت ہوگئی تھی کہ لوگوں نے اپنے گھروں سے باہر نکلنا چھوڑ دیا اور اندر دُبک کر بیٹھ گئے۔ شہر میں ہُو کا عالم طاری ہوگیا۔ گلیاں سنسان ہوگئیں۔

ایک دن ایک شکاری جو کہ ساتھ کے گاؤں میں رہتا تھا، پھرتا پھراتا اس شہر میں آگیا۔ اس نے بھی ایک آنکھ والے دیو کے بارے میں سُن رکھا تھا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے جب شہر کی یہ حالت دیکھی تو اس کو بہت دُکھ ہُوا۔ چنانچہ اس نے اپنے ہمسایہ شہر کے لوگوں کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

شکاری نے شہر سے باہر نکل کر اُن پہاڑوں کی طرف چلنا شروع کیا جہاں وہ دیو رہتا تھا۔ کافی دُور تک چلنے کے بعد آخر کار وہ اس دیو کے غار کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی اور خوفناک آنکھ اُسے گھور رہی ہے۔ شکاری بھی کے مارے کانپنے لگا۔ کیونکہ اُسے معلوم ہوگیا تھا کہ یہ دیو ہی کی آنکھ ہے۔ تب اُس نے دل کڑا کیا۔ تیر کمان سنبھال دیو کی نشانہ باندھ لیا۔ خدا کی قدرت تیر دیو کی آنکھ میں جا کر پیوست ہوگیا۔ دیو زمین پر گر کر تڑپنے لگا اور درد کی وجہ سے چنگھاڑنے لگا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ن کی چیخوں کی آواز سن کر لوگ اس کے غار کے قریب پہنچ گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ وہاں ایک شکاری تیر کمان لیے کھڑا ہے۔ ن کے دیکھتے ہی دیکھتے دیو مر گیا۔ انھوں نے شکاری کا شکریہ ادا کیا۔ پھر لوگوں نے شکاری کے ساتھ مل کر وہاں بہت سی لکڑیاں ٹھی کیں اور دیو کی لاش پر رکھ کر آگ لگا دی۔

تھوڑی ہی دیر میں دیو کا گوشت اور ہڈیاں جل کر خاک ہو گئیں۔ اب ان لوگوں نے سوچا کہ اس کی خاک بھی دُنیا میں نہ رہنی چاہیئے۔ کیا پتہ اس سے کوئی فتنہ اُٹھ کھڑا ہو۔ بہتر ہے کہ اس کی راکھ بھی ضائع کر دی جائے۔ اس خیال کے آتے ہی اُنھوں نے مُٹھیاں بھر بھر کر خاک اُڑانی شروع کر دی۔ خدا کی قدرت جیسے ہی اس نے خاک ہوا میں اُچھالی وہ تمام کی تمام مچھر اور مکھیاں بن گئیں۔

جاپان میں مچھر اور مکھیاں اسی دن سے پیدا ہوئی ہیں لیکن جاپان کے لوگ انھیں اتنا بُرا خیال نہیں کرتے جتنا ہم بُرا سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، بلا سے مچھر اور مکھیاں ہمیں ستاتی ہیں تو پڑی ستائیں، لیکن ایک آنکھ والے دیو سے تو یہ لاکھ درجہ بہتر ہیں۔

(غلام عباس)

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سوئی ہوئی شہزادی

کینیڈا کے مغربی حصے میں بعض پہاڑیاں اتنی اونچی ہیں کہ اُن کی چوٹیاں ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ اگر تم تھ فاصلے پر کھڑے ہو کر اُن کی طرف غور سے دیکھو، تو وہ تمہیں عجیب و غریب قسم کی شکلیں لیے ہوئے نظر آئیں گی۔ ایک پہاڑی ت جو دیکھنے میں بالکل شہد کی مکھیوں کا چھتا معلوم ہوتی ہے۔ دوسری پہاڑی قلعے کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ تیسری پہاڑی کو دیکھ کر تو تم بے اختیار کہہ اُٹھو گے کہ یہ تو دہلی کی جامع مسجد ہے۔

سمندر کے کنارے اسی قسم کی تین پہاڑیاں ہیں، جو ایک دوسری کے ساتھ ساتھ کھڑی ہیں۔ ان میں سے دو پہاڑیاں ت ہو بہو اس طرح نظر آتی ہیں، جیسے دو شیر اگلی ٹانگوں کے سہارے کھڑے ہیں، اور تیسری پہاڑی کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کوئی بہت ہی خوب صورت شہزادی اپنے بال کھولے لیٹی ہوئی آسمان کو تک رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کینیڈا کے لوگ اس پہاڑی ک ”سوئی ہوئی شہزادی“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

کینیڈا کی بڑی بوڑھیاں اس پہاڑی کے متعلق اپنے ننھے بچوں کو ایک عجیب و غریب مگر مزے دار قصہ سُنایا کرتی ہیں۔ لہٰذا آج ہم وہی پُراسرار قصہ اپنے بچوں کی دل چسپی کے لئے یہاں بیان کرتے ہیں۔

پیارے بچو! بڑی دیر کی بات ہے، ان پہاڑیوں پر ایک قبیلہ رہتا تھا۔ بڑا بہادر اور بہت طاقت ور۔ آس پاس کے دوسرے قبیلے اُس کی بڑی عزت کرتے تھے اور اس سے ڈرتے تھے۔ اس قبیلے کی لڑکیاں بڑی خوبصورت اور مغرور تھیں۔ دوسرے قبیلوں کے سردار دُور دُور سے آ کر ان سے شادی کی درخواست کرتے، لیکن یہ مغرور لڑکیاں تو انہیں خاطر ہی میں نہ لاتی تھیں۔

جب کبھی کوئی لڑکی کسی سردار کو شادی کے لئے قبول کر لیتی تو اس موقع پر بڑی خوشیاں منائی جاتی تھیں اور مہینوں ان پہاڑیوں میں دھوم دھام سے جشن ہوتے تھے۔ مچھلی اور مُرغابیوں کی دعوتیں اڑتی تھیں۔ ڈھول تاشے بجتے تھے۔ ہر روز ناچ گا اور راگ رنگ کی محفلیں جمتی تھیں۔

اس بہادر قبیلے کے سردار کی ایک بیٹی تھی۔ بہت ہی خوبصورت، بڑی ہی من موہنی۔ باغ کا نازک سے نازک پھول بھ اتنا نازک نہ ہوگا، جتنے اس شہزادی کے ہونٹ، سمندر کا چمک دار سے چمک دار موتی بھی اتنا چمک دار نہ ہوگا، جتنے اس خوبصورت شہزادی کے دانت، اس کی آنکھیں تو جل پری کی آنکھوں کی طرح سبز تھیں اور بال سنہری اور لمبے لمبے تھے، اس کے حُسن کا چ سُن کر سینکڑوں سردار گہرے سمندروں کو پار کر کے آتے اور اس سے شادی کے لئے درخواست کرتے، لیکن اُسے اپنے حُسن پر اتنا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

غرور تھا کہ وہ ہر بار ناک بھوں چڑھا کر سب کو کورا جواب دے دیتی۔ اور سردار ناکام واپس لوٹ جاتے۔

ایک دفعہ ایک ایسے ہی موقع پر جب اس مغرور اور نافرمان شہزادی نے ایک بڑے قبیلے کے سردار کو دھتکار دیا تو اس کے باپ کو بہت دُکھ ہوا اور وہ بولا:

''بیٹی'' کیا دُنیا میں ایک بھی ایسا شخص نہیں ہے، جسے تو پسند کرے، جو تیرا شوہر بننے کے لائق ہو؟''

شہزادی کا چہرہ غرور اور تکبر سے اور بھی سُرخ ہو گیا۔

اُس نے جواب دیا:

''ابا جان! نہیں ایک بھی نہیں۔ میرا شہزادہ اس دُنیا کا بسنے والا نہیں ہے۔ وہ مجھے لینے کے لئے آسمان سے آئے گا، اسی لیے میں ہر رات اس پہاڑی کی چوٹی پر جا کر لیٹتی ہوں اور اُس کی راہ دیکھتی ہوں۔''

بڑھے سردار نے غصے سے کہا:

''اے مغرور لڑکی! خدا کے قہر سے ڈر کہیں تیرا غرور تجھے زمین پر تجھے خاک میں نہ ملا دے''۔

لیکن شہزادی نے باپ کی ہر بات ایک کان سے سُنی اور دوسرے کان سے اُڑا دی۔ رات کو جب چاند نکلتا، تو وہ پہاڑی کی چوٹی پر پھر جا کر لیٹتی اور گھنٹوں اپنے شہزادے کی راہ دیکھتی رہتی۔ لیکن اس کا شہزادہ نہ آیا۔

خدا کی قدرت ایک رات شمال کی طرف سے ایسی ٹھنڈی ہوا چلی کہ وہ مغرور شہزادی جم کر برف کا پتلا بن گئی۔

لاکھوں سورج نکلے اور نکل کر ڈوب گئے۔ لاکھوں چاند نکلے، اور چمک کر رہ گئے۔ لیکن وہ مغرور شہزادی اُس پہاڑی پر جوں کی توں لیٹی ہوئی آسمان کو تک رہی ہے اور اپنے شہزادے کا انتظار کر رہی ہے، جو کبھی نہ آئے گا۔

(غلام عباس)

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

روح کا انتقام

اپنی فوجی خدمات سے ریٹائر ہونے کے بعد کرنل جیکسن اپنے دوست، چائے کے باغات کے مالک ہربرٹ کے پاس آ کر رہنے لگے تھے۔ دوسری جنگ عظیم اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی۔ جیکسن ایک طویل عرصے تک جنگ کے مختلف مورچوں پر اپنے فرائض پوری ایمان داری سے ادا کرتے رہنے کے بعد اب کسی پر فضا اور پر سکون مقام پر اپنی زندگی کے دن گزارنے کی خواہش رکھتے تھے اور اس خواہش کی تکمیل کے لئے ان کی نظر انتخاب اپنے دیرینہ دوست ہربرٹ پر پڑی تھی جو چائے کے باغات کا مالک تھا اور اس کے باغات پر سکون اور پر فضا پہاڑی علاقے میں واقع تھے۔

ہربرٹ، جیکسن کے اچھے دوستوں میں سے ایک تھا۔ اس نے جب جیکسن کی خواہش سنی تو فوراً اپنے باغات کے ایک گوشے میں جیکسن کی رہائش کے لئے چھوٹا مگر خوبصورت بنگلہ تعمیر کرا کے اسے لکھ دیا کہ وہ آ جائے، رہائش کا انتظام کر دیا گیا ہے۔

کرنل جیکسن کی بیوی صوفیہ بھی فطری مناظر کی بے حد شوقین تھی۔ اسے بھی اپنے شوہر کی طرح پر سکون ماحول اور پر فضا مقام بہت پسند تھا۔ وہ بھی کرنل کے ہمراہ ہربرٹ کے بنائے ہوئے بنگلے میں ساتھ رہنے لگی۔

بنگلہ بہت خوبصورت تھا۔ ضروریات زندگی کا ہر سامان ہربرٹ نے بنگلے میں مہیا کر دیا تھا۔ جیکسن اور صوفیہ دونوں کو ہی بنگلہ بے حد پسند آیا اور جگہ و ماحول بھی۔ بنگلے میں کرنل جیکسن اور صوفیہ کے ہمراہ ایک کتا اور ایک چوکی دار بھی رہتے تھے۔ سردیوں کے موسم کا آغاز ہو چلا تھا۔ شام ہوتے ہی پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے ماحول میں خنکی محسوس ہونے لگتی تھی۔ اس لئے شام کی سرمئی چادر پھیلتے ہی کرنل جیکسن بنگلے کو اندر سے بند کر کے کمرے کی دنیا میں سمٹ جاتا۔ بنگلے کو بند کرنے کی وجہ جنگلی جانوروں سے حفاظت تھی۔

سردیوں کی ایک رات تھی۔ کرنل جیکسن اپنی بیوی صوفیہ کے ہمراہ آتش دان کے قریب بیٹھے اپنی جنگی زندگی کا کوئی دل چسپ واقعہ سنا رہے تھے کہ اچانک انہوں نے جنگل کی طرف سے عجیب و غریب قسم کی آوازیں سنیں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ جیسے کہیں کوئی باقاعدہ جنگ ہو رہی ہو اور زخمی سپاہی اپنے زخموں کی تکلیف سے چیخ رہے ہوں، کراہ رہے ہوں، سسکیاں لے رہے ہوں۔ یہ آوازیں کبھی تیز ہو جاتیں، کبھی مدھم۔ صوفیہ نے بھی ان دل دوز چیخوں اور سسکیوں کو سنا۔ وہ بھی اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے خوف زدہ ہو گئی۔ کرنل جیکسن ایک بہادر، بے باک شخص تھے۔ وہ خود جنگی مورچوں میں ایسے حالات سے گزر چکے تھے مگر اس وقت اچانک ان آوازوں کو سن کر ان کے چہرے پر بھی خوف کے سائے لہرانے لگے تھے۔ صوفیہ کو اب آتش دان کے قریب بیٹھے رہنے سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے کرنل سے کہا "چلو اب اٹھو۔ مجھے نیند آ رہی ہے"۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دونوں آتش دان کے قریب سے اٹھ کر سونے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ صوفیہ تو بستر پر گرتے ہی نیند کی آغوش میں سما گئی لیکن جیکسن کافی دیر تک بے چینی سے کروٹیں بدلتے رہے۔ کافی کوشش کی مگر نیند ان کی آنکھوں سے دور رہی۔ انہوں نے کچھ دیر بعد محسوس کیا جیسے باہر جنگل کی طرف سے آنے والی آوازیں اب گھوڑوں کی ٹاپوں میں بدل گئی ہیں، جیسے کوئی گھڑ سوار لشکر تیزی سے گزر رہا ہو۔ ان آوازوں کو سن کر ان کے خوف میں مزید اضافہ ہو گیا۔

صبح ہوئی تو ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد صوفیہ کو سمجھایا کہ وہ کسی خوف میں مبتلا نہ ہو، بے خوفی اور بہادری سے رہے۔ پھر انہوں نے بندوق اٹھائی اور شانے پر لٹکا کر باہر گھومنے کے لئے نکل گئے۔ انہوں نے بنگلے کے باہر کئی چکر لگائے لیکن کہیں کسی گھوڑے کے پیر کے نشان نظر نہیں آئے۔ اس کی آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ انہوں نے تو جیسے بہت سارے گھوڑوں کے ایک ساتھ گزرنے کی آواز صاف سنی تھی اور یہاں ایک بھی گھوڑے کے پیر کا کوئی نشان نہیں ہے۔ سوچتے سوچتے وہ اپنے میزبان دوست ہربرٹ کے بنگلے کی طرف بڑھ گئے تاکہ اسے رات کی بات خود تفصیل سے بتائیں۔

ہربرٹ نے ساری بات بڑی توجہ سے سنی۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ جیکسن کی زندگی کا طویل حصہ جنگی مورچوں اور محاذوں پر گزرا ہے، وہ آوازیں ان کے لاشعور میں رچ بس گئی ہیں اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو انہیں اپنے کانوں میں وہی آوازیں گونجتی محسوس ہوتی ہیں۔ انہوں نے کرنل کی بات پوری ہوتے ہی جواب میں کہا۔

"یہ آوازیں حقیقت سے تعلق نہیں رکھتیں، محض وہم ہے۔ آپ اپنے ذہن کو ماضی کی یادوں سے بالکل صاف و پاک رکھیں اور جنگی میدانوں، جنگی کارناموں کی طرف سے توجہ ہٹا کر خود کو باغبانی، مطالعے یا سماجی خدمات کے کاموں میں مصروف رکھیں۔ اس طرح آپ کو ذہنی سکون ملے گا اور مصروفیت میں یہ آوازیں آپ سے دور ہو جائیں گی"۔

کرنل جیکسن اپنے دوست میزبان ہربرٹ کے مشورے پر غور کرتے ہوئے اپنے بنگلے پر واپس لوٹ آئے۔ صوفیہ پر رات والی آوازوں کا خوف اب بھی طاری تھا۔ کرنل نے ہربرٹ کے مشورے کا حوالہ دیتے ہوئے اسے بھی سمجھایا کہ یہ محض نفسیاتی بات اور ہمارا وہم ہے۔ دونوں معمول پر آ گئے چند دن خاموشی سے یوں ہی گزر گئے۔ کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی، نہ کوئی آواز سنی۔

چند دن بعد رات کو بنگلے پر ان کا چوکیدار معمول کے مطابق پہرے پر موجود تھا۔ اس نے محسوس کیا جیسے کوئی اندھیرے میں اس کی طرف پلکیں جھپکائے بغیر دیکھ رہا ہے۔ اس نے غور کیا تو وہ دو روشن چمکیلی آنکھیں تھیں۔ وہ ہمت کر کے ذرا آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ ایک شخص اندھیرے میں رائفل لئے کھڑا ہے۔

مارے خوف کے چوکیدار کی چیخ نکل گئی۔ وہ سر پر پیر رکھ کر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور کرنل جیکسن کے کمرے کے سامنے جا کر رکا۔ دروازہ اندر سے بند تھا، اس نے دروازے پر دستک دی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنل جیکسن ابھی تک سویا نہیں تھا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ کھولا تو چوکیدار کو خوف کی حالت میں اپنے سامنے کھڑے دیکھا۔ وہ حیران رہ گئے، ''پوچھا خیریت تو ہے؟ تم خوف زدہ سے کیوں ہو''؟

چوکیدار نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا تھا وہ سب کرنل کو بتا دیا۔ چوکیدار کی باتیں سن کر جیکسن کچھ سوچنے لگا۔ ایک ان جانے خوف کے سائے اس کے چہرے پر لہرانے لگے۔ وہ کمرے سے نکل کر باہر آئے اِدھر اُدھر دیکھا مگر انہیں کچھ نظر نہیں آیا مگر پھر انہیں اپنے کانوں سے سنی ہوئی آوازوں کا خیال آیا۔ آج چوکیدار چمکیلی آنکھوں والے رائفل بردار سائے کی بات بتا رہا تھا۔ پھر انہوں نے چوکیدار کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے رخصت کر دیا اور خود اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ چند لمحوں بعد نیند نے انہیں اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

کرنل نے چوکیدار کو پیش آنے والا واقعہ دوسرے دن ہربرٹ کو بتانا مناسب نہ جانا۔ اس نے سوچا کہ ہربرٹ اسے محض وہم قرار دے گا اور اس کا مذاق اڑائے گا۔ اس لئے خاموش رہنا اور کچھ نہ بتانا ہی بہتر ہے۔

کچھ دن اور خاموشی سے گزر گئے۔ کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ ایک دن کرنل جیکسن کو دوپہر کے وقت ایک ٹیلی گرام موصول ہوا۔ اس میں لکھا تھا کہ ان کی رجمنٹ کے ایک افسر اسی رات نو بجے کی ٹرین سے وہاں کے اسٹیشن سے گزریں گے۔ وہ اسٹیشن پر ہی ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

کرنل جیکسن اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر نو بجے سے پہلے ہی اسٹیشن پہنچ گئے۔ ٹرین اپنے وقت پر پلیٹ فارم پر آ گئی۔ رجمنٹ کے افسر سے انہوں نے ملاقات کی۔ افسر نے انہیں بتایا کہ جنگ کے دوران اس نے ایک معصوم شہری کو شبے میں گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ اس کی روح نے ساری رجمنٹ کو پریشان کر رکھا ہے۔ ہر روز حیرت انگیز، انوکھے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی حادثہ بھی ہو جاتا ہے۔ فوجی ان باتوں سے اب پریشان ہی نہیں خوف بھی محسوس کرنے لگے ہیں۔ کرنل نے یہ باتیں سنیں تو انہیں اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات بھی یاد آ گئے۔

افسر کو رخصت کرنے کے بعد وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور بنگلے کی طرف واپس لوٹنے لگے۔ ہر جگہ رات کے گہرے اندھیرے کی چادر تنی ہوئی تھی۔ کرنل ابھی کچھ ہی فاصلہ طے کر سکے تھے کہ ایک جگہ انہیں رک جانا پڑا۔ ان کا گھوڑا ہنہناتے ہوئے اپنی اگلی ٹانگیں اٹھا کر پچھلی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔ کرنل بمشکل اپنے آپ کو گرنے سے بچا پایا۔ اس نے جیب سے اپنی ٹارچ نکال کر سامنے روشنی ڈالی تو جو کچھ اس نے دیکھا حیران کر دینے کیلئے کافی تھا۔ ایک انجانے خوف کی لہر کے بدن میں دوڑ گئی۔

سامنے سڑک کے عین بیچوں بیچ خون میں لت پت ایک لاش پڑی تھی اور اس کا بہنے والا خون سڑک پر جم گیا تھا۔ ایسا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

محسوس ہوتا تھا جیسے یہ قتل کچھ دیر پہلے ہی ہوا ہو۔ کرنل نے اپنی ٹارچ کی روشنی لاش کے چہرے پر ڈالی تو حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ لاش اسی شخص کی تھی جسے اس نے دوران جنگ دشمن کا جاسوس ہونے کے شبے میں گولی ماری تھی۔

کرنل کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اب اس کے لئے وہاں مزید ٹھہرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اسے محسوس ہورہا تھا جیسے موت اپنا جبڑا کھولے اس کی طرف ہی بڑھ رہی ہے۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہاں سے بھاگ نکلا۔ کافی دور آگے نکل کر کرنل نے ذرا سا پیچھے مڑ کر نظر ڈالی تو دو چمکیلی آنکھیں اور دھندلا سا سایہ اسے اپنا پیچھا کرتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ تیزی سے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا اپنے بنگلے تک پہنچ گیا۔

گھوڑے کو اصطبل میں باندھا اور اپنے کمرے کی طرف تیزی سے قدم بڑھانے لگے۔ جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوئے، اپنے سامنے ان چمکیلی آنکھوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہوگئے۔ اب کرنل پر ان آنکھوں کا خوف بری طرح حاوی ہو چکا تھا۔ انہوں نے کمرے کی لائٹ آن کی تو آنکھیں غائب ہوگئیں۔

کرنل نے پہلے کمرے کا دروازہ بند کیا اور صوفے پر نیم دراز ہو کر آج رات کو اپنی رجمنٹ کے افسر سے ہونے والی باتوں اور گھر واپس آتے ہوئے پیش آنے والے واقعے کے ساتھ گزشتہ رات کو سنی ہوئی آوازوں اور چوکیدار کو نظر آنے والے رائفل بردار سائے پر بھی غور کرنے لگے۔

رات اپنا نصف سفر طے کر چکی تھی کہ چوکیدار نے کرنل کے کمرے سے ان کے چیخنے کی آواز سنی۔ وہ فوراً بھاگتا ہوا کرنل کے کمرے تک پہنچا، دروازہ بند تھا۔ اس نے کھڑکی میں جھانکا تو اندر کا منظر دیکھ کر خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔ سامنے بستر پر کرنل اور اس کی بیوی کی لاشیں خون میں نہائی پڑی تھیں۔ وہ فوراً بھاگتا ہوا ہربرٹ کے بنگلے تک پہنچا۔ انہیں جگا کر کرنل اور اس کی بیوی کے قتل کی بات بتائی۔

ہربرٹ جب پولیس کو اپنے ہمراہ لے کر کرنل کے بنگلے تک پہنچا تو صبح ہونے لگی تھی۔ کمرے میں قاتل کا سراغ لگانے کے لئے جب چھان بین کی گئی تو پولیس انسپکٹر کو میز پر رکھا ہوا ایک خط پیپر ویٹ کے نیچے رکھا ملا۔ پولیس انسپکٹر نے اسے اٹھا کر پڑھا۔ لکھا تھا ”کرنل نے مجھے بے قصور اپنے شبے کی بنیاد پر گولی کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا تھا۔ اب میں نے خود اپنے قتل کا انتقام کرنل سے لے لیا ہے۔ ایک بے قصور شہری“

انسپکٹر نے خط پڑھا اور ہربرٹ کی طرف بڑھا دیا جو قریب ہی کھڑا تھا۔ بات صاف تھی۔ اب مزید کسی تحقیق کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ ایک بے قصور کی روح کا انتقام تھا۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کنویں کا راز

صدیوں پرانی بات ہے کہ کسی ملک پر جارج نامی ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ ہر حکومت اپنی فوج کی بہتری کے لئے اس پر سب سے زیادہ پیسہ خرچ کرتی ہے۔ جارج بھی اسی پالیسی پر عمل کرتا تھا۔ وہ رعایا کا پیٹ کاٹ کر اپنی فوج کو مضبوط بناتا۔ اور اس طرح اپنی طاقت کو بڑھانے میں رات دن کوشاں تھا۔ وہ کہا کرتا تھا۔ ''دشمن کو کبھی کمزور نہ سمجھو''۔

اس مقولے کے تحت وہ دن رات اپنی فوج کو خوب سے خوب تر بنانے کی جدوجہد میں لگا ہوا تھا۔ جارج کے ملک کی سرحدیں بہت سے ملکوں سے ملتی تھیں۔ ایک دن جارج کے سپاہی رات کے وقت ٹریننگ میں مصروف تھے، ان میں سے چند ایک گھوڑوں پر سوار تھے۔ ٹریننگ کے دوران چند گھوڑ سوار تیز رفتاری میں بارڈر کراس کر گئے۔ ان کے ساتھی اپنے کام میں مگن رہے۔

جب تھوڑی دیر تک گھوڑ سوار واپس نہ آئے تو ان کو فکر ہوئی۔ رات بھر وہ انتظار کرتے رہے۔ صبح ہوئی تو یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ چنانچہ جارج نے جب یہ خبر سنی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے اپنے دشمن ملک کے بادشاہ ولیم سے کہا ''اگر تم امن چاہتے ہو تو ہمارے سپاہی واپس کر دو''۔ ولیم نے جواب دیا۔ ''تمہارے سپاہی کسی صورت واپس نہیں کیے جا سکتے''۔

جارج کی فوج بہت تربیت یافتہ تھی۔ اس کے پاس ہر قسم کے ہتھیار تھے۔ جارج کی فوج نے رات کے پچھلے پہر حملہ کیا۔ ولیم کی فوج ذہنی طور پر اس کا سامنا نہ کر سکی آخر اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ جارج کی فوج ان کے علاقے پر قابض ہو گئی۔

جنگ کئی دن تک جاری رہی۔ آخر جارج نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ ولیم کو ہر صورت زندہ حالت میں گرفتار ہونا چاہیے۔ جارج کے سپاہی لڑتے لڑتے اس قلعے تک پہنچ گئے جہاں ولیم موجود تھا۔ ولیم کے سپاہیوں نے جارج کے سپاہیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر جارج کے سپاہی قلعے کے محافظوں کا صفایا کر کے قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔ ولیم تہہ خانے میں موجود تھا۔

''ولیم تم اپنے آپ کو گرفتار سمجھو۔ تمہارے چاروں طرف گھیرا ڈال لیا گیا ہے۔''

جارج کے سپاہیوں نے اعلان کیا۔ ولیم نے چپ چاپ اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ جب ولیم کو جارج کے سامنے پیش کیا گیا تو ولیم گھبرا گیا۔ ولیم کا جسم کانپ رہا تھا وہ کہنے لگا۔ ''میرے آقا اگر آپ مجھے رہا کر دیں تو میں آپ کو ایک ایسا راز بتاؤں گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے''۔ ''وہ کیا؟'' جارج نے پوچھا۔

''جناب اس قلعے میں ایک تہہ خانہ ہے جو سونے سے بھرا ہوا ہے، تہہ خانے کو تلاش نہیں کیا جا سکتا، اسے اسے تعمیر کیا گیا ہے کہ دیکھنے والا دنگ رہ جاتا ہے''۔ ولیم، جارج اور اس کے چند سپاہیوں کو لے کر چل پڑا۔ ''ٹھہریے جناب -

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ولیم بولا۔ پھر اس نے ایک دروازہ کھول کر جارج سے کہا۔ ''اندر آجایئے۔''

اس نے جارج کو اندر بلایا۔ ''جارج یہ کنواں جو تم دیکھ رہے ہو۔ اتنا گہرا نہیں۔ تم اپنے سپاہیوں کو اس میں اترنے کا حکم دو۔ کنواں جہاں ختم ہوگا وہاں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے، یہ رہی اس دروازے کی چابی'' ۔ ولیم نے تہہ خانے کی چابی جارج کو تھماتے ہوئے کہا۔ جارج نے اپنے آدمیوں کو اس مشن کے لئے مقرر کیا۔ وہ ایک گھنٹے تک ان کا انتظار کرتا رہا، پھر دو آدمیوں کو کنوئیں میں اتارا گیا، جب وہ بھی واپس نہ آئے تو ولیم نے بڑے پیار سے کہا ''میرے آقا! مجھے خود ہی جانا پڑے گا'' ۔

ولیم کنوئیں کے راز سے واقف تھا اس کنوئیں کے اندر دو راستے تھے، ایک گہرائی کی طرف جاتا تھا اور دوسرا خشکی کی طرف۔ ولیم چند منٹوں میں خشکی پر آگیا۔ اس کے بعد ایک سرنگ شروع ہوگئی۔ یہ سرنگ بہت دور تک جاتی تھی۔ بادشاہ قید سے رہائی چاہتا تھا۔ اسے رہائی مل گئی۔ جارج مہینوں اپنے سپاہیوں کو اس کنوئیں میں اتارتا رہا اور ان کی جانیں ضائع کرواتا رہا، جب کبھی اسے سونے سے بھرے تہہ خانے کا خیال آتا تو وہ اپنے آدمیوں کو کنوئیں میں بھیجنا شروع کر دیتا۔

جب جارج اپنے سپاہیوں کی کارکردگی سے مایوس ہوگیا تو اس نے سوچا کہ وہ خود کنوئیں کا راز معلوم کرے گا۔ اس نے اپنے چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ کنوئیں میں اترنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ ایک سپاہی تو یہ حکم سنتے ہی بے ہوش ہوگیا۔ ہوش آنے پر اس نے بتایا کہ کنوئیں میں اترنا موت کے فرشتے کو آواز دینا ہے۔ جب بادشاہ نے اپنے سپاہی کی یہ حالت دیکھی تو کانپ کر رہ گیا۔ اب کیا کیا جائے؟ اس نے اپنے سپاہیوں سے مشورہ کیا۔ ''بادشاہ سلامت ہمیں انتظار کرنا چاہیئے، ہم اس جگہ سے اپنا پڑاؤ نہیں ہٹائیں گے'' ۔

اس بات کو ایک سال گزر گیا۔ جارج کے سپاہی سوائے روٹیاں توڑنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے، وہ دن بہ دن ناکارہ ہوتے جا رہے تھے۔ ایک دن جارج شکار کھیلنے جا رہا تھا کہ راستہ میں ولیم کی فوج نے اسے گھیر لیا، ولیم نے اپنے گھوڑے سے اتر کر جارج سے ہاتھ ملایا اور پھر تلوار چلانا شروع کر دی۔ آخر ولیم اس کی گردن مارنے میں کامیاب ہوگیا۔

جارج کے مٹھی بھر سپاہی دُم دبا کر بھاگ اٹھے۔ باقی سپاہیوں نے جب اپنے بادشاہ کی ہلاکت کا سنا تو وہ بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ ولیم نے اپنی فتح کی خوشی میں ایک بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا۔

''اے خدا تو کتنا عظیم ہے کہ تو نے میرے جیسے کمزور شخص کے ہاتھوں اتنے بڑے بادشاہ کا خاتمہ کروایا'' ۔ ولیم ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔ دیکھا بچو! ولیم نے اپنی عقل اور ہمت سے حکومت دوبارہ حاصل کر لی۔ اور جارج اپنی ناعاقبت اندیشی سے برے انجام تک پہنچا۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھوت بھی ڈر گیا

ہندوستان کے کسی گاؤں میں ''سنو بھتی'' نامی ایک آدمی رہا کرتا تھا جو انتہائی غریب تھا۔ وہ اپنی گزر بسر خیرات پر کرتا تھا۔ اس شخص کی بیوی عمر میں اس سے بڑی تھی اور نہایت جھگڑالو تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ہمیشہ خارش رہا کرتی تھی۔ شوہر جو کچھ لاتا وہ اسے پکا کر کھاتی۔ شوہر بے چارہ بچا کھچا کھانا کھاتا اور برتن دھوتا تھا۔ اپنے ہاتھوں کی خارش دور کرنے کے لئے بیوی روزانہ ایک رسی بٹتی تھی، جس سے روز وہ اپنے شوہر کو پیٹا کرتی تھی۔ بے چارہ سنو بھتی اس کے ساتھ نہایت بے بسی کے دن گزار رہا تھا۔

ایک بار سنو بھتی کسی کام سے دوسرے گاؤں گیا، جس میں اسے دس دن لگے۔ اسی دوران سنو بھتی کی بیوی نے دس رسیاں بٹیں اور اپنے شوہر کا انتظار کرنے لگی، کیوں کہ اس کے ہاتھوں کی خارش بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ آخر تنگ آ کر اس نے رسیاں لیں اور گاؤں سے باہر آ گئی۔ وہاں انجیر کا ایک پرانا درخت تھا۔ وہ اس کے تنے کو پیٹتی رہی، یہاں تک کہ ایک کے بعد ایک رسی ٹوٹتی گئی۔ اس طرح اس کی خارش کم ہو گئی اور ہاتھوں کو بہت آرام ملا۔

اس انجیر کے درخت پر بہت دنوں سے ایک بھوت رہا کرتا تھا۔ جب تک عورت اس درخت کو پیٹتی رہی، سارا درد بھوت کو سہنا پڑا۔ جب درد بہت بڑھ گیا تو بے چارہ بھوت درد کی شدت سے چیختا ہوا، وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ راستے میں اتفاقاً بھوت کی ملاقات سنو بھتی سے ہو گئی۔ بھوت نے سنو بھتی سے اس کا نام اور اس کے حالات پوچھے۔

سنو بھتی نے اسے اپنا اور اپنے گاؤں کا نام بتایا۔ بھوت نے سنو بھتی کو بتایا کہ اسی گاؤں کی ایک ظالم عورت نے اسے پیٹ پیٹ کر بے جان کر دیا تھا۔ اور وہ درد کی شدت سے بھاگ نکلا۔ وہ حیران ہو کر سنو بھتی سے پوچھنے لگا کہ آخر تم ایسے گاؤں میں کیسے رہتے ہو۔ جب سنو بھتی کو معلوم ہوا کہ وہ ایک بھوت ہے تو کانپتے ہوئے کہنے لگا: ''مالک! جس عورت کی آپ بات کر رہے ہیں وہ کوئی اور نہیں میری بیوی ہے۔ وہ ہر روز مجھے مارتی ہے۔ یہ دیکھئے میری پیٹھ۔'' یہ کہہ کر سنو بھتی نے اسے اپنی سوجی ہوئی پیٹھ دکھائی۔

سنو بھتی پر رحم کھاتے ہوئے بھوت نے کہا: ''تم اس عورت کے ساتھ کیوں رہتے ہو، جب کہ وہ تمہیں روز مارتی ہے؟ تم اس عورت کو چھوڑ کر کہیں دُور چلے جاؤ۔ اس کے ساتھ رہ کر تمہیں ملتا کیا ہے؟ میں تو ایک روز بھی اس کی مار برداشت نہیں کر سکا۔''

سنو بھتی کہنے لگا: ''میں اپنی بیوی کی مار روز کھاتا ہوں، کیونکہ وہ میرے لئے کھانا پکاتی ہے۔ اس دنیا میں میرا اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں اور کیا کر سکتا ہوں'' یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھوت جو کسی بھوکے شیر کی طرح انسانوں پر جھپٹتا تھا، سنو بھتی پر رحم کھا کر کہنے لگا: "اے غریب انسان! مت رو۔ دیکھو جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔ تم اپنے گھر مت جانا۔ یہاں قریب ہی ایک شہر ہے، وہاں کے بادشاہ کا نام درغادا تا ہے، اس کی ایک ہی بیٹی ہے۔ میں اسے اپنے بس میں کرلوں گا اور اس کا خون چوس کر اسے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دوں گا۔ چند دنوں میں وہ بیمار پڑ جائے گی۔ اس کے بعد تم وہاں آجانا اور یہ کہنا کہ تم شہزادی کا علاج کر سکتے ہو۔ بادشاہ سے اپنے انعام کا وعدہ لے لینا۔ اس کے بعد شہزادی کے کان میں کہنا کہ میں وہی ہوں، جو انجیر کے درخت کے نیچے رہتا ہوں۔ پھر میں اسے چھوڑ دوں گا۔ وہ صحت یاب ہو جائے گی، بادشاہ خوش ہو کر تمہیں انعامات دے گا۔ تم امیر بن جاؤ گے۔ پھر تم کسی نیک دل عورت سے شادی کر لینا۔"

سنو بھتی نے بھوت کی مہربانی کی تعریف کی اور اپنی بیوی کو بُرا بھلا کہا۔ بھوت خوش ہو کر وہاں سے چلا گیا۔ سنو بھتی بھی اپنے گھر جانے کے بجائے، دوسرے گاؤں چلا گیا۔

اسی رات بھوت شہزادی کے سر پر سوار ہو گیا۔ شہزادی ایک چیخ مار کر اپنے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اپنے شوہر کو بھی جھنجوڑ کر سوتے سے اٹھایا۔ جب اس نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تو وہ اسے مارنے اور کاٹنے لگی، وہ بچ بچا کر کمرے سے نکلا اور اس کے والدین کو خبر دی۔ جب اس کے والدین آئے تو اس نے ان پر بھی حملہ کر دیا۔ اس کے والدین نے بھوت کا اثر سمجھ کر اس کو ایک کمرے میں بند کر دیا۔

روز بروز شہزادی کی حالت خراب ہوتی گئی۔ اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ بادشاہ کا خیال تھا کہ وہ جلد مر جائے گی۔ چنانچہ وہ بیٹی کی بیماری پر ہر وقت فکر مند رہنے لگا۔

اسی دوران سنو بھتی، شہزادی کے شہر میں پہنچ گیا اور اعلان کیا کہ میں اس بیمار شہزادی کا علاج کر سکتا ہوں، چنانچہ سنو بھتی کو محل میں پہنچا دیا گیا۔ سنو بھتی کی حالت دیکھ کر بادشاہ کو یقین نہیں آیا کہ وہ شہزادی کا علاج کر سکتا ہے۔

سنو بھتی نے بادشاہ سے کہا کہ اگر وہ شہزادی کا علاج نہ کر سکا تو بے شک بادشاہ اس کی جان لے سکتا ہے۔ بادشاہ نے سنو بھتی کے دعوے پر بھروسا کیا اور اس کو کئی انعامات دینے کا وعدہ کیا۔ پھر اسے شہزادی کے کمرے میں لے جایا گیا۔ سنو بھتی نے کمرے کا دروازہ کھولا تو بادشاہ نے اسے ہدایت دی کہ اپنی حفاظت کے لئے کوئی ہتھیار وغیرہ اندر لے جائے، مگر سنو بھتی نے مسکرا کر ٹال دیا۔ پھر کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔ کمرے کی حالت بہت خراب تھی۔ ہر طرف ٹوٹے پھوٹے فرنیچر، ٹوٹے ہوئے آئینے، پھٹے ہوئے پردے وغیرہ بکھرے پڑے تھے۔

شہزادی نے جیسے ہی سنو بھتی کو دیکھا تو حملے کے لئے تیار ہو گئی۔ سنو بھتی نے احترام سے ہاتھ باندھے اور کہنے لگا: "مالک! میں وہی آدمی ہوں، جو انجیر کے درخت کے نیچے رہتا ہوں، آپ کے حکم کے مطابق میں یہاں آگیا ہوں۔ بادشاہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے مجھے کئی انعامات دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ کی وجہ سے میری غربت دور ہونے والی ہے۔"

سنو بھتی کی باتیں سن کر بھوت کہنے لگا: "میں نے یہ سب اس لئے کیا تا کہ تم امیر بن جاؤ۔ اب جب کہ تم امیر بننے والے ہو تو دوسری شادی کر لینا اور اپنی زندگی کو آرام سے گزارنا۔ اب میری بات غور سے سنو۔ میں کسی اور شہزادی کے سر پر سوار ہو جاؤں گا۔ اگر تمہیں علاج کرنے کے لئے بلایا جائے تو تم ہرگز نہ جانا۔ اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔"

یہ کہہ کر بھوت نے شہزادی کو چھوڑ دیا اور کمرے سے نکل گیا۔ بھوت کے جانے کے بعد شہزادی بستر پر بے حس و حرکت پڑی رہی۔ سنو بھتی کمرے کا دروازہ کھول کر مسکراتا ہوا باہر نکلا۔ بادشاہ نے جب شہزادی کے بارے میں پوچھا تو سنو بھتی نے کہا کہ وہ خود جا کر دیکھے۔ بادشاہ آہستہ سے کمرے میں داخل ہوا۔ شہزادی نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کھانا مانگا۔ بادشاہ شہزادی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اچھی دیکھ بھال سے چند دنوں میں شہزادی مکمل تندرست ہو گئی۔

بادشاہ اور اس کی سلطنت کے وزیروں نے سنو بھتی کی بہت تعریف کی اور بہت عزّت دی۔ بادشاہ نے اسے جتنے انعامات دینے کے وعدے کیے تھے۔ اس سے دگنا انعام دیا۔ بادشاہ نے سنو بھتی کی شادی ایک نیک دل لڑکی سے کر دی۔ سنو بھتی پرسکون زندگی گزارنے لگا۔

چھ مہینے بعد کسی قریبی سلطنت کے بادشاہ کی طرف سے بادشاہ درغا داتا کے نام ایک خط آیا کہ اس کی بیٹی پر کسی بدروح نے قبضہ کر لیا ہے۔ ہر ممکن علاج کے باوجود شہزادی صحت یاب نہیں ہو سکی ہے۔ اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ وہ سنو بھتی کو اس کی بیٹی کے علاج کے لئے بھیجے۔ وہ اسے منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہے۔

بادشاہ درغا داتا نے سنو بھتی کو بلایا، اسے بادشاہ کا خط پڑھ کر سنایا اور اس سے درخواست کی کہ وہ وہاں جا کر شہزادی کا علاج کرے۔ اسے بتایا کہ اس طرح اس کی شہرت وہاں بھی پھیل جائے گی۔

بادشاہ کی بات سن کر سنو بھتی ڈوبتے ہوئے دل سے بولا: "بادشاہ سلامت! بھوت بھگانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اب مجھ سے یہ نہیں ہو گا لہٰذا آپ مجھے معاف کیجئے۔"

مگر بادشاہ نے اسے راضی کر لیا اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ دوبارہ اس کام کے لئے اُسے کہیں نہیں بھیجے گا۔ سنو بھتی کو یہ بات ماننی پڑی اور اسے جانا پڑا۔ راستے بھر وہ سوچتا رہا کہ میں بھوت کو بھگانے جا رہا ہوں، اگرچہ میں ایسا نہیں کر سکتا، لیکن اس حکم عدولی کے جرم میں یہ مجھے جان سے بھی مار سکتا ہے۔ مجھے بادشاہ کو سچ سچ بتا دینا چاہیے تھا۔ میرا یہ جھوٹا دکھاوا، میری جان لے کر چھوڑے گا۔

سنو بھتی جب محل پہنچا تو اس کا پُرجوش استقبال کیا گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اسے جادوگروں اور درباریوں نے گھیر لیا اور اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی کہ آخر اس کے پاس ایسا کون سا علم ہے، لیکن سنو بھتی کے پاس ایسا کوئی علم تو تھا نہیں، وہ کیا جواب دیتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لہٰذا کہنے لگا کہ شہزادی کا کمرا دکھا دو۔

جب بادشاہ نے سنو بھتی کو کمرا دکھایا تو وہ آہستہ آہستہ سے کمرے میں داخل ہوا اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اسے دیکھتے ہی شہزادی حملے کے لئے دوڑ پڑی۔ سنو بھتی نے احترام سے ہاتھ باندھے اور کہنے لگا: ''میں وہی شخص ہوں، جو انجیر کے درخت کے نیچے رہتا ہوں۔''

شہزادی کے سر پر سوار بھوت کہنے لگا: ''جھوٹے مکار! میں نے کیا کہا تھا تم سے؟ جتنی دولت میں نے تمہیں دلائی تھی، وہ کافی نہیں تھی۔ جو تمہارا لالچ تمہیں یہاں تک لے آیا۔ میں تمہیں ابھی ٹھیک کرتا ہوں۔''

سنو بھتی خوف سے کانپتے ہوئے بولا: ''م م م...... میرے باپ! میں آپ کی بات کیسے رد کر سکتا ہوں اور جب کہ آپ نے میرے لئے تو اتنا کچھ کیا ہے۔ میں ایک مصیبت میں بری طرح پھنس چکا ہوں اور آپ سے مشورہ کرنے آیا ہوں۔ آپ کی عنایت کے بعد میں چھ مہینے تک عیش و آرام کی زندگی گزارتا رہا، لیکن تقدیر کب کسی کو خوش رہنے دیتی ہے۔ کسی طرح میری پہلی بیوی کو پتا چلا کہ میں آپ کی اور بادشاہ سلامت کی بدولت آرام سے زندگی گزار رہا ہوں تو اس نے چھ مہینوں میں ۱۸۰ رسیاں تیار کر لیں۔ جو وہ مجھے مارنے کے لئے بنتی تھی۔ اب وہ میرے گھر تک پہنچ گئی۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر آپ تک پہنچا ہوں، تاکہ آپ میری مدد کریں اور مجھے اس ظالم عورت سے بچائیں۔''

سنو بھتی کی دکھ بھری داستان سن کر بھوت غصے سے تھر تھر کانپنے لگا اور بولا: ''س س س...... سنو بھتی! انجیر کے درخت پر مجھے جو مار پڑی تھی اسے میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ سب سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کیا تمہاری بیوی اب بھی تمہارا پیچھا کر رہی ہے؟''

سنو بھتی نے جواب دیا: ''ہاں، وہ میرا پیچھا کر رہی ہے، لہٰذا اب آپ ہی مجھے اس سے بچا سکتے ہیں، مجھے کوئی راستہ دکھا سکتے ہیں۔'' سنو بھتی کی بات سن کر بھوت بہت خوف زدہ ہوا اور کانپتا ہوا بولا: ''اپنی مصیبت خود ہی سنبھالو۔ تم نے اس ظالم عورت سے شادی کی ہے اب تم ہی بھگتو۔ میں کیوں اس مصیبت میں پڑوں؟ میں یہاں سے بھاگ کر کسی اور جزیرے پر چلا جاؤں گا، تاکہ وہ مجھ تک نہ پہنچ سکے۔'' یہ کہہ کر وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

سنو بھتی کمرے سے باہر نکلا اور بادشاہ اور اس کے وزیروں کو یہ خوش خبری دی کہ اب شہزادی بالکل ٹھیک ہے۔ بادشاہ نے اسے بہت سے انعامات سے نوازا۔ اس کے بعد سنو بھتی خوش و خرم زندگی گزارنے لگا۔

سبق : اس کہانی سے ہمیں یہ نصیحت ملتی ہے کہ اپنی حکمت عملی سے انسان ناممکن کو بھی ممکن بنا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ڈھول کا پول

کافی عرصے پہلے کی بات ہے۔ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک ڈھول بجانے والا اپنی بیوی اور اکلوتے بیٹے کے ساتھ رہتا تھا۔ڈھول بجانے والے کا نام سجاد تھا۔سجاد گاؤں میں ہونے والے ہر میلے میں حصہ لیتا تھا۔اس کے علاوہ وہ شادیوں اور بچوں کی پیدائش کے موقع پر بھی ڈھول بجاتا تھا کیونکہ وہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا لہٰذا اسے اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے اکثر شہر جانا پڑتا تھا۔

ایک دن ایک مسافر شہر سے گاؤں آیا،اُس نے گاؤں والوں کو شہر میں لگنے والے ایک میلے کے بارے میں بتایا۔ان میں سجاد بھی شامل تھا۔اسی رات سجاد نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے فوراً شہر میں لگنے والے میلے میں جانا چاہیئے اور اپنے بیٹے ناصر کو بھی ساتھ لے جانا چاہیئے جو ڈھول بجانا جانتا تھا۔اس طرح اگلی صبح سجاد کی بیوی نے اپنے شوہر اور بیٹے کیلئے کھانے کا سامان باندھا اور وہ دونوں اپنے ڈھول کے ساتھ شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔

جب وہ شہر پہنچے تو ایک بڑے سے میدان میں میلے کا آغاز ہو چکا تھا اور لوگوں کا ایک بڑا ہجوم اس میلے کو دیکھنے آیا ہوا تھا۔ سجاد نے میدان میں اپنے لئے ایک خالی جگہ تلاش کی جہاں انہوں نے چٹائی ڈالی اور ڈھول بجانا شروع کر دیا۔جلد ہی بہت سے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوگئے اور انہیں دیکھ کر لطف اندوز ہونے لگے۔لوگ ان کے سامنے پیالے میں سکے ڈال کر میلے میں موجود دوسری چیزوں سے محظوظ ہونے لگے۔دن کے اختتام پر سجاد اور ناصر نے کچھ دیر آرام کیا،پھر پیالے میں موجود رقم گننے لگے۔

سجاد نے اپنے بیٹے ناصر سے کہا ''ہم نے آج کافی ساری رقم کمائی ہے اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔تم نے آج بہت اچھا ڈھول بجایا۔'' ''امی بہت خوش ہوں گی''۔ناصر نے کہا۔

سجاد اور ناصر نے تھوڑا سا کھانا کھایا،چٹائی تہہ کی اور گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔جب سجاد اور اس کا بیٹا ناصر گھر کی طرف روانہ ہوئے تو خاصی رات ہو چکی تھی۔میلے کی تیز روشنی اور لوگوں کی آوازیں دور ہوتی چلی گئیں۔

وہ جنگل کے نزدیک پہنچے جہاں سے گزر کر انہیں اپنے گھر تک پہنچنا تھا لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ جنگل میں ان کا سامنا کسی سے ہونے والا ہے۔وہ تھوڑے سے ڈرے ہوئے بھی تھے کیونکہ ان کے پاس اچھی خاصی رقم تھی۔آخر موقعے کی نزاکت دیکھ کر ڈر تو لگنا ہی تھا۔

سجاد اور ناصر جنگل کے کنارے پہنچ کر رک گئے۔ناصر نے اپنا ڈھول اپنے گلے میں ڈالا اور اسے زور زور سے پیٹنا

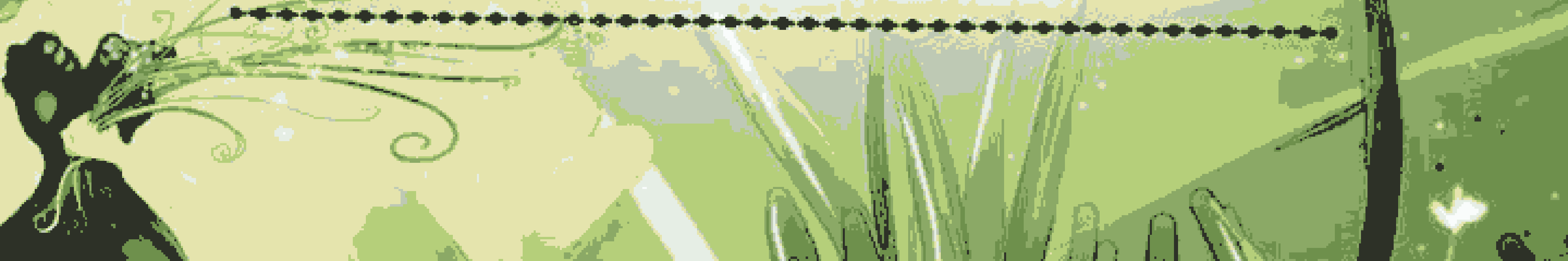

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ڈانگ ڈومانگ ڈو

پرانے وقت کی بات ہے کہ ایک بیوہ بڑھیا تھی۔ آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ بس بالکل ہی اکیلی تھی وہ۔ تھوڑی سی زمین تھی اور ایک چھوٹا سا مکان۔ اسی میں وہ اپنی زندگی کے دن جیسے تیسے گزار رہی تھی۔

برسات کا موسم تھا۔ اس دن بہت موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ بڑھیا اپنے گھر میں دبکی ہوئی بارش کے رکنے کا انتظار کر رہی تھی کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ بڑھیا نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک گڈریا کھڑا سوال بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔

بڑھیا نے بڑی نرم سی آواز میں پوچھا "بیٹا! کیا بات ہے میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

گڈریے نے سردی سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "اماں مجھے رات بھر ٹھہرنے کے لئے اجازت دو گی اپنے گھر میں؟ صبح ہوتے ہی چلا جاؤں گا۔"

بڑھیا نے گڈریے کی بات سن کر پیار بھرے انداز میں جواب دیا "بیٹا سارا گھر ہی تمہارا ہے، اس میں اجازت کی بھلا کیا بات ہے۔ رات بھر نہیں جب تک چاہو قیام کرو۔"

گڈریا یہ جواب سن کر اپنے قدم بڑھا کر گھر میں داخل ہو گیا۔ اندر پہنچ کر اس نے اپنے بدن پر پہنے ہوئے لمبے گھیردار کوٹ میں چھپائے ہوئے ایک چھوٹے سے بھیڑ کے بچے کو نکالا اور کمرے میں کھڑا کر دیا۔ باقی بھیڑیں اس نے باہر بڑھیا کے کھیت میں ہی چھوڑ دیں۔

بڑھیا نے جلدی سے انگیٹھی سلگائی اور گرم گرم چائے بنا کر گڈریے کو پینے کے لئے پیش کی۔ گڈریے کے جسم میں چائے پینے سے گرمی آئی۔ وہ اسی کمرے میں سکون سے پیر پھیلا کر سو گیا۔

صبح ہوئی تو گڈریا اٹھ بیٹھا۔ بڑھیا نے اس کے لئے ناشتا تیار کیا اور وہ واپس جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ گھر سے باہر نکل کر اس نے کھیت میں سے اپنی بھیڑوں کو جمع کیا۔ پھر ایک بھیڑ کا بچہ بڑھیا کو بہ طور تحفہ دیتے ہوئے کہا "اماں! یہ لو چھوٹا سا ڈانگ ڈو۔ میری طرف سے قبول کرو۔ اسے پال لو...... یہ تمہارا اچھا ساتھی بن جائے گا۔ تمہارا اکیلا پن دور کرے گا۔"

بڑھیا کی آنکھیں اس پیار اور خلوص بھرے تحفے کو پا کر بھر آئیں۔ اس نے بڑی محبت سے بھیڑ کے بچے کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ گڈریا چلا گیا۔ اور بچہ بھیڑوں سے بچھڑنے پر بھیں بھیں کر کے رونے لگا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بڑھیا نے اسے پیار سے اپنی گود میں سینے سے چپکا لیا۔ سر پر ہاتھ پھیرا، پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا" مت رو میرے ڈانگ ڈو...... اب میں تیری ماں ہوں۔ تو میرا پیارا ڈانگ ڈومانگ ڈو ہے۔" پھر بڑھیا اسے گود میں اٹھائے ہوئے سارے گاؤں میں گھوم آئی۔ ڈانگ ڈومانگ ڈو کو دودھ پلانے کے لئے وہ تھوڑی سی روئی بھی لے آئی۔

ڈانگ ڈومانگ ڈو اب سارے گاؤں والوں کا ڈانگ ڈومانگ ڈو ہو گیا تھا۔ وہ بڑھیا کے ساتھ کھیلتا، اس کی باتیں سنتا اور خود بھی باتیں کرتا۔ پیار کرتا اور رات کو بڑھیا کے سینے پر سر رکھ کر سو جاتا۔ گاؤں کے بچے اس سے باتیں کرتے، اس کے ساتھ کھیلتے، ڈانگ ڈومانگ ڈو ان کی باتیں غور سے سنتا اور جواب بھی دیتا۔ اسی طرح وہ بڑا ہوتا گیا۔

اس سال موسم برسات کی بارشیں نہیں ہوئیں۔ سارا موسم خشک، بن برسے ہی گزر گیا۔ بڑھیا فکر مند ہو گئی۔ اپنے ڈانگ ڈومانگ ڈو کا پیٹ بھرنے کے لئے گھاس کہاں سے لائے...... گاؤں کے سب لوگ اپنے اپنے جانور، مویشی لے کر پہاڑ پر چلے گئے...... بڑھیا سوچتی رہ گئی کہ میں ڈانگ ڈومانگ ڈو کو لے کر پہاڑ پر کیسے چڑھوں؟ اسے کھانے کو گھاس نہیں ملے گی تو وہ بھوکا مر جائے گا۔ اس خیال سے بڑھیا فکر مند رہنے لگی۔

ایک دن ڈانگ ڈومانگ ڈو نے بڑھیا کو خاموش، سوچ میں ڈوبے دیکھ کر پوچھا" اماں آپ کو کس بات کی فکر ہے، ہر وقت سوچ میں ہی ڈوبی رہتی ہیں نہ کھاتی پیتی ہیں نہ ہنستی بولتی ہیں؟"

بڑھیا نے کہا" بیٹا گاؤں کے سب لوگ اپنے جانوروں اور مویشیوں کو لے کر پہاڑ پر چلے گئے ہیں۔ میں تجھے کیسے لے جاؤں؟ میں خود تو چڑھ نہیں سکتی۔ کہیں تو بھوک سے مر ہی نہ جائے۔ بس یہی فکر مجھے پریشان رکھتی ہے"

ڈانگ ڈومانگ ڈو نے کہا" اماں تم فکر کیوں کرتی ہو، دیکھو میں اب کتنا بڑا ہو گیا ہوں، میں خود پہاڑ پر چڑھ سکتا ہوں تم فکر نہ کرو۔ میں پہاڑ پر چلا جاؤں گا اور خوب موٹا صحت مند ہو کر واپس آؤں گا"

بڑھیا نے ڈانگ ڈومانگ ڈو کی یہ ہمت، حوصلے کی باتیں سنیں تو اس کی فکر دور ہو گئی۔ ہونٹ اور آنکھیں مسکرانے لگیں اور اس نے اونچ نیچ کی باتیں سمجھاتے ہوئے دعاؤں کے ساتھ اسے پہاڑ پر جانے کی اجازت دے دی۔

ڈانگ ڈومانگ ڈو جھومتا ہوا پہاڑی کی طرف چلا گیا۔ ابھی اس نے کچھ فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ اسے راستے میں گیدڑ مل گیا۔ گیدڑ نے اسے روک کر دھمکاتے ہوئے کہا" کون ہو تم اور کہاں جا رہے ہو؟ مجھے بھوک لگی ہے میں تمہیں کھاؤں گا۔"

ڈانگ ڈومانگ ڈو لمحے بھر کے لئے تو گیدڑ کی بات سن کر ڈر گیا مگر پھر سنبھل کر بولا" جناب والا! میں پہاڑ پر جا رہا ہوں۔ گاؤں میں تو کھانے کے لئے گھاس، چارہ نہیں۔ دیکھئے میں کتنا دبلا ہو گیا ہوں بھوکا رہتے رہتے۔ ان خشک ہڈیوں سے بھلا آپ کا پیٹ کیا بھرے گا۔ پہاڑ پر سے کھا پی کر صحت مند ہو کر واپس آؤں گا تو بہ صد شوق مجھے کھا کر اپنی بھوک مٹایئے گا۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گیدڑ یہ جواب سن کر مطمئن ہو گیا۔ اس نے ڈانگ ڈومانگ ڈو کو آگے جانے کی اجازت دے دی۔ ڈانگ ڈومانگ پھر جھومتے ہوئے پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ ابھی چلتے چلتے اس نے تھوڑا سارا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اسے بھیڑیا مل گیا۔ وہ گیدڑ کی طرح راستہ روکے کھڑا تھا۔ بھیڑیے نے بھی ڈانگ ڈومانگ ڈو سے گیدڑ کی طرح سوالات کیے اور ڈانگ ڈومانگ ڈو نے اسے بھی ویسے ہی جواب دیے۔ بھیڑیا راستے سے ہٹ کر ایک طرف ہوتے ہوئے بولا "یہ ٹھیک ہے، تم جاؤ اور خوب صحت مند ہو کر واپس آؤ۔ تب ہی تمہیں کھا کر اپنی بھوک مٹاؤں گا۔" ڈانگ ڈومانگ ڈو پہلے کی طرح یہ جواب سن کر آگے بڑھنے لگا۔

چلتے چلتے اس نے کافی فاصلہ طے کر لیا مگر منزل اب بھی اس سے دور تھی۔ وہ اپنی رفتار سے آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا کہ سامنے اسے شیر نظر آیا۔ وہ بھی گیدڑ اور بھیڑیے کی طرح راستہ روکے کھڑا تھا۔ قریب پہنچنے پر شیر نے بھی دھاڑتے ہوئے ویسے ہی سوالات کیے جو گیدڑ اور بھیڑیا پہلے کر چکے تھے۔ ڈانگ ڈو نے ہمت کر کے اسے بھی وہی جواب دیا جو پہلے گیدڑ اور بھیڑیے کو دے چکا تھا۔ شیر نے اس جواب سے مطمئن ہو کر اسے آگے جانے کی اجازت دے دی۔

ڈانگ ڈو آخر چلتے چلتے پہاڑ پر پہنچ ہی گیا۔ یہاں چاروں طرف سبز سبز گھاس ہی گھاس تھی اور کھلی فضا۔ وہ وہیں رہنے لگا اور ہری بھری تازہ گھاس چرتے ہوئے اپنا پیٹ بھرنے لگا۔ یہاں چرنے کے لئے آنے والے دوسرے چرندوں سے اس کی دوستی بھی ہو گئی۔ ڈانگ ڈومانگ ڈو کو کھلی فضا میں سبز سبز گھاس کھانے کو ملی تو اس کے سوکھے دبلے جسم پر گوشت چڑھنے لگا۔ وہ دن بھر چوکڑیاں بھرتا اِدھر سے اُدھر دوڑتا پھرتا۔

ڈانگ ڈو کی دوستی اب بکریوں، ہرن اور نیل گائے کے بچوں سے بھی ہو گئی تھی۔ پہاڑ پر رہتے، کھاتے پیتے اسے کافی دن ہو گئے تھے۔ اب اسے اپنی بوڑھی ماں کی یاد آنے لگی، ساتھ ہی ان جانوروں کا خوف بھی اسے ستانے لگا جن سے وعدہ کر کے آیا تھا۔ اس نے یہ بات اپنے سب ہی ساتھیوں کو بتا دی اور بڑے بزرگ جانوروں سے مشورہ بھی مانگا۔ انہوں نے ڈانگ ڈو کی مشکل سن کر اسے راستہ بدل کر گاؤں جانے کے لئے کہا لیکن ڈانگ ڈو کو یہ مشورہ پسند نہیں آیا۔ وہ ان جانوروں سے کیا ہوا اپنا وعدہ بھی توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے وعدے کی اہمیت کا پورا پورا احساس تھا اور ان ظالم جانوروں میں سے کسی بھی جانور کی خوراک بننا بھی اسے پسند نہ تھا۔ اب جانوروں میں اس موضوع پر آپس میں باتیں ہوتی رہتیں۔ آخر میں ایک بزرگ بکرے نے ڈانگ ڈو سے کہا "تم اپنے جسم پر بڑے بڑے پتے باندھ لو...... تمہارا حلیہ بدل جائے گا اور وہ ظالم جانور جو تمہیں کھانے کے لئے تمہاری واپسی کے انتظار میں بیٹھے ہیں، تمہیں پہچان نہیں سکیں گے۔ اس طرح تمہاری جان بچ جائے گی۔"

ڈانگ ڈو کو یہ تجویز پسند آ گئی۔ سب ہی دوست جانوروں نے مل کر اس کے جسم پر بڑے بڑے پتے باندھ دیے اور اس کی شکل ہی بدل کر رکھ دی۔ پھر اسے اپنی دعاؤں کے ساتھ وہاں سے گاؤں جانے کے لئے رخصت کر دیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ابھی ڈانگ ڈو چند کلومیٹر ہی آگے بڑھا تھا کہ اسے راستے میں شیر بیٹھا ہوا مل گیا۔ شیر نے دہاڑ کر اس سے پوچھا ''اے عجیب و غریب جانور! تو نے پہاڑ پر ڈانگ ڈو کو تو نہیں دیکھا ہے؟ وہ خوب اچھا صحت مند ہو گیا ہو گا اب تو۔ وہ ان ہی دنوں واپس آنے والا تھا۔ بس اس کے انتظار میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں۔''

ڈانگ ڈو نے فوراً ہی آواز بدل کر کہا۔''میں کیا جانوں ڈانگ ڈو کون ہے۔ تو جانے اور جانے ڈانگ ڈو۔'' اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

کچھ فاصلہ طے کرنے پر اسے بھیڑیا مل گیا۔ بھیڑیے نے بھی اسے دیکھ کر ڈانگ ڈو کے متعلق دریافت کیا اور ڈانگ ڈو نے اسے بھی وہی جواب دیا جو شیر کو دیا تھا۔ بھیڑیا یہ جواب سن کر پھر وہیں انتظار میں بیٹھ گیا اور ڈانگ ڈو گاؤں کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ اب وہ گاؤں کے قریب پہنچنے ہی والا تھا کہ گیدڑ سے ملاقات ہو گئی۔ گیدڑ نے بھی راستہ روک کر اس عجیب و غریب جانور سے ڈانگ ڈو کے متعلق دریافت کیا اور ڈانگ ڈو نے اسے بھی آواز بدل کر وہی جواب دیا جو پہلے شیر اور بھیڑیے کو دے چکا تھا۔

اب ڈانگ ڈو اپنے گھر پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ بوڑھی ماں راستے کی طرف نظریں جمائے بیٹھی اس کے واپس آنے کا انتظار کر رہی ہے۔ اس نے آواز بدل کر کہا ''اماں...... اماں لو میں آ گیا۔''

بڑھیا حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کو حیرت میں دیکھ کر ڈانگ ڈو نے اپنی اصلی آواز میں کہا ''اماں تم بھی دھوکا کھا گئیں۔ میں ہوں تمہارا پیارا ڈانگ ڈو مانگ ڈو۔'' پھر اس نے بدن پر لگے ہوئے درختوں کے پتے ہٹائے اور اصلی صورت میں سامنے آ گیا۔

بڑھیا کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ اس نے محبت سے ڈانگ ڈو کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا اور حلیہ بدل کر آنے کی وجہ دریافت کی۔ اس پر ڈانگ ڈو نے یہاں سے جانے اور پھر واپس آنے تک کے سارے واقعات کی تفصیل اماں کو بتا دی۔

ماں نے خوش ہو کر کہا ''واقعی ذہانت سے بڑے سے بڑا خطرہ بھی ٹالا جا سکتا ہے۔ تم نے مشکل اور مصیبت میں اپنی ذہانت کو استعمال کیا اور اپنی جان بچائی۔ مجھے امید ہے آئندہ بھی تم اسی طرح ذہانت سے کام لو گے۔''

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دُوسری خواہش

اچانک میرے دل میں ایک عجیب وغریب خواہش پیدا ہوئی۔اس سے پہلے ایسی خواہش کے بارے میں، میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔میں اپنی سوچ پر تھوڑا حیران بھی ہوئی کہ یہ مجھے کیا ہوا ہے۔پہلے تو کبھی میں نے تصور میں بھی ایسی خواہش نہیں کی تھی۔

میں اس وقت لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔عمران اور فیضان لان کی سبز گھاس پر کرکٹ کھیل رہے تھے۔میں بھی ان کے ساتھ کھیل میں شامل ہوگئی۔جب گیند میری جانب آتی تو میں اسے منہ میں دبا کر بالر کے حوالے کردیتی۔آپ ٹھیک سمجھے! میں ایک بلی ہوں،مگر بہت اعلیٰ نسل کی،بہت قیمتی۔

میں بہت چھوٹی سی تھی جب ناصر صاحب کے ایک دیرینہ دوست نے مجھے تحفہ میں دیا تھا۔

اس وقت میں کچھ بھی نہیں سمجھتی تھی۔میں نے اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ناصر صاحب بہت امیر آدمی تھے۔ان کے کئی بڑے بزنس تھے۔گھر میں دولت کی ریل پیل تھی۔کئی ملازم وہاں کام کرتے تھے۔ان کے دونوں بچے عمران اور فیضان مجھے پاکر بہت خوش ہوئے تھے۔وہ ہر وقت میرے ساتھ کھیلتے رہتے تھے اور بہت سی باتیں اور کھیل سکھانے کی کوشش کرتے تھے۔شروع شروع میں تو مجھے ان کی کوئی بات،حرکت یا اشارے سمجھ میں نہیں آتے تھے۔مگر جیسے جیسے میں بڑی ہوتی گئی ان کی باتیں اور اشارے سمجھ آنے لگے اور اب تو میں بہت سے اشارے اور باتیں باآسانی سمجھ لیتی تھی۔

عمران اور فیضان نے میرا نام مانو رکھا تھا۔کوئی بھی میرا نام لے کر پکارتا تو میں چونک کر اسے دیکھتی اور سمجھ جاتی کہ اس نے مجھے بلایا ہے۔ناصر صاحب کے گھر کام کرنے والا ملازم فضلو ہر دوسرے روز مجھے نہلاتا۔مجھے کھانے کو بہت اچھی غذا ملتی تھی جو عام دکانوں پر دستیاب نہیں تھی۔شہر کے بڑے ڈپارٹمنٹل اسٹورز یا سپر اسٹورز ہی سے ملتی تھی۔وہ خالصتاً بلیوں کی غذا ہوتی تھی اور بیرون ملک سے منگوائی جاتی تھی۔

فیضان اور عمران سیر کرنے کے لئے شام میں اپنے والد یا ڈرائیور کے ساتھ نکلتے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

''یہ چڑیا گھر ہے۔۔۔ہم کسی دن تمہیں یہاں لے کر آئیں گے۔۔۔۔ادھر بہت سارے جانور پنجرے میں ہوتے ہیں۔''وہ مجھے بتاتے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''اب دیکھو یہ جو سیدھی سڑک جا رہی ہے نا۔۔۔۔ یہ ہمارے گھر کی طرف ہی جاتی ہے۔اسے یاد کرلو اور اچھی طرح پہچان لو۔۔۔اگر کبھی راستہ بھٹک جاؤ تو اسی سڑک سے گھر آجانا۔''

عمران اور فیضان کی باتیں سن کر ڈرائیور مسکراتا رہتا۔ مجھے بھی ان دونوں کی باتیں بہت بھلی لگتیں۔اب میں ان سے بلکہ ان کے گھر کے ہر فرد سے بہت مانوس ہو گئی تھی۔خاص طور پر یہ دونوں بچے بہت اچھے تھے۔میرا بہت خیال رکھتے تھے اور وہ فضلو بھی بہت اچھا تھا۔وہ بھی تو میرا اتنا خیال رکھتا ہے۔مجھے نہلاتا ہے۔میرے لئے مخصوص تولیے سے میرے بال خشک کرتا ہے۔میرے بالوں میں برش بھی کرتا ہے۔میرے گلے میں انتہائی خوبصورت اور قیمتی گھنٹی باندھی ہوئی تھی۔اس پر انگریزی میں میرا نام بھی لکھا تھا۔بچوں کی فرمائش پر ناصر صاحب نے وہ گھنٹی آرڈر پر بنوائی تھی۔غرض یہ کہ میری زندگی بڑے مزے میں کٹ رہی تھی۔ مجھے یہاں ہر طرح کی آزادی تھی۔ میں پورے گھر میں گھومتی پھرتی تھی۔باہر سیر کے لئے بھی جاتی تھی۔بہترین غذا ملتی تھی۔نخرے اٹھانے کے لئے ملازم موجود تھے۔میں اپنی زندگی سے خوش تھی۔ جب کبھی میں گاڑی میں باہر نکلتی تو بلیاں بڑی حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتی تھیں۔ مجھے اپنی قسمت پر رشک آنے لگتا۔ان بے چاری بلیوں کی حالت دیکھنے کے لائق ہوتی تھی۔گندی سندی اور کمزور ہوتی تھیں۔ہر وقت غذا کی تلاش میں اِدھر اُدھر ماری ماری پھر رہی ہوتی تھیں۔جہاں رات ہوئی وہیں سو گئیں۔جس نے چاہا! انہیں پتھر مار دیا۔عجیب زندگی تھی بے چاریوں کی۔اس لحاظ سے میں اپنی خوش حال زندگی پر فخر کرنے کا سو فیصد حق دار تھی۔مگر۔۔۔۔اس روز کے بعد میری دنیا بدل گئی۔جس روز میرے دل میں وہ خواہش پیدا ہوئی۔

عمران اور فیضان کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھے میں ایک طرف بیٹھی ہوئی تھی۔میں اس انتظار میں تھی کہ جیسے ہی گیند میری طرف آئے تو میں اسے چوکے پر جانے سے روکوں۔اسی وقت میری نظریں مین گیٹ کی جانب اٹھ گئیں۔چوکیدار نے دروازہ کھولا تھا اور فضلو ٹوکری میں سبزی لئے اندر داخل ہوا تھا۔نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ خواہش ابھری کہ کاش میں بھی انسان ہوتی۔

میں فضلو کو مزید دلچسپی اور غور سے دیکھنے لگی۔

اس کا چلنا مجھے اچھا لگ رہا تھا۔وہ کتنے مزے اور آرام سے دو ٹانگوں پر چلتا ہوا آ رہا تھا۔کاش! میں بھی انسان ہوتی تو ایسے ہی دو ٹانگوں پر چلتی، فضلو عمارت کے دروازے پر آ کر دوسرے ملازم سے باتیں کرنے لگا۔اس کے بات کرنے کا انداز، اس کا ہنسنا، مسکرانا، ہاتھ ہلانا سب اچھا لگ رہا تھا۔

اسی وقت فیضان کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

''مانو۔۔بال پکڑو۔۔۔۔چوکا نہ ہونے پائے'' مگر میرا دھیان فضلو کی جانب تھا اور گیند میرے برابر سے گزرتی ہوئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چوکے پر چلی گئی۔عمران نے خوشی سے ''چوکا'' کا نعرہ لگایا۔وہ فیضان سے جیت گیا تھا۔

فیضان میرے پاس آیا اور ناراض لہجہ میں بولا۔

''کدھر دھیان تھا تمہارا۔۔۔؟چوکا ہو گیا نا۔۔۔اگر تم یہ بال پکڑ لیتیں تو میں میچ نہیں ہارتا۔''

میں نے شرمندہ ہو کر گردن جھکالی،فیضان کو مجھ پر پیار آ گیا۔وہ محبت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''چلو اچھا کوئی بات نہیں۔۔۔۔ہار جیت تو ہوتی ہی رہتی ہے۔''

وہ خواہش ابھرنے کے بعد میں ہر وقت خیالوں میں کھوئی کھوئی رہنے لگی تھی اور تصور ہی تصور میں اپنے کو فضلو جیسا انسان بنا دیکھتی تھی۔دو پیروں سے چلتا،باتیں کرتا،ہنستا اور مسکراتا ہوا۔وقت کے ساتھ ساتھ میری یہ خواہش بڑھتی چلی گئی۔اب کسی کھیل میں،کسی بات میں میرا دل نہیں لگتا تھا۔سیر کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا،حتیٰ کہ میں نے کھانا پینا بھی کم کر دیا تھا۔بہت جلد میری ان تبدیلیوں کو گھر والوں نے محسوس کر لیا۔

''میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ مانو سست سی ہو گئی ہے۔کمزور بھی بہت ہو رہی ہے۔کیا ہو گیا ہے اسے؟''ناصر صاحب نے اخبار میز پر رکھتے ہوئے کہا۔اس وقت وہ لوگ لان میں شام کی چائے پی رہے تھے۔عمران اور فیضان بھی موجود تھے۔ان کی امی جان بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔

''ہاں۔۔۔ٹھیک کہہ رہے ہیں۔آپ۔''بیگم صاحبہ نے تائید کی۔

''یہ بات تو میں بھی نوٹ کر رہی ہوں۔''

''ڈیڈی۔۔۔اب مانو ہمارے ساتھ کھیلتی بھی نہیں ہے۔بس چپ چاپ ایک طرف بیٹھی رہتی ہے۔''عمران نے کہا۔

''بیماری تو نہیں ہو گئی ہے۔۔۔؟''ناصر صاحب نے تشویش زدہ لہجہ میں کہا اور پھر گردن گھما کر فضلو کو آواز دی۔

''فضلو۔۔۔ادھر آؤ''فضلو پھرتی سے ان کے قریب آ کھڑا ہوا۔''جی صاحب۔''

''یہ مانو کو کیا ہو گیا ہے۔۔۔بیمار تو نہیں ہو گئی یہ۔۔۔؟''ناصر صاحب نے اس سے سوال کیا۔

''پتا نہیں صاحب!میں خود پریشان ہوں۔۔۔ہو سکتا ہے بیمار شیمار ہو گئی ہو۔''فضلو نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو تم کس مرض کی دوا ہو؟''ناصر صاحب نے سخت لہجے میں کہا۔''ہم تمہیں تنخواہ کس بات کی دیتے ہیں۔اگر یہ بیمار ہے تو پھر اسے جانوروں کے ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤ۔''

''جی صاحب ابھی لے جاتا ہوں۔''بے چارے فضلو کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔مجھے فضلو پر ترس آنے لگا۔بے چارے کو خواہ مخواہ میری وجہ سے ڈانٹ پڑ گئی تھی۔یہ دیکھ کر میں اپنی جگہ سے اٹھی اور لان میں دوڑتی ہوئی چھلانگیں مارنے لگی،مجھے جیتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کودتے دیکھ کر فیضان اور عمران میرے ساتھ کھیلنے لگے۔

''ارے واہ۔۔۔ یہ تو ٹھیک ہوگئی۔۔۔ڈیڈی یہ دیکھیں مانو تو بالکل ٹھیک ہے۔۔۔اسے کچھ نہیں ہوا ہے۔'' فیضان نے چلا کر بتایا۔

''اوہو۔۔۔واقعی۔۔۔اس کا مطلب ہے کہ مانوں ایسے ہی بن رہی تھی۔'' بیگم صاحبہ نے مسکرا کر کہا۔ ناصر صاحب نے فضلو کی طرف دیکھا اور روکھے لہجے میں بولے۔

''اچھا۔۔۔ٹھیک ہے۔۔تم جاؤ۔'' یہ کہہ کر انہوں نے دوبارہ اخبار پڑھنا شروع کر دیا۔

عمران بھاگ کر اندر سے پلاسٹک کی فٹ بال لے آیا اور اس کے ساتھ فٹ بال کھیلنے لگا۔ ناصر صاحب اور بیگم صاحبہ چائے پینے کے ساتھ ساتھ باتیں کرتے جا رہے تھے۔ اخبار ناصر صاحب کے ہاتھ ہی میں تھا۔

ایک موقع پر عمران نے فٹ بال پر زوردار کک لگائی۔ میں اسے روکنے کے لئے دوڑ کر زور سے اچھلی مگر میں اس بات کا دھیان نہ رکھ سکی کہ میرا رخ ٹیبل کی جانب ہے۔ اگلے ہی لمحہ میں ٹیبل پر رکھے ہوئے کانچ کے نازک اور قیمتی برتنوں سے جا ٹکرائی۔ میرے جسم کی لپیٹ میں آ کر سارے برتن نیچے جا گرے۔ ان میں سے زیادہ تر ٹوٹ گئے تھے۔ چند ایک کپ ہی ٹوٹنے سے بچے۔

''ارے۔۔۔ارے۔۔۔یہ۔۔۔کیا کر دیا۔۔۔اُف۔۔۔سارے قیمتی برتن ٹوٹ گئے۔'' بیگم صاحبہ گھبرا کر کھڑی ہوگئیں۔ ان کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

''چلیں۔۔۔ٹھیک۔۔۔ہے۔۔۔ٹوٹ گئے تو ٹوٹ گئے۔۔۔اور آجائیں گے۔۔۔اس نے جان بوجھ کر تو نہیں توڑے ہیں۔۔۔کھیل میں نقصان بھی ہو جاتا ہے، چیزیں ٹوٹ بھی جاتی ہیں۔'' ناصر صاحب نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

برتن ٹوٹنے کی آوازیں سن کر فضلو بھی آ گیا تھا۔ ''اے فضلو۔۔۔کھڑے کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ اٹھاؤ یہ کانچ کے ٹکڑے۔۔۔کہیں کسی کا پیر زخمی نہ ہو جائے۔ فوراً سمیٹو۔'' ناصر صاحب نے فضلو کو حکم دیا۔ حکم کا بندہ بے چارہ فضلو جلدی جلدی ٹوٹے ہوئے برتنوں کے ٹکڑے اٹھانے لگا۔

''اور سنو۔۔کل سے مانو کی خوراک اچھی ہونی چاہئے۔۔۔اسے زبردستی کھلانا تمہارا کام ہے۔ اسے دو دن کے اندر پہلے جیسے صحت مند ہو جانا چاہئے۔'' ناصر صاحب نے نیا حکم فرما دیا۔

فضلو ٹکڑے سمیٹتے ہوئے بے چارگی سے سر ہلانے لگا۔

مگر اگلے روز ہی ایک نیا ماجرا پیش آ گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ناصر صاحب کاروباری سلسلے میں دوسرے ملک جارہے تھے۔ان کی تیاریاں مکمل تھیں۔ سب لوگ ایئرپورٹ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

اتنے میں فضلو کچھ سامان لئے اندر داخل ہوا۔اس کے ہاتھ میں خوبصورت سا بریف کیس بھی تھا۔جب وہ سامان رکھنے لگا تو پتا نہیں کیا ہوا کہ بریف کیس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کارپٹ پر گر گیا۔اس نے بریف کیس پکڑنے کی کوشش کی، اس کوشش میں اس کا ہاتھ میز پر رکھے گلدان سے ٹکرایا اور نازک شیشے کا گلدان نیچے گر کر چکنا چور ہو گیا۔

''اتنا قیمتی گلدان توڑ ڈالا۔ اندھا ہو گیا ہے کیا؟ نشہ کرنے لگا ہے تو۔ ہاتھ پیر قابو میں نہیں ہوتے تیرے۔'' ناصر صاحب ایک دم بگڑ گئے۔

ساتھ ساتھ وہ فضلو کو لاتیں اور گھونسے بھی مارتے جارہے تھے۔فضلو بلبلاتے ہوئے ہاتھ جوڑ رہا تھا۔عمران اور فیضان سہمے ہوئے ایک طرف کھڑے تھے۔ دونوں کے چہرے اُتر گئے تھے۔ باقی ملازمین میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ناصر صاحب کو روکتے۔بیگم صاحبہ نے آ کر انہیں روکا۔

''کیا کر رہے ہیں، چھوڑ دیں۔۔۔دفع کریں اسے۔۔اس کی تنخواہ میں سے پیسے کاٹ لیں گے۔۔آپ اپنا موڈ کیوں خراب کر رہے ہیں؟''

''جا دور ہو جا میری نظروں کے سامنے سے۔۔۔دو کوڑی کے انسان۔'' ناصر صاحب نے چلا کر کہا۔فضلو بے چارہ کراہتا ہوا وہاں سے اٹھا اور دھیرے دھیرے ڈرائنگ روم سے باہر نکل آ گیا۔

ناصر صاحب چلے گئے۔ ان کے بچے اور بیگم صاحبہ انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے گئے تھے۔ گھر میں صرف ملازمین تھے۔میں اپنی جگہ سے اٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس جگہ آئی جہاں فضلو بیٹھا کراہ رہا تھا۔اس نے مار کھائی تھی، ایک معمولی گلدان کیلئے، چاہے وہ کتنا ہی قیمتی کیوں نہ ہو مگر ایک انسان کی عزت سے زیادہ قیمتی تو نہیں تھا ناں۔

یہی وہ لمحہ تھا کہ اچانک ہی میرے دل میں دوسری خواہش بیدار ہوئی، بالکل اسی طرح جس طرح پہلی خواہش پیدا ہوئی تھی۔

''کاش میں انسان ہوتی مگر فضلو جیسا انسان نہ ہوتی۔ یہ تو مجھ سے بھی زیادہ گیا گزرا ہے۔ایسی تذلیل جانوروں کی بھی نہیں ہوتی جیسی اس کی ہوئی ہے۔مجھ سے بھی تو نقصان ہوا تھا، میں نے بھی تو قیمتی برتن توڑے تھے مگر ناصر صاحب نے مجھے کچھ نہ کہا، نہ ہی مارا پیٹا۔فضلو نے ایک گلدان کیا توڑا کہ اس پر ظلم ڈھا دیا گیا۔فضلو جیسا انسان بننے سے بہتر تو یہی ہے کہ میں جانور رہوں۔''

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جادوگر کا انجام

جب ویگ سے چیومین کی دوستی ہوئی تو چیومین نے اُسے اپنی سرزمین کے جو قصے سنائے وہ انہیں سن کر دنگ رہ گیا۔ اور اُسے یہ شوق پیدا ہوا کہ چیومین کی دُنیا کو دیکھ لے۔

دراصل چیومین کا تعلق ایک جادوئی سرزمین سے تھا۔ چنانچہ ویگ نے پوچھا۔ ''تو کیا میں بھی اس میں داخل ہو سکتا ہوں''۔

''کیوں نہیں۔ تم اس میں آ کر مجھ سے ملاقات کر سکتے ہو''۔ چیومین نے کہا اور پھر اس نے اپنی انگلی سے ایک انگوٹھی نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ لو جب بھی تم اس میں آنا چاہو تو تم اس انگوٹھی کے ہیرے کو انگلی سے مسل دینا۔ اس طرح تم میرے پاس آ جاؤ گے''۔ وہ یہ انگوٹھی دے کر غائب ہو گیا۔

تین چار دن گزرنے کے بعد ویگ کو اس دنیا میں داخل ہونے کی سوجھی، اس نے انگوٹھی کے ہیرے کو انگلی سے گھسا۔ ہیرے کے گھستے ہی ویگ ایک دلفریب دنیا میں پہنچ گیا۔ اس کے سامنے ایک بڑا تالاب، پیچھے بڑے بڑے پہاڑ اور دونوں طرف گھاس کے بڑے بڑے میدان اور درخت وغیرہ تھے۔ اس کے قریب ایک چھوٹا سا پہاڑ تھا جس میں ایک غار بے حد روشن تھا۔ چیومین نے بتایا تھا کہ وہ اسی غار میں رہتا ہے۔ ہر طرف ہرے ہرے درخت، پہاڑی چوٹیوں اور وسیع تالاب کو دیکھ کر وہ کچھ دیر کھو سا گیا اور پھر اسے خیال آیا کہ اسے چیومین سے ملنا ہے۔ چنانچہ اس غار کے قریب گیا اور چیخ کر چیومین سے پوچھا۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں''۔

''بے شک تم اندر آ سکتے ہو''۔ اندر سے آواز آئی اور وہ غار میں داخل ہو گیا۔ اندر بڑے بڑے چمکدار ہیرے اور سونے کے بنے ہوئے زیورات پڑے ہوئے تھے جن کی چمک سے ویگ کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ چیومین نے ویگ کو عمدہ کھانا کھلایا۔ کھانے کے بعد ویگ نے جانے کے لئے کہا تو چیومین نے ویگ سے کہا۔ ''میں تمہارے کمرے میں اشرفیوں اور چاندی کے سکوں کے دس دس تھیلے بھیج دیتا ہوں''۔ چیومین نے ویگ کو الوداع کہا اور ویگ نے انگوٹھی کے ہیرے کو مسل کر آنکھیں بند کر لیں، چند لمحوں کے بعد آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اپنے مکان کے کمرے میں پایا۔

اس نے دیکھا کہ کمرے کے کونے میں بیس تھیلے ہیں جو اشرفیوں اور چاندی کے سکوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اتنی قدر دولت پا کر ویگ بہت خوش ہوا۔ اب اس نے یہ سوچا کہ اسے بھی جادوگر بننا چاہیے۔ چنانچہ وہ اپنے عہدے سے استعفیٰ دے کر اپنا کچھ سامان لے کر دوسرے ملک چلا گیا۔ جہاں اس نے ایک خوبصورت مکان بنوایا اس مکان میں ایک خفیہ تہہ خانہ بنایا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جہاں چیو مین کی رہنمائی میں وہ جادوئی عمل سیکھا کرتا تھا۔ اس کام سے اسے فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ وہ پندرہ دن یا مہینہ میں ایک مرتبہ گھر سے باہر نکلتا تھا۔ اس ملک کے لوگ اس پر ذرا شبہ کرنے لگے۔ لوگوں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ یہ اتنے دن کہاں غائب رہتا ہے۔ کچھ لوگوں کو پتا چل گیا تھا کہ وہ جادو سیکھ رہا ہے۔

یانگ ہی (ایک جادوگر) کو اس بات کی خبر ہوئی تو اسے بہت غصہ آیا۔ اسے یہ بات برداشت نہ تھی کہ اس کی موجودگی میں کوئی اور جادوگر بنے۔ وہ بے حد ظالم اور جابر جادوگر تھا۔ اس نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ وینگ کو گرفتار کر کے اس پر بے حد ظلم کریں۔ چنانچہ وینگ کو گرفتار کر لیا گیا اور اس پر بے حد ظلم ڈھائے گئے۔ ملازمین نے وینگ کی ساری دولت لوٹ کر یانگ ہی کے سامنے پیش کی۔ وینگ نے اس ننھے سے ڈبے اور جادوئی انگوٹھی کو خود سے جدا نہ کیا۔ قید خانے میں اس نے انگوٹھی کے ہیرے کو رگڑا اس طرح وینگ کی ملاقات چیو مین سے ہو گئی۔ اس نے چیو مین کو اپنی ساری داستان سنائی جس پر چیو مین کو بہت غصہ آیا۔ وہ بولا "میں اس نالائق کو درست کر دوں گا چلو تم میرے ساتھ آؤ"۔

یہ کہہ کر تین مرتبہ چیو مین منہ میں کچھ بڑبڑایا۔ اب وہ ایک اژدھے میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس کے قریب چھ اونچے قد کے سپاہی کھڑے تھے جن کا لباس چیتے کی کھال کا تھا۔ جیسے ہی وہ دونوں دروازے پر پہنچے تو دروازہ خود بخود کھل گیا، وہ چلتے ہوئے ٹھیک یانگ ہی کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ وہاں انہوں نے یانگ ہی کو سوتا ہوا پایا۔ اس کے جاگنے سے پہلے چیو مین نے جادوئی عمل سے اس کو بدصورت بندر میں تبدیل کر دیا۔ پھر اژدھے نے اپنی آگ اگلتی سانس کے ذریعے سے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔ بدصورت بندر (یانگ ہی) غصے سے اژدھے پر پھر جھپٹا لیکن وہ اپنے آپ کو بالکل بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اس کی ساری طاقت جادوئی عمل کے ذریعے سے ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا تھا۔

چیو مین نے یانگ ہی سے کہا۔ "ظالم اور بے وقوف یانگ ہی! تم نے وینگ کے ساتھ جیسا سلوک کیا ہے تم اس کی سزا پا رہے ہو، کل جب تمہارے ملازمین اس محل میں آئیں گے تو وہ تمہیں بندر سمجھ کر بھوکا مار ڈالیں گے۔ اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو تو وینگ کی ساری دولت واپس کر دو"۔

یانگ ہی نے چیو مین سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا اور وینگ کے سونے اور چاندی کے سکے واپس کر دے گا۔ چیو مین نے جادو کے ذریعے سے یانگ ہی کو انسان کی شکل میں تبدیل کر دیا۔

دوسرے دن یانگ ہی نے سارے سونے اور چاندی کے سکے وینگ کے حوالے کیے اور وینگ نے اس دولت کو غریبوں میں تقسیم کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مینڈک شہزادہ

ملک فارس پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ بادشاہ بڑا نیک اور رحم دل تھا۔ بادشاہ کا نام ابوالحسن تھا۔ اس کی ایک بہت خوبصورت بیٹی تھی جس کا نام شہزادی منیرہ تھا۔

شہزادی منیرہ کی عمر اس وقت بیس سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ اپنے باپ کی لاڈلی بیٹی تھی۔ شہزادی کو گیند سے کھیلنے کا بہت شوق تھا۔

شہزادی روزانہ شام کے وقت گیند لے کر محل کے نیچے باغ میں چلی جایا کرتی تھی اور شام گئے اکیلی ہی گیند سے کھیلتی رہتی تھی۔ اور جب شام ہو جایا کرتی تو واپس محل آیا کرتی تھی۔

ایک شام وہ اپنی گیند کے ساتھ باغ میں کھیل رہی تھی کہ اچانک گیند اچھل کر تالاب میں جا گری۔ شہزادی اپنی گیند کے تالاب میں گر جانے کی وجہ سے کچھ پریشان سی ہو گئی۔

تالاب بہت گہرا تھا۔ شہزادی تالاب کے کنارے بیٹھ کر رونے لگی اور کافی دیر تک وہ بیٹھی روتی رہی۔

اچانک تالاب کے اندر سے ایک مینڈک نے سر نکالا اور کنارے پر آ کر بولا۔ ”میری اچھی شہزادی! تم کیوں رو رہی ہو“۔

شہزادی نے روتے ہوئے کہا۔ ”میرے اچھے مینڈک! میری گیند اس تالاب کے اندر گر گئی ہے۔ اور اگر تم میری گیند لا کر دے دو تو تمہاری بڑی مہربانی ہوگی“۔

مینڈک نے کہا۔ ”میری اچھی شہزادی رو ؤ مت۔ میں ابھی لا کر تمہاری گیند دیتا ہوں۔ مگر ایک شرط ہے“۔

شہزادی جھٹ بولی۔ ”مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔ بولو تمہاری کون سی شرط ہے؟“

”اگر میں تمہاری گیند لا کر دوں تو کیا تم میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا پسند کرو گی“؟

شہزادی جھٹ بولی۔ ”میرے اچھے مینڈک۔۔۔۔ مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔ تم میری گیند لا دو۔ تو میں تمہاری خواہش پوری کروں گی“۔

مینڈک نے پانی میں غوطہ لگایا اور چند منٹوں کے بعد شہزادی کو گیند لا کر دے دی۔

جب شہزادی جانے لگی تو مینڈک نے وعدہ یاد دلایا۔ ”میری اچھی شہزادی میری شرط یاد رکھنا۔ تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھاؤں گا“۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شہزادی جو اپنی گیند پا کر بہت خوش تھی جواب دیئے بغیر ہی محل کی طرف بھاگ گئی۔

اسی طرح کچھ روز گذر گئے۔ایک دن شہزادی اپنے والدین کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی کہ اچانک ایک کرسی پر مینڈک اچھل کر بیٹھ گیا۔

شہزادی نے نفرت سے مینڈک کی طرف دیکھا۔"یہ گندا مینڈک یہاں پر کیسے آ گیا"؟

بادشاہ اور ملکہ دونوں شہزادی کی طرف متوجہ ہو گئے۔بادشاہ نے شہزادی سے پوچھا۔"کیا بات ہے بیٹی"؟

شہزادی نے کہا۔"ابا حضور! نہ جانے یہ گندا مینڈک کہاں سے آ گیا"۔

پھر شہزادی نے نوکر کو حکم دیا۔"اسے باہر اٹھا کر پھینک دو"۔

نوکر نے جیسے ہی مینڈک کو اٹھا کر باہر پھینکنا چاہا۔مینڈک نے جلدی سے کہا۔"ذرا ٹھہرو"۔

نوکر نے مینڈک کو باتیں کرتے دیکھا تو ایک دم ڈر کے مارے پیچھے ہٹ گیا۔اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

مینڈک نے شہزادی سے کہا۔

"شہزادی صاحبہ کیا تم اپنی شرط بھول گئی ہو جو تم نے مجھ سے لگائی تھی"۔

شہزادی نے غصہ سے مینڈک کی طرف دیکھا۔اور پھر طیش میں آ کر بولی۔

"شرط۔۔۔کون سی شرط۔۔۔۔۔۔؟تم جھوٹ بول رہے ہو"۔

بادشاہ نے مینڈک سے پوچھا۔

"کون سی شرط' ہمیں بتاؤ۔۔۔۔؟"

مینڈک نے کہا۔"بادشاہ سلامت ایک شام جب شہزادی باغ میں گیند سے کھیل رہی تھی کہ اچانک اس کی گیند تالاب میں گر گئی۔شہزادی تالاب کے کنارے بیٹھ کر رونے لگی تو میں نے اس کی گیند نکال کر دی۔اس وقت شہزادی نے ایک وعدہ ... سے کیا تھا۔جس سے اب یہ صاف مکر گئی ہے"۔

بادشاہ نے پوچھا۔

"کون سا وعدہ۔۔۔اُس وعدے کے بارے میں ہمیں بھی کچھ بتاؤ"۔

مینڈک نے کہا۔

"شہزادی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے گی"۔

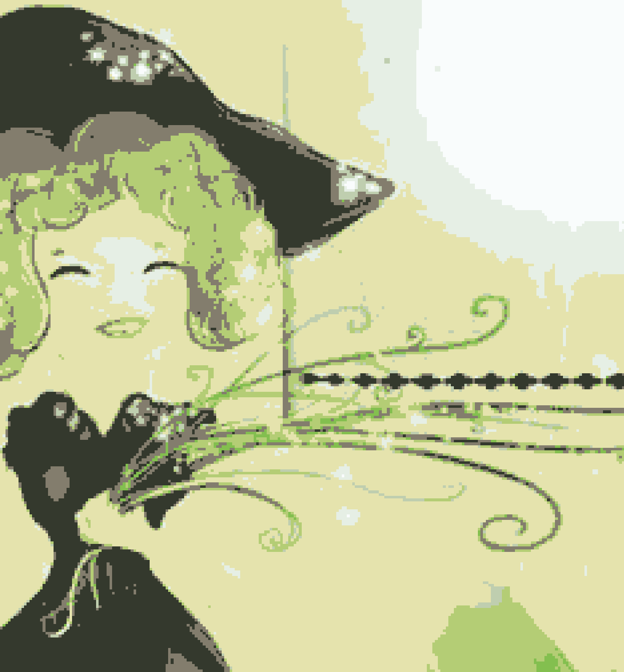

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بادشاہ نے پوچھا۔

''کھانا کھائے گی۔۔۔۔؟''

''جی ہاں بادشاہ سلامت۔یہی وعدہ کیا تھا مجھ سے۔''

''تم سے وعدہ کیا تھا۔۔۔۔۔؟'' بادشاہ کے لہجے میں نرمی تھی۔

شہزادی نے غصہ سے کہا۔

''میں نے کسی سے وعدہ نہیں کیا تھا۔یہ بکواس کرتا ہے۔سراسر جھوٹا ہے۔''

بادشاہ نے کہا۔

''بیٹی اگر تم نے وعدہ کیا ہے تو تمہیں اپنا وعدہ پورا کرنا چاہئے۔وعدہ کر کے وعدہ پورا نہ کرنا بری بات ہے۔پھر خدا بھی ایسے لوگوں سے ناراض ہوتا ہے۔''

''مگر ابا حضور میں نے کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا۔'' شہزادی روہانسی ہو کر بولی۔

''نہیں بیٹی۔۔۔۔تم نے وعدہ کیا ہے اب تمہیں چاہئے کہ اپنا وعدہ پورا کرو۔'' باشاہ سمجھ گیا تھا کہ اب شہزادی اپنے وعدے سے مکر رہی ہے۔

شہزادی نے غصہ سے بادشاہ کی طرف دیکھا اور اپنا پاؤں پٹختی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔مینڈک نے دیکھا تو وہ بھی کرسی سے اچھل کر شہزادی کے پیچھے پیچھے پھدکتا ہوا اس کے کمرے کی طرف چلا گیا۔شہزادی اپنی مسہری پر غصہ میں بھری ہوئی بیٹھی تھی۔اُسے مینڈک پر بہت غصہ آ رہا تھا۔

مینڈک نے کہا۔

''میری اچھی شہزادی کیا تم مجھ سے ناراض ہو گئی ہو؟ آخر میری خطا کیا ہے؟''

شہزادی نے غصے سے کہا۔

''کیا تم مجھے پریشان کرنے کیلئے یہاں بھی آ گئے ہو۔چلے جاؤ یہاں سے۔میری نظروں سے دُور ہو جاؤ۔''

مینڈک نے کہا۔''شہزادی تم بہت مغرور ہو۔میں تم سے شادی کروں گا۔''

شہزادی غصہ سے چیخ پڑی۔''تو مجھ سے شادی کرے گا۔''

''ہاں شہزادی صاحبہ میں تم سے شادی کروں گا۔یہ میری ضد ہے۔'' مینڈک بولا۔

''اونہہ۔۔۔۔'' شہزادی نے غصے سے اپنا ہاتھ مینڈک کی طرف بڑھایا اور پھر زور سے مینڈک کو زمین پر پٹخ دیا۔مگر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شہزادی کو یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ مینڈک کی جگہ ایک خوبصورت شہزادہ کھڑا مسکرا رہا ہے۔

شہزادے نے کہا۔ ''گھبرائیے نہیں شہزادی صاحبہ میں مینڈک نہیں ہوں۔ دراصل مجھے ایک جادوگر نے انسان سے مینڈک بنا دیا تھا اور کہا تھا کہ جب کوئی تمہیں زمین پر پٹخے گا تو تم اپنی اصلی شکل میں آ جاؤ گے۔ پھر جادوگر نے مجھے اس تالاب میں ڈال دیا۔ تمہاری بڑی مہربانی ہے کہ تم نے مجھے مینڈک سے انسان بنا دیا ہے۔''

بادشاہ نے پوچھا۔ ''بیٹی یہ کون ہے؟''

شہزادی نے ساری کہانی سنائی اور مینڈک کی حقیقت سے انہیں آگاہ کر دیا۔

بادشاہ اور ملکہ دونوں بہت خوش ہوئے۔ پھر بادشاہ اور ملکہ نے شہزادی کی شادی شہزادے سے کر دی اور شہزادہ اپنی شہزادی کو لے کر اپنے ملک روانہ ہو گیا۔ کیونکہ شہزادہ اپنے والدین سے ملنے کے لئے بے چین تھا۔

سبق: آدمی جب کسی سے وعدہ کرے تو پھر اس کا فرض ہے کہ اپنے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرے۔ کیونکہ اپنے وعدے کی پاسداری بہت ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کون بنے گا بادشاہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ کے تین بیٹے تھے۔ تینوں ہی بہت نیک اور سلیقہ مند تھے۔ لیکن چھوٹا بیٹا باقی دونوں سے زیادہ عقل مند اور ذہین تھا۔ وہ اپنی ذہانت سے بہت سے اچھے فیصلے کر دیا کرتا تھا۔ جس سے بادشاہ کے ساتھ ساتھ تمام درباری بھی داد دیئے بغیر نہ رہتے تھے۔

بادشاہ اب بوڑھا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ جلد از جلد اپنی سلطنت اپنے بیٹوں کے ہاتھوں میں دینا چاہتا تھا تا کہ وہ اپنی باقی زندگی ذکرِ الٰہی میں گزار دے۔ اصولاً تو اسکے بڑے بیٹے نے ہی بادشاہ بننا تھا لیکن بادشاہ چاہتا تھا کہ اس کے باقی دو بیٹوں کے ساتھ بھی کوئی ظلم نہ ہو، وہ یہ سوچ کر پریشان ہو جاتا تھا کہ باقی دو بیٹوں کے ساتھ وہ کس طرح انصاف کرے۔ آخر وزیر نے پوچھا کہ آپ کو کیا غم ہے؟ آپ پریشان کیوں رہتے ہیں۔"

وزیر کے پوچھنے پر بادشاہ نے بتایا کہ وہ اب اپنے بیٹوں کو بادشاہ بنانا چاہتا تھا۔ اصولاً تو اس کے بڑے بیٹے نے ہی بادشاہ بننا ہے لیکن میں یہ سوچ کر پریشان ہو جاتا ہوں کہ باقی دونوں بیٹے کہیں گے کہ ابا جان نے ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

وزیر نے کہا۔ "بادشاہ سلامت آپ پریشان مت ہوں۔ میرے خیال میں تینوں شہزادوں کو کسی آزمائش سے گزاریں، اس آزمائش میں جو کامیاب ہو، اسے بادشاہ بنا دیں"۔ بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ لیکن اس نے کہا کہ وہ آزمائش کیا ہوگی۔

وزیر نے کہا۔ "بادشاہ سلامت مجھے آپ کل تک کی اجازت دیں، میں وہ ترکیب سوچ لوں گا اور آپ کو کل صبح آ کر بتا دوں گا۔ وزیر ساری رات سوچتا رہا۔ آخر وہ ترکیب سوچ کر مطمئن ہو کر سو گیا۔ صبح جب وزیر نے بادشاہ کو ترکیب بتائی تو بادشاہ سن کر بہت خوش ہوا اور وزیر کو مالا مال کر دیا۔

منصوبے کے مطابق بادشاہ نے تینوں شہزادوں کو بلایا اور کہا "میں اب بوڑھا ہوتا جا رہا ہوں اور اپنی باقی زندگی ذکر الٰہی میں وقف کر دینا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی ایک بادشاہ بنے۔ لیکن بادشاہ بننے کے لئے تم سب کو ایک آزمائش سے گزرنا ہوگا"۔

بادشاہ نے کہا "میں تم تینوں کو ایک ہزار اشرفیاں دوں گا جس سے تم لوگوں نے میرے لئے ایک ایسی چیز خریدنی جس کا فائدہ مجھے اب بھی ہو اور بعد میں بھی۔"

تینوں بیٹوں نے کہا۔ "ابا جان وہ ایسی کون سی چیز ہے؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بادشاہ نے کہا "یہ تم لوگ اپنی عقل سے سوچو تم لوگوں کے پاس تین دن ہیں۔ تم لوگ ابھی اپنی منزل پر روانہ ہو جاؤ"۔

پھر بادشاہ نے تینوں کو ایک ہزار اشرفیاں دیں اور منزل پر روانہ کر دیا۔

بڑا شہزادہ مختلف بازاروں میں پھرتا رہا۔ آخر اس نے ایک ہیرے کی دکان دیکھی۔ ہیروں کو دیکھ کر وہ چندھیا گیا اور بے اختیار دکان میں داخل ہو گیا اور دکان دار کو مختلف ہیرے دکھانے کو کہا جس میں سے شہزادے کو ایک ہیرا پسند آ گیا۔ جب شہزادے نے مالیت پوچھی تو اس نے کہا ایک ہزار اشرفیاں۔ بڑا شہزادہ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور دکاندار سے ہیرا لے کر واپس آ گیا اور تیسرے دن کا انتظار کرنے لگا۔

دوسرے شہزادے بھی ایسے ہی پھرتے رہے۔ منجھلے شہزادے کو اچھی اور مضبوط تلواریں بہت پسند تھیں۔ سو وہ دکان پر گیا جہاں اس نے ایک سونے کی تلوار دیکھی۔ شہزادے کے پوچھنے پر دکاندار نے بتایا کہ کوئی تاجر آ کر یہ تلوار فروخت کر گیا۔ یہ تلوار بہت نایاب ہے اس کی قیمت ایک ہزار اشرفیاں ہیں"۔

شہزادہ بہت خوش ہوا اور فوراً ایک ہزار اشرفیاں دے کر سونے کی تلوار خرید لی اور وہ بھی تیسرے دن کا انتظار کرنے لگا۔

چھوٹا شہزادہ سوچتا رہا۔ وہ مختلف بازاروں میں گزرتا اور دیکھتا کہ سب بازاروں میں بہت سارے فقیر مانگ رہے ہیں اور لوگ انہیں برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ شہزادے سے رہا نہ گیا اور اس نے سارے فقیروں میں اشرفیاں بانٹ دیں۔ وہ سب بہت خوش ہوئے اور شہزادے کو دعائیں دینے لگے۔ آخر تیسرا دن بھی آ گیا۔ سب شہزادے محل میں پہنچے انہوں نے اپنی اپنی چیزیں لیں اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں بڑے شہزادوں نے بادشاہ کو ہیرا اور تلوار دکھائی۔

بادشاہ نے کہا "ان کا مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ جب مروں گا تو یہ چیزیں میرے کیا کام آئیں گی؟"

چھوٹا شہزادہ خاموش کھڑا تھا۔ اس نے کہا "ابا جان! میں نے اپنی تمام اشرفیاں غریبوں میں تقسیم کر دیں اور انہیں اتنا دے دیا ہے کہ وہ اپنی زندگی عزت سے گزاریں۔ وہ آپ کو بہت دعائیں دے رہے تھے جس کا فائدہ آپ کو اب بھی ہوگا اور آخرت میں بھی۔ یہ دعائیں آخرت میں آپ کو بخشش میں مدد دیں گی"۔

بادشاہ یہ سن کر بہت خوش ہوا اور چھوٹے بیٹے کو بادشاہ بنا دیا۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بادشاہ بننے کا خواب

کسی گاؤں میں ایک شخص رہتا تھا۔ وہ ہر وقت گھر میں بے کار پڑا رہتا تھا۔ اس وجہ سے گاؤں والوں نے اس کا نام ''نکمو'' رکھ دیا تھا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو اس سے زیادہ کام چور تھا ''نکمو'' کی ایک ہی خواہش تھی کہ وہ ملک کا بادشاہ بن جائے۔

ایک دفعہ ایک نجومی کا گزر اس کے گھر کے پاس سے ہوا۔ نکمو نے اسے روک کر بادشاہ بننے سے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ اگر تم بادشاہ بننا چاہتے ہو تو میری بات پر عمل کرو۔ یہاں سے دور مغرب کی طرف ایک بہت ہی بڑا اور خوبصورت جنگل ہے۔ اس جنگل میں ایک کبوتر ہے جس کا رنگ گہرا سبز ہے۔ اگر تم اس کبوتر کا دل پکا کر کھاؤ گے تو ضرور بادشاہ بن جاؤ گے۔

اتنا کہہ کر نجومی نے اپنی راہ لی۔ نکمو فوراً مغرب کی طرف چل پڑا۔ اور چالیس دن کی مسافت طے کر کے اس جنگل میں جا پہنچا۔ وہاں، اسے وہی سبز کبوتر دکھائی دیا جس کیلئے وہ جنگل میں آیا تھا۔ ''نکمو'' نے بڑی ہوشیاری سے اس کبوتر کو پکڑ لیا اور گھر کی طرف خوشی خوشی بھاگنے لگا۔ گھر پہنچ کر اس نے وہ سبز کبوتر ذبح کیا اور اپنی بیوی کو پکانے کے لئے دے دیا۔ بیوی نے وہ کبوتر بھون دیا مگر اس سبز کبوتر کا دل نکمو کا بیٹا ''احسن'' کھا گیا کیونکہ پنڈت کی بات اس وقت اس نے سن لی تھی ادھر جب ''نکمو'' کی بیوی نے اس سبز کبوتر کا بھنا ہوا گوشت ''نکمو'' کے آگے رکھ دیا تو ''نکمو'' نے اس کبوتر کا دل پلیٹ میں ڈھونڈا مگر وہاں دل کہاں۔ اب تو نکمو بہت رویا چلایا اور اپنی بیوی کو مارنے پیٹنے لگا مگر وہ متواتر یہی کہتی رہی کہ اسے سبز کبوتر کے دل کا پتہ نہیں اور نہ ہی اس نے کھایا ہے۔

بچو! ''نکمو'' اسی غم میں بستر پر پڑا رہتا۔ نہ کچھ کھاتا نہ کچھ پیتا اور یوں وہ بیمار پڑ گیا اور ایک دن مر گیا۔ ادھر ''نکمو'' کا بیٹا اپنے باپ کے ڈر سے جنگل میں چلا گیا اور جنگل کے پھل کھا کر گزارہ کرتا اور شام کو اسی جنگل میں گھاس پھوس کا بستر بنا کر سو جاتا۔ ایک دن وہ ایک درخت سے پھل توڑ رہا تھا کہ اس نے زمین پر ایک چمکتی ہوئی چیز دیکھی۔ وہ فوراً درخت سے اترا اور اس چمکتی ہوئی چیز کے پاس گیا۔ اس نے اردگرد سے مٹی ہٹائی تو اسے معلوم ہوا کہ وہاں تو سونے کا خزانہ ہے لہٰذا اس نے وہ جگہ کھودنی شروع کر دی۔ اتنا بڑا سونے کا خزانہ دیکھ کر اس کی تو آنکھیں کھل گئیں۔ اور اب اسے بادشاہ بننے کا خواب پورا ہوتا نظر آنے لگا چنانچہ اس نے تھوڑا سونا لیا اور شہر جا کر اسے فروخت کر ڈالا اور جو رقم اسے ملی اس سے اس نے ایک گدھا خریدا اور گدھے کے ساتھ واپس جنگل آ گیا۔ اب اس نے وہ سونا کھود کر گدھے پر لادا اور شہر فروخت کر آیا۔ اب تو اسے بہت بڑی رقم ملی۔ اسی طرح وہ روزانہ گدھے پر سونا لادتا اور فروخت کر کے رقم اپنے پاس محفوظ کر لیتا۔ جب کافی رقم ہو گئی تو اس نے ایک بہت بڑا محل تعمیر کروایا اور پھر بڑے عیش و آرام سے رہنے لگا۔ اب لوگ اسے ''احسن صاحب'' کہا کرتے تھے۔ اس نے ملک کے بادشاہ کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیٹی ''ظل ہما'' کا رشتہ اپنے لئے مانگا جسے بادشاہ نے بخوشی قبول کرلیا۔ پھر بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی۔ شادی کے فوراً بعد بادشاہ نے اپنے داماد کو ملک کا بادشاہ بنادیا اور خود یادِ الٰہی میں مشغول ہوگیا۔ اس طرح اسے بادشاہت حاصل ہوئی۔ اب تو وہ واقعی بادشاہ بن گیا۔ بچو! کچھ عرصے کے بعد بادشاہ ''احسن'' کے ہاں ایک خوبصورت کومل سی لڑکی پیدا ہوئی۔ باشاہ اور ملکہ ''ظل ہما'' پھولے نہیں سما رہے تھے۔ سارے ملک میں خوشی سے شادیانے بجائے گئے۔ غریبوں میں خیرات بانٹی گئی۔

اس شہزادی کا نام ''کائنات'' رکھا گیا۔ جب شہزادی ''کائنات'' سولہ برس کی ہوئی تو ایک جادوگر شہزادی ''کائنات'' کو یہیں اس وقت اٹھا کرلے گیا جب وہ باغ میں پھولوں سے کھیل رہی تھی۔ جب بادشاہ کو شہزادی ''کائنات'' کے بارے میں بتایا گیا کہ لاپتہ ہوگئی ہے تو بادشاہ ''احسن'' کا خون کھول اٹھا اور سوچتا رہا۔ احسن نے اعلان کردیا کہ جو اس کی بیٹی ''کائنات'' کو جادوگر کے چنگل سے آزاد کرکے لائے گا ساری بادشاہت اس کے حوالے کردی جائے گی۔ ایک گورکن کے بیٹے نے اجازت لے کر شہزادی کائنات کی تلاش شروع کردی۔ آخر ایک دن گورکن کا بیٹا جادونگری میں داخل ہوگیا اور اسے دور ایک بہت بڑا محل نظر آیا۔ یہ اسی جادوگر کا محل تھا جو شہزادی ''کائنات'' کو اٹھا لایا تھا۔ گورکن کا بیٹا احتیاط سے اس محل میں داخل ہوگیا اور ایک ایسے کمرے میں پہنچ گیا جہاں شہزادی ''کائنات'' زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ گورکن کا بیٹا فوراً شہزادی کے پاس گیا۔

شہزادی نے کہا کہ اگر تم مجھے آزاد کرانا چاہتے ہو تو ساتھ والے کمرے میں بہت بڑی الماری میں ایک تلوار ہے، اگر جادوگر کو اس تلوار سے قتل کیا جائے تو اس کا جادو بھی ختم ہوجائے گا۔ گورکن فوراً شہزادی کے بتائے ہوئے کمرے میں گیا اور بڑی الماری کو کھولنا ہی چاہتا تھا کہ سامنے ایک بہت بڑا ناگ آگیا۔ اس نے جلدی سے الماری سے تلوار نکالی اور ایک ہی وار سے اس ناگ کو مار ڈالا۔ اب وہ تلوار ہاتھ میں لے کر جادوگر کے آنے کا انتظار کرنے لگا تاکہ وہ اس کا خاتمہ کرکے شہزادی ''کائنات'' کو چھڑا لے۔

ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک بہت بڑا دیو، لمبے لمبے دانت، بھدی سی شکل والا جس کے سر پر دو سینگ تھے۔ ہاتھ میں ہرن پکڑے کمرے میں داخل ہوا۔ گورکن کا بیٹا فوراً دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔ جیسے ہی جادوگر ہرن لئے آگے بڑھا گورکن کے بیٹے نے تلوار کا بھرپور وار اس کی کمر پر کیا۔ اس وار سے جادوگر کے منہ سے ایک روح فرسا چیخ بلند ہوئی، تمام محل ہلنے لگا۔

گورکن کے بیٹے نے ایک اور وار کیا اور جادوگر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہوگیا۔ جیسے ہی جادوگر کا خاتمہ ہوگیا، سارا محل ایک میدان میں تبدیل ہوگیا۔ سامنے شہزادی کھڑی تھی۔ گورکن، شہزادی کو لے کر محل کی طرف چل پڑا اور گیارہ دن کے بعد گورکن کا بیٹا شہزادی ''کائنات'' کو ساتھ لئے محل میں پہنچ گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ یوں گورکن کے بیٹے کی شادی شہزادی ''کائنات'' سے ہوگئی اور بادشاہت اسے مل گئی۔ اور وہ ہنسی خوشی زندگی گذارنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چوروں کو پڑ گئے مور

پرانے وقتوں کا ذکر ہے کہ تین چور ادھر ادھر چھوٹی موٹی چوریاں کرتے ہوئے ایک شہر میں مل گئے۔ ایک دوسرے سے تعارف ہوا اور جلد ہی دوستی میں بدل گیا۔

ایک چور نے مشورہ دیتے ہوئے کہا "ہم تینوں ہی چور ہیں اور چھوٹی موٹی چوریاں کر کے اپنا گزارہ کرتے ہیں۔ کیوں نہ اس بار مل جل کر ہم تینوں کوئی بڑی چوری کریں۔ اور پھر اس مال کو تین حصوں میں تقسیم کر کے سال دو سال تک سکون کی زندگی گزاریں اور تینوں پھر الگ الگ اپنی زندگی بسر کریں۔ کیونکہ چوروں کی دوستی زیادہ دن برقرار نہیں رہ سکتی۔

"خیال تو بہت نیک ہے" دوسرے چوروں نے تائید کی۔ "اگر ہمیں تگڑا مال ہاتھ لگ گیا تو پھر ہم چوری سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لیں گے اور کوئی کاروبار کر کے زندگی گزاریں گے"۔ تیسرے چور نے کہا اور تینوں متفق ہو گئے۔

انہوں نے بڑی سوچ و فکر کے بعد شہر کے ایک بڑے رئیس کے یہاں چوری کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اور نصف رات گزرنے کے بعد اس کے گھر پہنچ گئے۔

چاروں طرف رات کی سیاہ چادر پھیلی ہوئی تھی۔ گارڈ اور محافظ چوکیدار بھی اونگھ اونگھ کر نیند کی آغوش میں سما گئے تھے۔ اہل خانہ گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ غرض کہ ہر طرف موت کی سی خاموشی کا راج تھا۔

چوروں نے اپنے منصوبے کے مطابق نقب لگائی اور گھر میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے تجوری کو فنکارانہ طریقے سے بڑی خاموشی کے ساتھ کوئی آہٹ کے بغیر کھولا۔۔۔ تجوری، اشرفیوں، سونے چاندی کے زیورات سے بھری ہوئی تھی۔ اتنا قیمتی مال اس سے پہلے چوروں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

یہ دولت ان کی توقع سے بھی کئی گناہ زیادہ تھی۔ وہ سب انہوں نے اپنے ساتھ لائے ہوئے ایک موٹے مضبوط کینوس کے بیگ میں بھری اور جس طرح دبے پیروں گھر میں داخل ہوئے تھے اسی طرح باہر نکل گئے۔

اب وہ جلد از جلد شہر سے بھی باہر نکل جانا چاہتے تھے تا کہ رئیس اور پولیس والوں کی گرفت میں آنے سے بچ جائیں۔ رئیس کوئی معمولی آدمی تو تھا نہیں۔ آخر شہر کا نامی گرامی رئیس تھا۔ چنانچہ اس کے ذرا سے اشارے پر ساری پولیس حرکت میں آ گئی۔ وہ رات بھر جاگتے رہے اور صبح ہوتے ہی شہر سے نکل کر ایک گھنے جنگل میں پہنچ گئے۔

اب تینوں نے سکون کی سانس لی۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر انہوں نے بیگ میں سے اشرفیاں نکالیں اور برابر برابر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تین حصوں میں گن کر حصے الگ کر لئے۔ ابھی زیورات اور جواہرات کی تقسیم باقی تھی کہ اس تقسیم کے سوال پر تینوں میں بحث وتکرار ہونے لگی۔ اور جلد ہی یہ تکرار جھگڑے میں بدل گئی۔ اشرفیاں تو اس لئے آسانی سے تقسیم ہوگئیں کہ وہ گن کر الگ الگ تین حصے میں بنا لئے گئے مگر زیورات اور جواہرات کی مالیت کا ان میں سے کسی کو بھی صحیح صحیح اندازہ نہیں تھا اس لئے آپس میں جھگڑا ہونے لگا۔

کچھ سوچ کر ان میں جو بڑی عمر کا چور تھا اس نے کہا ''ہمیں ان زیورات اور جواہرات کی مالیت کا درست اندازہ نہیں لہٰذا ہم ابھی یہاں سے کہیں اور چلیں اور کسی جوہری کو تلاش کر کے اس کی مدد سے ان کی تقسیم کر لیں تاکہ سب کو برابر کا حصہ مل جائے اور کسی کو کوئی شکایت کا موقع نہ ملے''۔

بڑے چور کا مشورہ مناسب تھا باقی دونوں نے بھی اسے خوشی خوشی تسلیم کر لیا۔ اب وہ کسی ایسے مقام کی تلاش میں چل پڑے جہاں کم از کم ایک دن ٹھہر کر وہ آرام کر سکیں اور وہیں انہیں کوئی جوہری بھی مل جائے۔ کیونکہ رات بھر کے سفر نے انہیں پہلے ہی کافی تھکا دیا تھا اور مزید سفر کرنے کی ان کی ہمت نہیں تھی۔

کچھ دور چلنے پر وہ جنگل سے باہر نکلے۔ انہیں ایک سرائے نظر آئی۔ سرائے قصبے کے قریب تھی۔ تینوں کو وہ سنسان اور غیر آباد سرائے پسند آئی۔ انہوں نے سوچا اس سے اچھی جگہ رات گزارنے کے لئے اور کہاں ملے گی۔ چنانچہ رات گزارنے کے لئے انہوں نے اسی سرائے کا انتخاب کر لیا۔ وہ اس سرائے میں اندر پہنچے۔ سرائے کی مالکن ایک بڑھیا تھی۔

تینوں چوروں کو ایک دوسرے پر اعتماد تو تھا نہیں۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ زیورات اور جواہرات کی تھیلی اس کے ہی ہاتھ لگ جائے تاکہ وہ باقی چوروں کا ساتھ چھوڑ کر رفو چکر ہو جائے۔ پھر آپس میں غیر اعتمادی کی وجہ سے انہوں نے زیورات کی تھیلی بڑھیا کو دیتے ہوئے کہا۔۔۔

''ماں۔۔۔ یہ ہماری امانت اپنے پاس رکھ لو اور جب ہم تینوں ساتھ آئیں تو واپس دینا۔ ہم میں سے کوئی ایک بھی کم ہو تو نہ دینا''۔۔۔ ''ٹھیک ہے بیٹا۔۔۔ جیسے تم نے کہا ویسے ہی عمل کروں گی۔ تم مجھ پر اطمینان رکھو''۔ بڑھیا نے کہا اور تھیلی لے کر اپنے پاس رکھ لی۔

تھیلی بڑھیا کے سپرد کر کے تینوں چور مطمئن ہو کر قصبے میں گھومنے پھرنے نکل گئے۔ انہیں بھوک بھی لگ رہی تھی۔ بظاہر تو انہیں ایک دوسرے پر اعتماد تھا مگر وہ دل ہی دل میں ساری دولت ہضم کرنے کا الگ الگ منصوبہ بھی بنا رہے تھے۔ ہر ایک یہ ہی سوچ رہا تھا کہ کس ترکیب سے ساری دولت اسے ہی مل جائے اور باقی دو ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

قصبے میں پہنچ کر تینوں چور الگ الگ مختلف سمتوں میں گھومنے نکل گئے۔ بڑی عمر کا چور مشرقی سمت کے بازار میں پہنچا جہاں ایک جگہ پر بیٹھ کر کھانا کھایا کھانے کے بعد پھر سوچنے لگا کہ اگر وہ یہاں کی درزی سے ویسی ہی سرخ رنگ کی تھیلی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سلوالے اور اس میں کنکر اور پتھر بھر کر اصل تھیلی کی جگہ رکھ کر اسے یعنی اصل تھیلی کو حاصل کر لے تو وہ اکیلا ہی ساری دولت کا مالک بن جائے گا۔

یہ خیال آتے ہی اس نے فوراً اس پر عمل بھی کر لیا اور درزی سے اسی رنگ اور اسی سائز کی تھیلی سلوا کر اس میں کنکر پتھر بھر لئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہی خیال باقی دوسرے دونوں چوروں کے ذہن میں بھی آیا۔ اس طرح تینوں چوروں نے اپنے اپنے ذہن میں آئے ہوئے خیال کے مطابق اسی رنگ اور سائز کی تھیلیاں سلوا کر اس میں کنکر اور پتھر بھر لئے پھر خاموشی سے رات کو سرائے میں واپس پہنچے اور کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد سونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹ گئے۔

بظاہر تو وہ سو رہے تھے مگر اپنی اپنی جگہ تینوں موقعے کا انتظار کر رہے تھے۔ ادھر جب چور بڑھیا کو تھیلی دے کر گھومنے گئے تو بڑھیا سوچ میں پڑ گئی۔ وہ بڑی ذہین اور تجربے کار تھی۔ چوروں کی باتوں سے اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ تھیلی میں کوئی قیمتی سامان ہے اور انہیں ایک دوسرے پر اعتماد بھی نہیں ہے اور ان کی نیتوں میں کھوٹ ہے۔ تینوں الگ الگ تھیلی کو اکیلے ہی ہضم کرنا چاہتے ہیں۔

اب بڑھیا اپنا منصوبہ بنانے لگی۔ اس نے بھی چوروں کے سرائے میں غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اصل تھیلی کے مطابق ایک اور ویسی ہی تھیلی میں کنکر اور پتھر بھر کے اپنے سرہانے رکھ لی۔۔۔ اسے احساس تھا کہ چور رات کے کسی بھی وقت اس کی تھیلی پر ہاتھ صاف کرنے کی یقیناً کوشش کریں گے۔

جب چور واپس سرائے پہنچے اور اپنے سرہانے وہ تھیلی رکھ کر پیر پھیلا کر سونے کے لئے لیٹ گئے۔ تو چند ہی لمحوں میں ان کے خراٹوں کی آواز فضا میں گونجنے لگی۔ رات کا پہلا پہر دھیرے دھیرے اپنی رفتار کے مطابق دوسرے پہر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

بڑی عمر کے چور نے پہلے لیٹے لیٹے ہی اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ پھر بغیر کوئی آہٹ۔ کوئی آواز کئے خاموشی سے اٹھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں چور ساتھی گہری نیند سو رہے ہیں۔

وہ بڑھیا کے کمرے میں داخل ہوا۔ بڑھیا بھی بے خبر سو رہی تھی اور زیورات کی تھیلی اس کے سرہانے رکھی تھی۔ اس چور نے کنکر پتھر بھری اپنی تھیلی وہاں رکھی اور بڑھیا کے سرہانے رکھی تھیلی ہاتھ میں اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آیا اور سرائے کے پیچھے میدان میں گڑھا کھود کر اسے دبا دیا کہ موقع ملنے پر آ کر نکال لوں گا پھر اپنے بستر پر لیٹ کر آرام سے سو گیا۔

کچھ دیر بعد دوسرے چور نے کروٹ لی۔ لیٹے لیٹے ماحول کا جائزہ لیا۔ اور اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد اپنی کنکر پتھر بھری تھیلی لئے پہلے چور کی طرح بڑھیا کے کمرے میں پہنچ گیا اور اپنی تھیلی وہاں رکھ کر پہلے رکھی ہوئی تھیلی لئے اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے وہ تھیلی سرائے کے باہر کیاری میں مٹی کھود کر بڑی گہرائی میں دبا دی اور واپس آ کر سو گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب رات کا دوسرا پہر تیسرے پہر کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ تیسرے چور نے انگڑائی لیتے ہوئے احتیاط سے ادھر اُدھر دیکھا۔ سب کو گہری نیند میں سوتے دیکھ کر وہ بھی دبے پاؤں اپنی کنکر اور پتھر بھری تھیلی لئے اٹھا اور اسے بڑھیا کے سرہانے رکھ کر وہاں رکھی تھیلی لئے باہر آگیا باہر اس نے تھیلی چھپانے کے لئے پہلے ہی جگہ منتخب کر لی تھی۔ چنانچہ اس نے وہ تھیلی وہیں چھپا دی اور پھر وہ آرام سے پیر پھیلا کر سو گیا۔

صبح ہونے پر تینوں چور آنکھیں ملتے ہوئے بیدار ہو گئے اور بڑھیا کے پاس اپنی امانت رکھی تھیلی لینے پہنچے۔ بڑھیا نے وہ تھیلی سرہانے سے اٹھا کر انہیں دے دی۔ تینوں چوروں کے دلوں میں چور تھا اس لئے انہوں نے وہاں تھیلی کھول کر دیکھنے کی کوئی بات نہیں کی۔ اور بڑھیا کا شکریہ ادا کر کے سرائے سے باہر نکل آئے۔

ایک دن کے سفر کے بعد وہ کافی دور نکل آئے تھے۔ اب انہیں شہر کے رئیس یا پولیس کے سپاہیوں کا کوئی خوف وخطر نہیں رہا تھا۔

بڑے چور نے کہا "اب ہم تینوں زیورات اور جواہرات کی تقسیم کرنے کے بعد الگ الگ ہو جائیں گے۔ ہماری دوستی بھی ختم ہو جائے گی۔ معاہدے کے مطابق یہ فیصلہ ٹھیک ہے" باقی دونوں چوروں نے بھی تائید کی۔

انہوں نے تھیلی کھولی جیسے کہ ان تینوں کو علم تھا۔ تھیلی میں سے زیورات اور جواہرات کے بجائے کنکر اور پتھر ہی نکلے۔ تینوں چور غم اور صدمے سے بے حال ہو گئے۔ اتنی محنت اور اتنی دوڑ دھوپ کے بعد بھی انہیں کنکر اور پتھر ہی ملے تھے۔ ضرور یہ بڑھیا کی حرکت ہے۔ مگر ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ اس کے پاس واپس جانے میں خطرہ ہے۔ ہم نے تھیلی رکھتے ہوئے اسے نہ زیورات اور جواہرات دکھائے تھے نہ ہی بتائے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے وہ ہمیں ہی چوری کے الزام میں گرفتار کرا دے۔ اب ہمیں جتنا اور جو کچھ مل گیا ہے اسی پر صبر کر لینا چاہئے۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔ تینوں نے کہا اور پھر ایک دوسرے کو الوداع کہتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

اب تینوں دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ کچھ عرصے بعد جب چوری کا معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا تو وہ سرائے میں بہ محفوظ دولت لے آئیں گے۔ اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بعد میں جب وہ الگ الگ وقتوں میں سرائے کی طرف گئے تو انہیں اپنی اپنی تھیلیوں میں کنکر اور پتھر دیکھ کر کیا حال ہوا ہو گا ان کا۔ چور اپنے مال کی چوری کی شکایت کرتے بھی تو کس سے۔ ہاں بڑھیا کے باقی دن پھر بڑے آرام سے گزرنے لگے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خونی چڑیل

پیارے بچو! پرانے وقتوں کی بات ہے کہ ملک یمن پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس بادشاہ کا نام حیدر سلطان تھا۔ وہ بادشاہ نہایت رحمدل اور نیک تھا۔ تمام رعایا بادشاہ حیدر سلطان سے بے حد خوش تھی۔

جب ملک شام کے بادشاہ نے حیدر سلطان کی تعریف سنی تو اپنی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی شہزادی سندس کا رشتہ بادشاہ حیدر سلطان کیلئے بھیجا۔ چونکہ بادشاہ حیدر سلطان کے والدین وفات پا چکے تھے، اس لئے ملک شام کے بادشاہ نے اپنے وزیر کے مشورے سے شہزادی سندس کی شادی بڑی دھوم دھام سے انجام پائی۔

شادی کے کچھ عرصہ بعد خدا نے بادشاہ حیدر سلطان اور ملکہ سندس کو ایک چاند سا بیٹا عطا کیا۔ جس کا نام راشد رکھا گیا۔ شہزادے راشد کی پیدائش پر بے انتہا خوشیاں منائی گئیں۔ جب شہزادہ کچھ بڑا ہوا تو دُرشہوار کی صورت میں خدا نے بادشاہ کو بیٹی کی نعمت سے نوازا۔

شہزادی دُرشہوار کی پیدائش پر ملک بھر میں گھی کے چراغ جلائے گئے۔ شاہی خزانہ پانی کی طرح بہایا گیا۔ شہزادی دُرشہوار کی پیدائش پر بادشاہ اور ملکہ بھی بے حد خوش ہوئے۔ شہزادی دُرشہوار بہت خوبصورت تھی۔

وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا۔ اب شہزادے راشد کی عمر 19 برس اور دُرشہوار شہزادی 17 سال کی ہو چکی تھی۔ بادشاہ حیدر سلطان اور ملکہ سندس اب بوڑھے ہو رہے تھے۔ شہزادہ راشد بھی اپنے باپ بادشاہ حیدر سلطان کی طرح نہایت رحمدل اور نیک تھا۔ بہت بہادر تھا۔

ایک رات جب محل کے سب لوگ بے فکری کی نیند سو رہے تھے کہ شہزادی دُرشہوار کے کمرے سے ایک الم ناک چیخ ابھری جس نے سارے محل کو جگا دیا۔ بادشاہ، ملکہ، شہزادہ، دربان اور تمام ملازمین شہزادی دُرشہوار کے کمرے کی طرف بھاگے۔ سب سے آگے ملکہ تھی۔ جب ملکہ نے شہزادی کے کمرے میں دیکھا تو شہزادی دُرشہوار غائب تھی۔

بادشاہ اور ملکہ کے حکم سے ملازمین سارے محل میں شہزادی دُرشہوار کو تلاش کرنے لگے۔ نوکروں نے محل کا چپہ چپہ چھان مارا۔ لیکن شہزادی کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔ ملکہ سندس کا رو رو کر برا حال ہو گیا۔

بادشاہ الگ پریشان تھا کہ آخر شہزادی کہاں چلی گئی۔ لیکن شہزادے راشد نے دونوں کو دلاسہ دیا۔ شہزادہ بولا "امی اور بابا حضور آپ لوگ فکر مت کریں، انشاءاللہ دُرشہوار کا ضرور پتہ چل جائے گا۔ مگر ابھی آپ شاہی نجومی کو بلا کر معلوم کرنے کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کوشش تو کریں کہ شہزادی دُرشہوار ہے کہاں؟"

شہزادے راشد نے عقلمندی کی بات کی تھی۔ جس نے سب کو کچھ اُمید دلائی۔ جب شاہی نجومی نے حساب لگانا شروع کیا تو یکا یک بجلیاں چمکنے لگیں اور سارا محل بجلیوں کی زد میں آ گیا۔ شاہی نجومی نے کئی مرتبہ حساب لگانے کی کوشش کی مگر کچھ پتہ نہ چل سکا۔ نجومی نے ہار کر کہہ دیا کہ میرا علم اس طاقت تک نہیں پہنچ رہا جس کے قبضے میں شہزادی دُرشہوار ہے۔

پھر بادشاہ نے شہزادے راشد کے مشورہ سے پورے ملک میں اعلان کروا دیا کہ جو شخص شہزادی دُرشہوار کے متعلق پتہ چلا سے۔ اسے آدھی سلطنت کا مالک بنا دیا جائے گا۔ پورے ملک سے ہزاروں نجومی آئے مگر ناکام رہے۔ آخر کار ایک بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے کہا کہ وہ شہزادی دُرشہوار کا پتہ بتا سکتے ہیں۔ لیکن بزرگ نے کہا کہ ان کو ایک رات ایک دن شہزادی کے کمرہ میں رہنا ہوگا۔

بادشاہ اور ملکہ نے بزرگ کی بات مان لی اور بزرگ کو شہزادی دُرشہوار کے کمرے میں چھوڑ کر چلے آئے اور ایک دربان باہر دروازے پر بٹھا دیا اور جب ملکہ واپس جانے لگی تو بزرگ نے سختی سے روک دیا کہ ایک رات اور ایک دن سے پہلے کوئی بھی شخص کمرے میں مت آئے۔ ایک دن اور ایک رات کے بعد بزرگ نے دربان سے کہہ کر ملکہ اور بادشاہ کو بلایا۔ بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ شہزادہ راشد بھی چلا آیا۔

بزرگ نے بتایا کہ دُرشہوار کا پتہ چل چکا ہے۔ وہ ایک کالی چڑیل کے قبضے میں ہے۔ وہ چڑیل جو کہ شیطان کی پجارن ہے نہایت بدصورت ہے۔ وہ چڑیل چونکہ کافی بوڑھی ہو چکی ہے، دوبارہ پھر سے جوان ہونا چاہتی ہے تا کہ شیطان دیوتا اسے تمام چڑیلوں کی سردار بنا دے۔ اس مقصد کیلئے ضروری تھا کہ وہ دُرشہوار کو قتل کر کے اس کے خون سے غسل کرے۔ وہ یہ کام چاند کی چودہ تاریخ کو کرے گی۔ آج چاند کی گیارہ تاریخ ہے۔ صرف تین دن کی مہلت ہے۔ بزرگ نے تفصیل بتائی۔

"لیکن بزرگ محترم وہ چڑیل رہتی کہاں ہے"؟ شہزادے راشد نے چڑیل کا پتہ پوچھا۔

"وہ چڑیل کوہ قاف کی سب سے پرانی سیاہ پہاڑی پر رہتی ہے اور شہزادی اس کے قبضے میں ہے"۔ اتنا بتا کر بزرگ غائب ہو گئے۔ بزرگ کے غائب ہونے پر بادشاہ، ملکہ اور شہزادہ حیران رہ گئے۔ چونکہ وقت بہت کم تھا اس لئے شہزادہ راشد جلدی جلدی سفر کے لئے تیار ہونے لگا۔ بادشاہ اور ملکہ شہزادے کو اس سفر پہ نہیں بھیجنا چاہتے تھے کیونکہ بزرگ نے بتایا تھا آج تک جو شخص وہاں گیا ہے زندہ واپس نہیں آیا۔

بادشاہ اور ملکہ دونوں بے حد پریشان تھے۔ وہ اب شہزادے کو کھونا نہیں چاہتے تھے اور شہزادی دُرشہوار کے بغیر بھی نہیں سکتے تھے۔ شہزادے راشد نے کہا "ابا حضور اور امی حضور آپ لوگ فکر مت کریں۔ میں اپنی بہن شہزادی دُرشہوار کو خود اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چڑیل کے چنگل سے آزاد کرا کے لاؤں گا"۔

شہزادے نے ملک یمن کا سب سے تیز رفتار گھوڑا لیا اور سفر پر روانہ ہو گیا۔ کوہ قاف کا سفر تین دن کا تھا مگر شہزادے کا تیز رفتار گھوڑا دو دن میں شہزادے کو کوہ قاف تک پہنچانے کی صلاحیت رکھتا تھا اور شہزادے کے پاس دو دن ہی تو تھے مگر پھر بھی وہ باعزم تھا۔

جونہی شہزادہ راشد کوہ قاف کی حدود میں پہنچا گھوڑے کا پاؤں پتھر سے ٹکرایا اور گھوڑا شہزادے سمیت قلابازیاں کھاتے ہوئے گر پڑا۔ شہزادے کے گرتے ہی گھوڑا پہاڑوں کی طرف بھاگ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اب تو شہزادہ راشد بے انتہا پریشان ہوا "شہزادے میں تمہاری مدد کو آیا ہوں۔" اس پکار پر شہزادہ راشد نے سامنے دیکھا تو وہی بزرگ سامنے تھے جنہوں نے شہزادی دُر شہوار کا پتہ دیا تھا۔ "ہاں بزرگ محترم! مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ اللہ نے آپ کو رحمت بنا کر میری مدد کے لئے بھیجا ہے"۔ شہزادے نے خوش ہو کر کہا "تو یہ لو یہ قالین اور یہ انگوٹھی۔ اس انگوٹھی کو پہن لو تو اسے پہننے سے کوئی جادو تم پر اثر نہیں کر سکے گا۔ اور یہ قالین تمہیں پہاڑی کے غار تک پہنچا دے گا"۔ بزرگ نے شہزادے کو تمام تفصیل سمجھائی۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ، بزرگ محترم" شہزادے نے خوش ہو کر کہا۔

"اب جلدی جاؤ شہزادے! وقت بہت کم ہے"۔ اتنا کہہ کر بزرگ پھر سے غائب ہو گئے۔

شہزادے نے انگوٹھی پہنی اور قالین پر بیٹھ کر قالین کو حکم دیا کہ وہ اسے پہاڑی کی غار پر پہنچا دے۔ قالین اڑنے لگا اور شہزادے کو غار پر پہنچا دیا۔

جب شہزادہ غار پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک بدصورت کانی چڑیل شہزادی دُر شہوار کو زمین پر ڈال کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہی تھی۔ اور شہزادی پر پھونک مار رہی تھی چڑیل نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ شہزادہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا چڑیل کے قریب پہنچ گیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے چڑیل کی گردن اڑا دی۔

ایک زوردار دھماکہ ہوا اور سب کچھ غائب ہو گیا۔ اور جب شہزادی دُر شہوار ہوش میں آ گئی تو شہزادے نے شہزادی دُر شہوار کو قالین پر بٹھایا اور محل واپس چلا آیا۔

شہزادے اور شہزادی دُر شہوار کی واپسی پر سب بے حد خوش ہوئے۔ بادشاہ اور ملکہ نے جب اپنی بیٹی کو زندہ سلامت دیکھا تو اُسے اپنے سینے سے لگا کر خوب پیار کیا۔ اس خوشی کے موقعے پر ملک میں جشن منایا گیا۔

اس کے بعد وہ سب خوش و خرم زندگی گذارنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شرارتی چیتا

پرانے زمانے کی بات ہے کسی گاؤں کے قریب جنگل میں ایک شرارتی چیتا رہتا تھا۔ وہ دوسرے چیتوں کی طرح آدم خور نہیں تھا بلکہ ہر وقت جنگل میں شرارتیں کرتا اور کھیلتا کودتا تھا۔ اس کا پسندیدہ مشغلہ یہ تھا کہ وہ درختوں کی شاخوں کے پیچھے چھپ جاتا اور اچانک چھلانگ لگا کر دھاڑیں مارتا ہوا باہر نکل آتا اور لوگوں کو ڈراتا۔ خوف کے مارے گاؤں والے اپنی جانیں بچانے کے لئے ادھر اُدھر بھاگتے تو وہ بہت لطف اندوز ہوتا۔ اپنی چمک دار آنکھوں کی وجہ سے وہ اور بھی زیادہ خطرناک لگتا تھا۔ اس کے اس عمل سے بچے دھاڑیں مار کر روتے جب کہ بڑے اپنا سامان چھوڑ کر وہاں سے جتنی تیز بھاگ سکتے، بھاگ جاتے۔ لوگ اگر چیتے کے متعلق سنتے تو پورے گاؤں میں سناٹا چھا جاتا اور لوگ اپنا راستہ بدل لیتے یا اپنا کام چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ جاتے۔

چیتے کی یہ شرارت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ گاؤں کے لوگ اس سے بخوبی واقف تھے کہ چیتا انہیں نقصان پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ محض اپنی تفریح کے لئے انہیں ڈراتا ہے۔ تنگ آ کر گاؤں کے لوگوں نے ایک میٹنگ منعقد کی۔ اس میں شرارتی چیتے سے نجات حاصل کرنے کے بارے میں غور کیا گیا اور سب لوگوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ چیتے کو قابو کر کے چڑیا گھر بھجوا دیا جائے۔ میٹنگ میں ہونے والے اس فیصلے کی گاؤں کے تمام لوگوں نے حمایت کی۔

کچھ آدمی مضبوط جال اور بہت سی رسیاں لے آئے اور گاؤں کے تمام بہادر مرد اور جوان چیتے کی تلاش میں نکل پڑے۔ چیتا اس بات سے بالکل لاعلم تھا کہ گاؤں کے لوگوں نے اسے پکڑنے کیلئے منصوبہ بندی کر لی ہے۔ اسے اس بات کا اندازہ اس وقت ہوا جب اس نے گاؤں کی عورتوں کو اکیلا دریا کے کنارے کپڑے دھوتے اور پانی بھرتے دیکھا۔ وہ اچھی طرح بھانپ چکا تھا کہ گاؤں کے تمام مرد اسے پکڑنے کے لئے نکلے ہیں، جبھی وہ دریا پر نظر نہیں آ رہے اور گاؤں میں بھی سناٹا بنے لگا ہے۔

روزانہ کی طرح اگلی صبح چیتا گاؤں کے لوگوں کو کام پر جاتے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسی درخت پر چھپا بیٹھا تھا، جہاں سے وہ اکثر گاؤں والوں کو ڈرایا کرتا تھا۔ وہ گاؤں کا سب سے پرانا درخت تھا۔ یہ کہانی جس وقت کی ہے، اس وقت درخت کے پتے اتنے گھنے نہیں تھے، مگر اب شرارتی چیتے کے چھپنے کے لئے بہت اچھی جگہ بن گئی تھی۔

چیتا ابھی بھی درخت کے گھنے پتوں میں چھپا ہوا اپنی چمک دار آنکھوں سے لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے بہت بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے سامنے دیکھا تو چھوٹے بچے کھیل رہے تھے۔ وہ انہیں یا گاؤں کے کسی انسان کو نقصان نہیں چاہتا تھا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ کسی طرح ان گاؤں والوں کو ڈرا کر یہاں سے بھگایا جائے تا کہ کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جائے۔ ابھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے درخت کے پتوں میں کسی چیز کی آہٹ سنائی دی۔ وہ یہی سمجھا شاید گاؤں والے اسے پکڑنے کے لئے آگئے ہیں۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ پیچھے ایک خونخوار چیتا، جو دیکھنے میں ہو بہو شرارتی چیتے کی طرح نظر آتا تھا، کھڑا تھا۔ اب شرارتی چیتے کو ساری بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی کہ گاؤں کے لوگوں نے اتنے سال سے اسے پکڑنے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ مگر اب ایسا کیوں ہے؟ دراصل یہ وہی خطرناک چیتا تھا جس نے شرارتی چیتے کی شکل کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گاؤں کے ایک بچے کو زخمی کر دیا تھا اور گاؤں والے اس واقعے کا ذمہ دار شرارتی چیتے کو ہی ٹھہرا رہے تھے، جس کا اسے بہت رنج تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اس خونخوار چیتے کو سبق سکھا کر اپنے اوپر لگے الزام کو ہٹائے گا۔

اس نے خونخوار چیتے سے کہا۔ ''تم نے بچے کو کیوں زخمی کیا؟''

اُس نے شرارتی چیتے کی ایک نہ سنی اور بولا ''اگر اسے گاؤں والوں کا زیادہ خیال ہے تو ان کی حفاظت کرو، انہیں ڈرا کر تنگ کیوں کرتے ہو؟''

شرارتی چیتے نے کہا ''میرا پورا بچپن اسی گاؤں میں گزرا ہے۔ اور گاؤں والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں صرف ان سے مذاق کرتا تھا، انہیں نقصان نہیں پہنچاتا تھا مگر تمہاری وجہ سے گاؤں کے لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگے ہیں، اب میں تمہیں ضرور سبق سکھاؤں گا۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے فوراً جنگل واپس چلے جاؤ ورنہ مجھے تمہارا کچھ انتظام کرنا پڑے گا۔''

ابھی شرارتی چیتا اسے بات سمجھا رہا تھا کہ خونخوار چیتے نے کہا۔ ''اپنا لیکچر بند کرو، سامنے کھانا رکھا ہوا ہے، مجھ سے تو بھوک برداشت نہیں ہو رہی، میں تو چلا کھانا کھانے'' یہ کہہ کر وہ زور سے دھاڑا اور چھلانگ لگا کر باہر آگیا۔ اس کے باہر آتے ہی ہر طرف کھلبلی مچ گئی۔ لوگ اپنی جانیں بچا کر بھاگنے لگے۔ چند ہی لمحوں میں وہ جگہ بالکل خالی ہوگئی۔ جیسے وہاں کوئی تھا ہی نہیں۔ اس نے اپنا کھانا اٹھایا اور چلتا بنا۔ اب وہ روزانہ یہ حرکت کرتا اور نام شرارتی چیتے کا بدنام ہوتا۔ گاؤں والوں نے بھی اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ پہلے تو چیتا صرف لوگوں کو ڈراتا تھا مگر اب اس نے انہیں نقصان پہنچانا بھی شروع کر دیا ہے۔

آج گاؤں کے تمام مرد درخت کے پاس تیار بیٹھے چیتے کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ کب وہ باہر آئے اور وہ اسے قابو کریں۔ شراتی چیتا تو حسب معمول درخت پر خراٹے لے رہا تھا کچھ ہی دیر میں خونخوار چیتا بھی وہاں آن پہنچا۔ شراتی چیتا اچھی طرح جان چکا تھا کہ آج گاؤں والے جال لے کر تیار بیٹھے ہیں۔ خونخوار چیتا درخت کے پتوں میں بیٹھا اپنے آپ کو تیار کر رہا تھا کہ شرارتی چیتا زور سے دھاڑا اور اسے پیچھے سے دھکا دے دیا۔ خونخوار چیتا سید ھا سر کے بال نیچے گرا۔ گاؤں والے پہلے ہی بیٹھے تھے، انہوں نے جال ڈال کر خونخوار چیتے کو فوراً قابو کر لیا اور رسیوں سے اس کی ٹانگیں باندھ دیں۔ اب سب لوگوں نے مل کر ڈنڈے سے اس کی خوب دھنائی کی۔ شراتی چیتا جو درخت کے اوپر بیٹھا یہ سب دیکھ رہا تھا، اس نے ایک زوردار دھاڑ لگائی اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چھلانگ لگا کر درخت سے نیچے آ گیا اور اپنے پنجے کے زوردار وار سے خونخوار چیتے کو زخمی کر دیا۔ گاؤں والوں نے جب یہ دیکھا تو پریشان ہو گئے کہ شرارتی چیتا تو آزاد ہے، انہوں نے کس کو پکڑ لیا۔ شرارتی چیتا قلابازیاں لگانے لگا اور وہاں موجود بچوں کے ساتھ اچھل کود میں مشغول ہو گیا۔ اسے دیکھ کر گاؤں والے اچھی طرح سمجھ گئے کہ شرارتی چیتا صرف شرارتی ہے، آدم خور نہیں۔ وہ خونخوار چیتا ہی تھا جو گاؤں کے لوگوں کو نقصان پہنچاتا تھا۔ گاؤں والوں نے پہلے تو خونخوار چیتے کی دھنائی کی پھر اسے چڑیا گھر بجھوا دیا، جہاں وہ ہمیشہ کے لئے قید ہو گیا۔

دیکھا بچو! اسی لیے کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ اگر کوئی زیادہ غرور اور اکڑنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے اس کی سزا اسی طرح ملتی ہے، کیوں کہ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لالچی دوست

بہت عرصے پہلے کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں دو دوست رہا کرتے تھے۔ایک کا نام ابراہیم اور دوسرے کا سلطان تھا۔ سلطان نہایت ہی چالاک اور ہوشیار تھا اس کے برعکس ابراہیم سیدھا سادا اور شریف انسان تھا۔ایک دن ابراہیم کو کسی ضروری کام کیلئے شہر جانا پڑا تو اسے واپس گاؤں لوٹنے میں کافی رات ہو چکی تھی لہٰذا اس نے سوچا کیوں نہ گھر جلدی پہنچنے کے لئے مختصر راستہ اختیار کروں جس میں ایک جنگل بھی پڑتا تھا۔جنگل سے گزرتے ہوئے ابراہیم کو ایک چیز چمکتی ہوئی نظر آئی تو اس نے لپک کر اسے اٹھالیا اور غور سے دیکھا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ ایک ہیرے کی انگوٹھی تھی۔گھر پہنچ کر اس نے اپنے والدین کو انگوٹھی کے بارے میں بتایا تو وہ بھی بہت خوش ہوئے۔اگلے دن ابراہیم نے سلطان کو وہ انگوٹھی دکھائی ،اور رات والا واقعہ بھی سنایا اور بتایا کہ وہ انگوٹھی کو بیچ کر کوئی کاروبار شروع کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کے والدین بھی سکھ کا سانس لے سکیں اور ان کے غربت کے دن دور ہو جائیں

ہیرے کی انگوٹھی کو دیکھ کر سلطان کے دل میں لالچ اور حسد پیدا ہو گیا اور اس نے انگوٹھی کو چُرانے کا منصوبہ بنایا تاکہ اس کا دوست بھی اس پر شک نہ کر سکے۔منصوبہ کے مطابق سلطان آدھی رات کو ابراہیم کے گھر میں چور کی طرح داخل ہوا اور انگوٹھی تلاش کرنے لگا۔آہٹ سے ابراہیم کی آنکھ کھل گئی اور اندھیرا ہونے کے باوجود وہ اپنے دوست سلطان کو پہچان گیا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔''سلطان تم یہ انگوٹھی نہیں لے جاسکتے۔''ابراہیم نے یہ کہتے ہوئے سلطان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

سلطان نے کہا''ابراہیم تم میرا ہاتھ چھوڑ دو ورنہ میں اس انگوٹھی کیلئے تمہاری جان بھی لے سکتا ہوں''۔یہ کہتے ہوئے سلطان نے ابراہیم کو دھکا دیا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ابراہیم نے چور چور کا شور مچادیا۔شور کی آواز سن کر ابراہیم کے والدین اور گاؤں کے چند لوگ بھی جاگ گئے اور چور کو پکڑنے کے لئے اُس کے پیچھے بھاگے۔سامنے سے رحیمو چاچا آرہے تھے اور انہوں نے چور کو پکڑنے کی کوشش کی تو سلطان نے ان کے پیٹ میں چاقو مار دیا۔اندھیرا ہونے کے باعث وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ پائے۔گاؤں والوں نے چاچا کو اسپتال پہنچایا،تب تک ان کا بہت خون بہہ چکا تھا۔اسپتال میں ڈاکٹر نہ ہونے کے باعث انہیں طبی امداد نہیں دی جاسکی اور وہ فوت ہو گئے۔جب پولیس کو اطلاع ملی تو انسپکٹر نے گاؤں آکر تفتیش کی اور ابراہیم کا بیان ریکارڈ کیا اور ساتھ ہی سلطان کی تلاش بھی شروع کر دی۔

ادھر سلطان کو جنگل میں بہت دور جا کر ایک غار نما پہاڑ نظر آیا۔غار کے نزدیک ایک خوبصورت جھیل بھی تھی۔سلطان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے سوچا کہ چھپنے کیلئے یہ جگہ اچھی ہے اور وہ یہ سوچتا ہوا غار میں داخل ہو گیا تو اسے چند آدمی باتیں کرتے ہوئے نظر آئے۔ پہلے وہ بہت ڈرا لیکن پھر ہمت کر کے آگے بڑھا۔ وہ لوگ شکل اور حلیے سے ڈاکو لگ رہے تھے۔ ان میں سے ایک ڈاکو کو سلطان نے پہچان لیا۔ وہ ان ڈاکوؤں کا سردار تھا اور اس کی تصویر اخبار میں چھپ چکی تھی اور ان کی گرفتاری پر پانچ لاکھ کا انعام بھی تھا۔ اس کا نام شہباز تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر سلطان سے پوچھا ''کون ہو تم؟ اور یہاں کیا کرنے آئے ہو؟''

سلطان نے کہا کہ میں چوری کرتا ہوں اور کسی کے گھر چوری کرنے گیا تھا کہ پولیس وہاں پہنچ گئی اور میں چوری نہ کر سکا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا ہوں۔ پولیس میرے پیچھے ہے۔ سلطان نے جھوٹ بولا۔

ڈاکو نے کہا کہ ہمارے ساتھ کام کرو گے؟ سلطان نے سوچا کہ اس سے اچھا موقع نہیں ملے گا اور جھٹ تیار ہو گیا اور ان کے ساتھ کام کرنے کی حامی بھر لی۔

ادھر ابراہیم، سلطان اور انگوٹھی دونوں کی تلاش میں تھا۔ ایک دن ابراہیم یہ سوچتے سوچتے کہ سلطان کو کس طرح ڈھونڈا جائے، جنگل کی طرف نکل گیا۔ ابھی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اسے سامنے ایک خوبصورت جھیل نظر آئی۔ اُس نے اس سے پہلے اتنی خوبصورت جھیل نہیں دیکھی تھی۔ ابراہیم نے سوچا کیوں نہ اس میں نہایا جائے۔ یہ سوچ کر اس نے قمیض اتار کر قریب ہی ایک پتھر پر رکھ دی اور خود جھیل میں اتر گیا۔ جب اسے نہاتے ہوئے کافی دیر ہو گئی تو اس نے سوچا اب چلنا چاہئے۔

وہ جھیل سے باہر نکلا اور قمیض پہن کر جانے ہی والا تھا کہ اس کی نظر اچانک غار پر پڑی۔ وہ غار کے نزدیک گیا تو اسے کچھ لوگوں کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے چھپ کر ان کی باتیں سنیں جس میں اسے سلطان کی آواز بھی سنائی دی۔ اس نے فوراً شہر جا کر پولیس انسپکٹر کو اطلاع کی اور ڈاکوؤں کا منصوبہ بھی بتایا۔

انسپکٹر نے چوہدری کی حویلی میں جا کر انہیں اس بات سے آگاہ کیا اور چوہدری اور تمام گھر والوں کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔ اس کے بعد انسپکٹر نے تمام پولیس فورس کو حویلی میں اِدھر اُدھر چھپا دیا۔ رات کے تقریباً دو بجے ڈاکوؤں کا سردار، دو تین ڈاکو اور سلطان حویلی میں داخل ہوئے۔ ابھی وہ سامان سمیٹ ہی رہے تھے کہ انسپکٹر اور پولیس والوں نے انہیں چاروں جانب سے گھیرے میں لے لیا اور فوراً گرفتار کر لیا۔ انسپکٹر نے ابراہیم کو تھانے بلا کر انعام کی رقم اور ہیرے کی انگوٹھی اس کے حوالے کی۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لالچی تاجر

خلیفہ ہارون الرشید اور اس کا وزیر اعظم غریب آدمیوں کا بھیس بدلتے اور حالات کو خود جاننے کیلئے بغداد کی گلیوں میں پھرتے تھے۔ وہ ہر جگہ خاموشی اور امن وامان دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ ایک دفعہ جب وہ مکمل طور پر مطمئن ہو کر محل واپس لوٹ رہے تھے تو ایک بوڑھے نابینا بھکاری نے انہیں روکا اور کچھ رقم کا سوال کیا۔ خلیفہ نے اسے کچھ رقم دی لیکن وہ بھکاری کے منہ سے یہ الفاظ سن کر بہت حیران ہوئے۔ ''مہربان آقا! میں درخواست کرتا ہوں کہ میرا ایک اور کام کر دیں، مجھے ماریں، مجھے زور سے ماریں''۔

خلیفہ نے پوچھا۔ ''مجھے ایسا کام کرنے کیلئے کیوں کہتے ہو''؟ بھکاری نے جواب میں کہا۔ ''مجھے اس عظیم غلطی کی ضرور سزا ملنی چاہیئے جو میں نے زندگی میں کی''۔

خلیفہ تذبذب میں پڑ گیا۔ اور اس نے اسے مطمئن کرنے کیلئے آہستہ سے مارا اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔ خلیفہ بہت متجسس ہوا۔ وہ اس بوڑھے آدمی کے عجیب و غریب طرز عمل سے واقف ہونا چاہتا تھا۔ اس نے وزیر کو حکم دیا کہ اس بات کو یقینی بنائے کہ اگلے دن مغرب کی نماز کے بعد بوڑھا نابینا محل میں موجود ہو۔ اگلے روز بوڑھا آدمی محل میں لایا گیا۔ خلیفہ نے اس کی پچھلی زندگی کے بارے میں پوچھا۔ وہ پہلے تو ہچکچایا مگر پھر سب کچھ بتانے پر رضامند ہو گیا۔ بوڑھے شخص نے کہا کہ اس کا نام عبداللہ تھا۔ وہ بغداد میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین بہت امیر تھے لیکن بدقسمتی سے وہ اس وقت فوت ہو گئے جب عبداللہ ابھی نوعمر تھا۔ وہ سفری تاجر بن گیا۔ اپنے ان اونٹوں کے ساتھ جن پر تجارت کا سامان لدا ہوتا وہ اسے منافع پر بیچنے کیلئے قصبہ قصبہ جاتا۔ مال و دولت نے اسے خود غرض اور لالچی بنا دیا تھا۔ ایک دفعہ عبداللہ سامان تجارت سے لدے ہوئے اونٹ بغداد سے قریبی قصبے میں لے گیا۔ دوپہر کے وقت وہ سایہ دار درختوں کے نیچے تالاب کے پاس آرام کیلئے رک گیا۔ عین اسی وقت ایک درویش نمودار ہوا۔ عبداللہ نے اس کا خیر مقدم کیا اور اسے کھانے کی دعوت دی۔ کھانے کے بعد کی گفتگو میں درویش نے نزدیکی پہاڑوں میں سونے جواہرات اور قیمتی پتھروں سے بھری ہوئی غار کا ذکر کیا۔ عبداللہ لالچ میں آ گیا اور درویش کے پیچھے پیچھے پہاڑی کے دامن کی طرف چل پڑا۔ عبداللہ اپنے دل میں منصوبے بنا رہا تھا۔ عبداللہ نے درویش سے کہا کہ وہ خزانے سے لدے ہوئے اونٹ مساوی تقسیم کر لیں گے۔ چنانچہ درویش نے جادو کے ایک فارمولے کی مدد سے بہت بڑی چٹان کو ہٹایا۔ درویش دیکھتا رہا جبکہ عبداللہ نے ایک قبضہ کرنے والے آدمی کی حیثیت سے اپنے دس اونٹ لاد لئے۔ دونوں کے پاس پانچ پانچ اونٹ تھے۔ عبداللہ درویش سے وہ پانچ اونٹ بھی لینا چاہتا تھا۔ اس نے درویش سے کہا کہ اگر آپ جیسا درویش سونے اور جواہرات سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھرے ہوئے پانچ اونٹوں کے ساتھ شہر میں داخل ہوگا تو لوگ سوالات پوچھیں گے اور آپ کو درویش نہیں بلکہ چور سمجھیں گے پھر آپ کے پاس تکلیف کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ چنانچہ عبداللہ نے درویش سے وہ پانچ اونٹ بھی لے لئے۔ جس وقت درویش جارہا تھا عبداللہ نے اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ڈبہ دیکھا۔ تمام سونے جواہرات کے باوجود اس نے اس ڈبیہ کی بھی درخواست کی۔ اس میں جادو کا سفوف تھا۔ بائیں آنکھ میں ڈالنے سے یہ خفیہ خزانوں کو ظاہر کرتا تھا لیکن دائیں آنکھ میں استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ درویش ڈبہ عبداللہ کو دے کر چلا گیا۔ عبداللہ نے سفوف بائیں آنکھ میں چھڑ کا وہ خوش ہوگیا کہ وہ زمین سے نیچے خزانے کو دیکھ سکتا تھا لیکن لالچ میں آ کر اس نے سفوف دائیں آنکھ میں بھی چھڑک دیا لیکن مزید طاقت حاصل کرنے کے بجائے وہ نابینا ہوگیا۔ اب اس کے پاس کچھ نہ رہا تھا۔ عبداللہ کی کہانی اختتام کو پہنچی تھی۔ لیکن وہ بہت پچھتا رہا تھا اور اپنے بالوں کو نوچنے لگا اور خلیفہ سے سزا کی درخواست کرنے لگا۔ مگر خلیفہ نے کہا۔ ”بابا عبداللہ تم نے بہت بڑی غلطی کی اور تمہاری سزا بھی اتنی ہی بڑی تھی۔ اب تمہارے لئے مزید سزا نہیں ہے۔ تمہیں رہنے کیلئے جگہ اور ضروریات کیلئے رقم ملے گی۔ بابا عبداللہ نے عظیم خلیفہ کی بہت تعریف کی۔

بچو! اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ لالچ بہت بری چیز ہے۔ اس سے انسان کہیں کا نہیں رہتا لیکن جو شخص اپنی غلطی پر شرمندہ ہو تو اسے مزید اذیت دینے کی بجائے معاف کر دینا چاہیئے اور یہی عادت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اس لئے ہمیں لالچ سے بچنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نادان شہزادہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ تھا بہت رحمدل، ہر ایک کا خیال رکھنے والا۔ اس کی ریاست میں کسی کو بھی کوئی تکلیف و پریشانی ہوتی تو بادشاہ کو ایسا لگتا کہ جیسے یہ پریشانی یا تکلیف اس کے اپنے ساتھ ہو رہی ہے اور وہ ہر ممکن طریقے سے اس شخص کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کرتا۔ بس اسی لئے اس کی ریاست کے سب لوگ اس سے بہت خوش تھے اور کبھی بھی کسی نے بھی اس کے مدمقابل آنے کی کوشش نہ کی اور شاید کوئی آ بھی جاتا تو عوام اس کو بادشاہ ماننے سے انکار کر دیتے۔

بادشاہ یوں تو ہر لحاظ سے مطمئن اور خوش تھا، مگر ایک پریشانی اسے ہر دم لگی رہتی تھی جس کا نہ تو وہ کسی سے ذکر کرتا تھا اور نہ ہی کوئی حل نکال پا رہا تھا۔ وہ پریشانی کچھ اور نہیں بلکہ اس کا اکلوتا بیٹا تھا، جو اپنے باپ کے بالکل برعکس تھا، جس کو اپنی ریاست یا ریاست والوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ ہر وقت اپنے آوارہ قسم کے دوستوں کے ساتھ بیٹھا تاش کھیلتا رہتا اور کبھی شکار پر نکل جاتا۔ اگر بادشاہ اپنے بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کرتا تو شہزادہ یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ ابا جان مجھ سے یہ جھنجھٹ نہیں ہوتے، زندگی عیش کرنے کیلئے ہوتی ہے، نہ کہ دوسروں کے دکھوں میں رو رو کر آنکھیں اندھی کرنے کے لئے۔

بادشاہ یہ سن کر خاموش ہو جاتا اور سوچتا کہ انشاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ میرا بیٹا میری ریاست اور ریاست والوں کو سنبھالے گا۔ مگر یہ دن بادشاہ کے نصیب میں نہ تھا کہ وہ اس خوشی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا۔ جب ہی تو ایک دن بادشاہ اپنے محل کے باغ میں ٹہل رہا تھا کہ اچانک چکرا کر گر پڑا۔ محل کے اندر بادشاہ کے خاص ڈاکٹر نے یہ کہہ کر بادشاہ کو مطمئن کرنا چاہا کہ بس ہلکا سا چکر تھا اور کچھ نہیں۔

مگر بادشاہ بہت سیانا تھا، اس نے ڈاکٹر سے کہا۔ ’’دیکھو ڈاکٹر! میں موت سے نہیں ڈرتا، یہ برحق ہے، ہر انسان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اگر تم مجھے میری بیماری کے متعلق بتا دو تو میں اپنی رعایا کے سلسلے میں کچھ کر جاؤں، کیونکہ تم تو شہزادے کو جانتے ہو، اس کا ذہن ابھی بچوں والا ہے‘‘۔

تب ڈاکٹر نے کہا۔ ’’بادشاہ سلامت! آپ کی نبضوں کی حرکت بتا رہی ہے کہ آپ اس دنیا میں چند دنوں کے مہمان ہیں۔ آپ کو ایسی بیماری لگ گئی ہے، جس کا علاج ابھی تک ایجاد نہیں ہوا، اس لئے ہم اپنی جان دے کر بھی آپ کو نہیں بچا سکتے‘‘

ایک دن بادشاہ نے شہزادے کو بلایا اور اسے لے کر اپنے محل کے ایک خاص کمرے میں گیا۔ وہاں جا کر اس سے کہا۔ ’’دیکھو شہزادے ابھی تجھے میری باتوں کی سمجھ نہیں آتی، مگر میرے بچے میرے مرنے کے بعد دیکھنا تمہیں میری باتوں میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سچائی نظر آئے گی۔ تمہارے یہ سارے دوست مطلب پرست ہیں، جنہیں تم سے زیادہ تمہاری دولت سے پیار ہے۔ جس دن تم پر تمہارے دوستوں کی حقیقت کھل جائے اور تم نقصان اٹھا چکو تو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے مر جانا بہتر سمجھنا۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ خودکشی حرام فعل ہے، مگر در بدر کی ٹھوکریں کھانے سے بہتر ہے تم اس کمرے میں آنا اور چھت پر لگے ہوئے اس کنڈے سے رسا باندھ کر گلے میں ڈال لینا۔ مگر یاد رکھنا خودکشی کیلئے اس کے علاوہ کوئی اور جگہ نہ ڈھونڈنا، یوں سمجھنا کہ تمہارے مرحوم باپ کی یہ آخری خواہش ہے، کیونکہ اس کمرے میں تمہیں اس حرکت کو کرتے ہوئے کوئی نہیں روک سکے گا۔"

مگر شہزادہ ناداں تھا، پھر بھی اپنی ذمہ داری کو نہ سمجھا اور اپنی بے ہودہ خواہشوں کے پیچھے بھاگتا رہا۔ یار دوست اسے خوب بے وقوف بناتے رہے۔

ایک دن وہ ہو گیا جس کی توقع شہزادے کو نہ تھی۔ ایک روز صبح سویرے بادشاہ اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ ڈاکٹروں نے کہا رات کو بیماری نے اچانک زور پکڑا، جس کی وجہ سے بادشاہ سلامت اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اتنا بڑا دکھ سر پر آنے سے بھی شہزادے کی حرکتوں میں کوئی فرق نہ آیا، بلکہ وہ پہلے سے بھی بگڑ گیا۔ باپ کا جو خوف تھا وہ بھی اتر گیا اور شہزادہ ہر وقت نشے میں دھت رہنے لگا۔ نہ اسے اپنی ریاست کے لوگوں کا خیال رہا، نہ باپ کی عزت کا۔ روزانہ جوئے کی محفلیں ہوتیں جن میں شہزادہ باپ کی جمع پونجی اڑاتا رہا مگر کب تک۔ آخر ایک دن شہزادے کو علم ہوا کہ اس کی دولت ختم ہو چکی ہے لیکن اس کو اتنی بڑی جاگیر ختم ہونے کا کوئی دکھ نہ ہوا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا، کوئی بات نہیں اپنے دوستوں سے لے لیتا ہوں۔ یہ سوچ کر وہ اپنے ایک دوست کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے کچھ رقم ادھار چاہئے، لیکن دوست نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تجھے تو پتا ہے یار میرا باپ مجھے صرف جیب خرچ کے لئے رقم دیتے ہیں۔ اب اس میں سے تمہیں کیا دوں اور خود کیا رکھوں۔

شہزادہ شرمندہ سا ہو کر واپس چلا آیا اور ہر ایک سے یہی مطالبہ کرتا رہا کہ کچھ رقم ادھار مل جائے۔ مگر سب دوستوں نے انکار کر دیا۔ شہزادہ ایک شام اپنے لان میں بیٹھا تھا کہ اس کے دوستوں نے کہا "چلو آؤ جوئے کی ایک بازی ہو جائے۔"

شہزادے نے کہا "جوا کہاں سے کھیلوں میرے پاس تو کھانے کیلئے بھی کچھ نہیں۔"

اس کے دوستوں نے کہا "ارے اتنی بڑی جاگیر ہے اس پر لگا دو، اگر تم جیت گئے تو اس کی جتنی قیمت ہوگی ہم دیں گے اور اگر ہار گئے تو ہمیں بعد میں رقم دے دینا۔"

شہزادے نے اتنا سنا تو سوچا ہو سکتا ہے مجھے کچھ رقم مل جائے۔ چلو کھیل لیتا ہوں۔ لہٰذا شہزادے نے جاگیر داؤ پر لگا دی اور پھر بدقسمتی سے ہار گیا۔

اس کے دوستوں نے کہا "کوئی بات نہیں ہم رقم بعد میں لے لیں گے" یہ کہہ کر وہ چلے گئے مگر [illegible]

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ریاست کا بادشاہ اپنے ہزاروں فوجیوں کے ساتھ آیا اور آ کر کہا شہزادے تم یہ جاگیر میرے آدمیوں کے ہاتھ ہار چکے ہو، لہذا اس کی رقم کی ادائیگی کر دو ورنہ ہم تمہاری جاگیر پر قبضہ کرنے والے ہیں۔ تمہارے باپ کے ہوتے ہوئے تو ہم یہ نہ کر سکے، اس لئے میں نے اپنے چند آدمیوں کو تمہارا دوست بننے کیلئے کہا اور اپنی چالاکی میں کامیاب بھی رہا۔

شہزادے نے کہا'' آپ چلے جائیں اور میں کل آپ کا قرض چکا دوں گا۔''

بادشاہ نے کہا'' ٹھیک ہے، مگر میرے یہ فوجی یہاں رہیں گے''۔

یہ کہہ کر بادشاہ چلا گیا اور شہزادہ اپنے تخت پر بیٹھ کر رونے لگا اور سوچنے لگا'' ۔ میں عوام کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ میں نے اپنے باپ کی جاگیر تو برباد کر دی، ساتھ ہی اس کی عزت بھی خاک میں ملا دی۔ وہ ٹھیک کہتے تھے کہ میرے یہ دوست لالچی تھے، مگر میں نہ سمجھ پایا۔ یہی سوچتے سوچتے وہ اپنے تخت پر بیٹھا رو رہا تھا کہ کل میں قرض کیسے چکا پاؤں گا کہ اچانک اسے اپنے باپ کی بات یاد آئی کہ جب تجھ پر تیرے دوستوں کی اصلیت کھل جائے تو خودکشی کر لینا۔

یہ یاد آتے ہی شہزادے نے ایک رسا لیا اور اسی کمرے میں گیا۔ باپ کی ہدایت کے مطابق اس نے مرنے کیلئے وہی کمرہ ڈھونڈ کر کنڈے سے رسا باندھا اور نیچے میز رکھ لی۔ اس نے گلے میں رسا باندھ کر آخری دفعہ اللہ کو یاد کیا کلمہ پڑھا اور میز کو ٹھوکر مار دی۔ جیسے ہی میز پاؤں کے نیچے سے ہٹی تو ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ شہزادے کی لاش چھت سے لٹکتی رہتی، مگر ایسا نہ ہوا بلکہ شہزادہ دھڑام سے نیچے گر گیا اور وہ کنڈا جہاں لگا تھا وہاں سے ایک در کھل گیا جس میں سے اشرفیاں نیچے گرنا شروع ہو گئیں۔

شہزادہ حیران و پریشان گرتی ہوئی اشرفیوں کو دیکھنے لگا مگر اشرفیاں تھیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔ اتنی اشرفیاں گریں کہ شہزادے کا پورا کمرہ بھر گیا، مگر اشرفیاں نہ ختم ہوئیں۔

شہزادہ بھاگ کر گیا وضو کیا اور اللہ کے حضور سجدہ کر لیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔ اپنے مایوس ہو کر خودکشی کرنے والے فعل کی معافی مانگی، اپنے باپ کی عقلمندی پر رشک کیا۔

صبح کو جب دوسری ریاست کا بادشاہ جاگیر پر قبضہ کرنے کیلئے آیا تو اس کو دھوکہ دہی کے الزام میں گرفتار کر کے اپنی نیک نیتی سے اس کی ریاست پر حکومت کا اعلان کیا۔ دونوں ریاستوں کے غریبوں، مسکینوں کی امداد بھی کی اور ایک نیک دل بادشاہ بن کر سب کے دل میں جگہ بنالی۔

سبق : ہمیں چاہیے کہ ہم ہمیشہ اپنے بڑوں کا کہنا مانیں۔ راہ راست پر چلیں اور برے دوستوں کی صحبت سے بچیں۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رات کی بات

آج تم بچے ہو، کبھی میں بھی بچہ تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ تم خدا کے فضل سے ایک دن میری طرح بڑے ہو جاؤ گے۔ لیکن میں بچہ کبھی نہیں بن سکوں گا۔ یعنی جس منزل پر میں آج ہوں اس پر تم پہنچ سکتے ہو۔ لیکن جو منزل میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں اس پر میں دوبارہ نہیں پہنچ سکتا۔

جس طرح آج تم شرارتیں کرتے ہو اسی طرح کبھی میں بھی کیا کرتا تھا۔ آج ایسی ہی شرارت کا قصہ سن لو۔

ایک دن ہمارے شہر میں ایک پکچر آئی جس کا نام تھا "ٹارزن" اس فلم کا ہیرو ایک باڈی بلڈر اسمارٹ نوجوان تھا۔ اس ایکٹر کی پہلی فلم میں اور میرے دوست دیکھ چکے تھے۔ اس میں دکھایا گیا تھا کہ ایک انسان کا بچہ جنگل کے جانوروں میں پل کر جوان ہوتا ہے اور بڑا ہو جانے پر وہ جنگلی جانوروں کا راجہ بن جاتا ہے۔ دو شکاری افریقہ کے جنگلوں میں شکار کھیلنے کے لئے جاتے ہیں ٹھیک یاد نہیں شاید ان کا مقصد ہاتھی کے دانت حاصل کرنا تھا۔

بس کچھ اسی طرح کی کہانی تھی۔ ہمارے لیے فلم کا زیادہ دل چسپ پہلو تھا جنگل کے مناظر، افریقی قبائلی لوگوں کے حملے اور لڑائیاں، جنگل کے خوفناک جانور اور ٹارزن کا ان سے مقابلہ۔ ہم سب اس فلم سے بہت لطف اندوز ہوئے اور اب ان ہی ایکٹروں کی نئی فلم آئی تو فلم کے شوقین لڑکوں میں تہلکہ سا مچ گیا۔ کچھ لڑکے جھٹ پٹ فلم دیکھ بھی آئے۔ انہوں نے ایسی ہوا باندھی کہ میں اور میرا ایک دوست شفیق بے چین ہو اٹھے کہ کسی طرح جلد از جلد اس فلم کو دیکھیں۔

مشکل یہ تھی کہ ماں باپ فلم دیکھنے کی آسانی سے اجازت نہیں دیتے تھے۔ دن کے وقت اسکول میں رہنا پڑتا تھا۔ شام کو ساڑھے چھ بجے کا شو دیکھیں تو رات دیر سے گھر پہنچنے پر باز پرس ہوتی۔ کریں تو کیا کریں۔

بہت سوچ بچار کے بعد شفیق نے چہک کر کہا "یار مجھے اپنے لیے ایک بہت عمدہ ترکیب سوجھی ہے"۔

"وہ کیا۔۔۔۔۔؟"۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں گھر پر کہہ دوں گا کہ آج شام تمہارے یہاں میری دعوت ہے۔ ہمارا تمہارا گھر ڈیڑھ دو میل کی دوری پر ہے۔ نہ کسی کو شک ہوگا کون پوچھنے جائے گا تمہارے گھر پر۔۔۔۔۔!"۔

واقعی ترکیب اچھی تھی۔ ہم دونوں کے والدین کی آپس میں راہ و رسم نہیں تھی اور نہ وہ ایک دوسرے کے گھر جاتے تھے اس لیے اچانک پول کھل جانے کا اندیشہ نہیں تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شفیق بولا ''اب تم بتاؤ تم کون سی ترکیب لڑاؤ گے؟''۔

میں نے جواب دیا ''نئی ترکیب ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں بھی یہی ترکیب استعمال کروں گا''۔

''یعنی۔۔۔۔۔؟''۔

''یہی کہ میری دعوت تمہارے گھر پر ہے''۔

''ارے واہ! بس تو ہم دونوں کل شام کا شو دیکھیں گے''۔

ہماری یہ ترکیب کامیاب رہی۔ دوسری شام کو ہم دونوں ٹکٹ لے کر سینما ہال میں اندر جا بیٹھے۔ پکچر شروع ہوئی تو دل بلیوں اچھلنے لگا۔ افریقہ کی پراسرار فضا ہماری آنکھوں کے سامنے تھی۔ شکاریوں اور قلیوں کا قافلہ جنگلوں کو چل دیا۔ یہ کئی دن کا سفر تھا۔ راستے میں بہت سنسنی خیز واقعات پیش آئے۔ آخر ٹارزن کی مہیب آواز ہمارے کانوں میں پڑی تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جب ٹارزن کو جین کے ہمراہ دیکھا تو جی خوش ہو گیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے برسوں کے بچھڑے دوستوں سے ملاقات ہو رہی ہے۔

ہمیں یہ فلم پہلے کی فلم سے بھی بہتر لگی۔ اس میں ٹارزن نے زیادہ جانوروں کے ساتھ مقابلہ کیا تھا۔ ایک منظر میں اس نے پانی کے نیچے ہی نیچے ایک مگرمچھ کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اور وہ بھی صرف ایک لمبے سے چاقو کی مدد سے۔ اس فلم نے ہماری ہر امید کو پورا کیا۔ کسی بات کی کسر باقی نہیں رکھی گئی تھی۔

فلم ختم ہو جانے پر ہمیں محسوس ہوا کہ ہمیں بہت زور کی بھوک لگی ہے۔ جیب میں کھانے کے لیے پیسے نہیں تھے۔ دو پیسے کی مونگ پھلی لے کر کھائی۔ مگر وہی بات ہوئی کہ اونٹ کے منہ میں زیرہ! تھوڑی سی مونگ پھلی کھا لینے سے بھوک اور بڑھ گئی۔

اس مسئلہ کا کوئی حل دکھائی نہیں دیتا تھا۔ مجبوراً میرا دوست اپنے گھر کو روانہ ہو گیا اور میں اپنے مکان کو چل دیا۔ گھر پہنچنے تک بھوک کی شدت سے برا حال تھا۔ گھر والوں کی نظر میں دعوت کھا کر آیا تھا۔ کیوں کر کہتا کہ مجھے کھانا چاہیئے۔

گرمیوں کا موسم تھا۔ گھر کے سب لوگ چھت پر اپنے اپنے بستر پر لیٹ چکے تھے۔ میں بھی لیٹ گیا۔ مگر پیٹ میں چوہے کبڈی کھیل رہے تھے۔ نیند کیسے آتی! بہت چاہا کہ آنکھیں میچ کر سو جاؤں مگر بے سود۔ ابو کے خراٹوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں چپکے سے اٹھا اور دبے پاؤں سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا۔ سوچا کہ باورچی خانے کی تلاشی لی جائے۔ ممکن ہے بچی کھچی ایک دو روٹیاں مل جائیں۔ کنڈی کھول کر اندر گیا۔ ابھی میں نے تلاش شروع کی بھی نہیں تھی۔ پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ مڑ کر دیکھا دروازے میں امی کھڑی تھیں۔ میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گویا وہ جاگ رہی تھیں اور میرے پیچھے پیچھے نیچے اتر آئی تھیں۔ انہوں نے سوال کیا۔ ''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں نے سر جھکا دیا۔ خاموش رہ گیا۔ کوئی بھی جواب سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔

"تو کیا دعوت کے بہانے سے سینما دیکھنے گئے تھے؟"۔

میں نے "ہاں" میں سر ہلا دیا۔

"کون سی پکچر دیکھی"؟ امی نے پوچھا۔

"ٹارزن" میں نے جواب میں بتایا۔

"اب تم سمجھ گئے ہوگے کہ پکچر دیکھ کر پیٹ کی بھوک نہیں مٹ سکتی۔ اگر روٹی کے بجائے اب تمہیں ابو کے ہاتھ کی مار کھانی پڑے تو کیسی رہے گی؟"۔

میں دل ہی دل میں پچھتا رہا تھا۔ رندھی ہوئی آواز میں بولا "اب میں جھوٹا بہانہ کبھی نہیں کروں گا"۔

میں نے اپنے دونوں کانوں کو انگلیوں سے پکڑ کر زور سے کھینچ دیا۔

"ٹھیک ہے میں پہلے ہی بھانپ گئی تھی کہ تم جھوٹا بہانہ بنا کر جا رہے ہو۔ اب کے تم کو معاف کیا۔ آئندہ ایسی حرکت کی تو ابو کے ہاتھوں ایسی مار پڑے گی کہ بس عمر بھر یاد رکھو گے"۔

امی نے میرے لیے پورا کھانا تیار کر رکھا تھا۔ وہ کھایا تو بستر پر لیٹتے ہی نیند آ گئی۔

دوسرے دن صبح کو جاگا تو ابو نے آواز دے کر بلایا۔ دل دہل گیا کہ کہیں امی نے شکایت نہ کر دی ہو۔ ڈرتے ڈرتے ان کے سامنے پہنچا تو وہ بولے "بیٹا! تم بھی اپنے دوست کو کھانے پر ضرور بلانا۔ دوسرے کے یہاں کھانا مناسب نہیں ہوتا"۔

میں بہت شرمندہ ہوا۔ فیصلہ کر لیا کہ اب کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔

بعد میں پتہ چلا کہ شفیق کو بھی اس رات بھوکا ہی رہنا پڑا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سچّی خوشی

''لو آ گئی نیلم صاحبہ''نیلم کو اسکول میں داخل ہوتے دیکھ کر مونا نے اپنی سہیلیوں سے کہا۔''آج پھر صبح ہی صبح اس کی شکل دیکھ لی ہے، اب یقیناً سارا دن ہی خراب گزرے گا''۔

وہ بہت غرور سے یہ کہتی ہوئی اسمبلی گراونڈ میں چلی گئی جہاں اسمبلی کی تیاری تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔

نیلم ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے والد وفات پا چکے تھے۔ اس کی والدہ لوگوں کے گھروں میں کام کر کے اپنا اور نیلم کا پیٹ پالتی تھی۔ نیلم کے والد کا یہ خواب تھا کہ نیلم پڑھ لکھ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرے، لیکن وقت نے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے۔ اب نیلم کی والدہ اپنے مرحوم شوہر کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے دن رات محنت کر رہی تھیں۔

دوسری طرف مونا ایک اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ بہت مغرور اور بد دماغ لڑکی تھی۔ غریبوں سے سخت نفرت کرتی تھی۔ اس کے خیال میں غریب لوگوں کو جینے کا کوئی حق نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے وہ اکثر و بیشتر نیلم کو تنگ کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی۔

نیلم مونا کے رویے کی شکایت کسی سے نہ کرتی بلکہ زیادہ تر کوشش کرتی کہ اس کا سامنا مونا سے کم سے کم ہو لیکن ایک اسکول اور ایک ہی کلاس میں ہونے کی وجہ سے یہ ناممکن سی بات تھی۔ نیلم اپنا زیادہ تر وقت پڑھائی میں گزارتی۔ وہ خوب دل لگا کر پڑھتی، ساری کلاس میں اسے نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ وہ اپنے تمام اساتذہ کا دل سے احترام کرتی، اساتذہ بھی اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور نیلم کی مزید حوصلہ افزائی کرتے اور دوسرے طالب علموں کو اس کی مثالیں دیتے۔ یہ تمام باتیں مونا کو بہت ہی بُری لگتیں کیونکہ وہ نہایت ہی نالائق لڑکی تھی اور اساتذہ کا بھی احترام نہیں کرتی تھی۔

ایک دن مونا اپنے خیالوں میں گم یہ سوچ رہی تھی کہ وہ نیلم کو اساتذہ کی نگاہوں میں ضرور گرا کر رہے گی۔ وہ اس کے متعلق پلان بنانے میں اتنی گم تھی کہ اسے پتا نہ چلا کہ اچانک اس کا پاؤں اکھڑا اور وہ سیڑھیوں سے گرتی چلی گئی۔ نیلم نے جو دیکھا کہ مونا سیڑھیوں سے گر گئی ہے تو وہ بھاگ کر اس تک پہنچی اور مونا کو اٹھنے میں مدد دی۔ مونا کے پاؤں میں موچ آ گئی تھی اور اسے چلنے میں بہت دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

نیلم نے جیسے تیسے کر کے اسے گھر تک پہنچایا۔ ڈاکٹر نے مونا کو چند دن کیلئے مکمل بیڈ ریسٹ کرنے کی تلقین کی۔ ادھر ہر شام مونا کی عیادت کیلئے جاتی رہی۔ بستر پر پڑے پڑے مونا بور ہو جاتی۔ اب وہ اکثر پچھلی باتوں کو ذہن میں دہراتی اور اپنی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حرکتوں پر بہت ندامت محسوس کرتی۔

وہ نیلم کے حُسن سلوک سے بہت متاثر تھی، وہ سوچتی کہ اگر نیلم میری بروقت مدد نہ کرتی تو جانے مجھے کتنی تکلیف برداشت کرنی پڑتی۔

پھر ایک شام مونا نے دل سے نیلم سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگی۔ نیلم نے مسکرا کر کہا" پیاری دوست، کیسی باتیں کر ہو۔ مجھے تو کچھ یاد نہیں، اس لئے تم بھی پچھلی باتوں کو بھول جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سب کو آپس میں پیار و محبت سے رہنا چاہئے۔ ویسے بھی اسلام ہمیں اخوت اور رواداری کا درس دیتا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے یہ عہد کرو کہ آئندہ کوئی بھ ایسا کام نہیں کروگی جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔

مونا نے پھر اپنے اللہ سے یہ عہد کیا کہ وہ کبھی بھی کسی کی دل آزادی نہیں کرے گی۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے کا آنے کی کوشش کرے گی اور غریبوں سے نفرت کبھی نہیں کرے گی۔ اب مونا نہ صرف ایک اچھی لڑکی بن گئی بلکہ وہ جو پہلے نماز او روزے کا بالکل بھی اہتمام نہیں کرتی تھی اس رمضان المبارک میں اس نے نہ صرف روزے رکھے بلکہ تمام نمازیں بھی ادا کیں او پور۔ بذوق وشوق کے ساتھ ادا کیں۔ عید پر اسے پہلی بار یہ احساس ہوا کہ عید کا اصل لطف کیا ہوتا ہے اور اللہ کی رضا پر چلنے سے انسان کو کتنا سکون اور راحت ملتی ہے اور کیا کیا نعمتیں بھی حاصل ہوتی ہیں۔

پیارے بچو، اس طرح مونا نہ صرف ایک اچھی بچی بن گئی بلکہ وہ ہر دلعزیز لڑکی بھی بن گئی اور اسے نیلم کی صورت م ایک سچی کھری اور ہمدرد دوست بھی مل گئی جو نہ صرف اچھی باتوں کو اپنانے میں اس کی رہنمائی کرتی بلکہ پڑھائی کے معاملے م اس کی خوب مدد کرتی۔ یہ ہے حقیقی اور سچی خوشی۔

سبق : سچ ہے جو کسی کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ اس گڑھے میں خود گر جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شہزادی دلنشین

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی ملک پر ایک رحمدل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی طرح رعایا کی فلاح کیلئے کام کرتا تھا۔ اس بادشاہ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بادشاہ اس وجہ سے بہت پریشان تھا، اس کی رعایا بھی بہت پریشان تھی اور ہر وقت دعا کرتی رہتی تھی کہ بادشاہ کے ہاں اولاد ہو جائے۔

ایک دن بادشاہ کے محل کے پاس سے ایک فقیر گزرا اس نے صدا لگائی کہ اللہ کے نام پر ایک روٹی دے دو۔ بادشاہ نے ی وقت اپنے خادم سے کہا کہ فوراً اس کو روٹی دے آؤ۔ خادم جلدی سے گیا اور اس کو روٹی دے آیا۔ فقیر نے بادشاہ کو بہت سی عائیں دیں اور چلا گیا۔

تھوڑے دنوں کے بعد بادشاہ اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں وہی فقیر آ گیا اور بادشاہ سے کہا کہ آپ اجازت یں تو میں ایک بات کہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ آپ نے جو بات بھی کرنی ہے وہ ضرور کریں۔ فقیر نے کہا کہ آپ اپنے تخت سے ٹھے اور نیچے آجائیں۔ بادشاہ فوراً نیچے آ گیا۔ پورا دربار کھڑا ہو گیا اور حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگا۔ فقیر نے بادشاہ سے ر کہا کہ اپنے تخت پہ جا کر بیٹھ جائیں اور بادشاہ اپنے تخت پہ بیٹھ گیا اور فقیر یہ کہہ کر غائب ہو گیا کہ میں پھر آؤں گا۔ باشاہ حیران و گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

رات کو جب بادشاہ کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا تو وہی فقیر پھر آیا اور کہنے لگا کہ میں ایک فرشتہ ہوں اور تمہارا امتحان لینے آیا ھا۔ تم اس امتحان میں پاس ہو گئے ہو۔ بتاؤ تمہاری خواہش کیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میری تو صرف ایک ہی خواہش ہے کہ میری لاد ہو جائے۔ فقیر نے اسی وقت بادشاہ کو ایک عجیب و غریب قسم کا پھل دیا اور کہا کہ یہ اگر ملکہ کو کھلایا جائے تو ملکہ کے ہاں اولاد ہو تی ہے، یہ کہہ کر فقیر غائب ہو گیا۔ صبح ہوئی تو بادشاہ ملکہ کے پاس گیا اور اسے وہ پھل دے دیا، ملکہ نے وہ پھل کھا لیا۔

کچھ ہی دنوں کے بعد ان کے ہاں بہت ہی پیاری سی بچی ہوئی اس کا نام شہزادی دلنشین رکھا گیا۔ پورے ملک میں جشن منایا گیا۔ شہزادی دلنشین بہت ہی خوبصورت تھی، اس نے بچپن میں ہی تلوار بازی، گھڑ سواری اور بہت سے دوسرے فنون سیکھ لئے اور ان سب میں مہارت حاصل کر لی۔

ایک دن وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ باغ میں سیر کر رہی تھی کہ اچانک ایک جن حاضر ہوا اور شہزادی کو اٹھا کر لے گیا۔ ر جب بادشاہ کو پتا چلا تو وہ بہت پریشان ہوا اور ملک میں اعلان کرایا کہ جو کوئی بھی شہزادی دلنشین کو ڈھونڈ کر لائے گا اس کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شادی شہزادی دلنشین سے کردی جائے گی۔ بہت سے بہادر نوجوان شہزادی کی تلاش میں گئے لیکن ناکام ہوئے۔ ملکہ نے رو رو کر برا حال کر دیا تھا۔

ایک دن ایک ملک سے شہزادہ گلفام آیا۔ وہ بھی شہزادی کی تلاش میں چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ ایک جنگل میں پہنچ گیا اور رات ہوگئی۔ وہ ایک درخت کی شاخ پر لیٹ کر سو گیا۔

خواب میں اسے ایک بزرگ دکھائی دیئے، وہ کہہ رہے تھے کہ شہزادی دلنشین کو کالو جن اٹھا کر لے گیا ہے۔ کیونکہ وہ شہزادی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ بہت طاقتور جن ہے اس لئے میں تمہیں ایک انگوٹھی، تلوار اور اڑنے والا قالین دیتا ہوں۔ جب تم انگوٹھی پہنو گے تو وہ تمہیں نہیں دیکھ سکے گا اور تلوار کے ایک ہی وار سے جن ہلاک ہو جائے گا اور یہ قالین تمہیں جن تک پہنچا دے گا۔ جلدی کرو بیٹا دیر نہ کرو نہیں تو اسے پتا چل جائے گا، جلدی کرو۔

یہ کہہ کر بزرگ چلے گئے اور شہزادے گلفام کی آنکھ کھل گئی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے پاس بزرگ کی دی ہوئی تینوں چیزیں موجود تھیں۔ صبح ہوگئی تھی اس لئے شہزادہ گلفام نے قریبی چشمے سے منہ ہاتھ دھویا اور نماز پڑھ کر اڑنے والے قالین پر بیٹھ گیا اور قالین اڑنے لگا۔ پانچ منٹ کے بعد شہزادے نے محسوس کیا کہ قالین جن کے محل میں پہنچ گیا ہے اس لئے شہزادے نے جلدی سے انگوٹھی پہن لی اور اندر داخل ہوگیا۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو ایک بڑے کمرے میں گیا اور وہاں اس نے دیکھا کہ شہزادی ایک پلنگ پر سوئی ہوئی ہے۔ شہزادے کی آہٹ سے شہزادی جاگ گئی اور کہنے لگی۔

''شہزادے تم یہاں سے چلے جاؤ، خدا کیلئے تم یہاں سے چلے جاؤ نہیں تو جن تمہیں مار دے گا''۔ شہزادے نے کہا کہ ''شہزادی تم گھبراؤ نہیں کیونکہ میں نے ایک ایسی انگوٹھی پہنی ہوئی ہے جس سے مجھے جن نہیں دیکھ سکتا'' پھر شہزادی نے کہا کہ میرے پاس ایک ترکیب ہے کہ میں کسی طرح جن سے پوچھ لوں کہ تمہاری جان کس چیز میں ہے''۔ ابھی شہزادی نے یہ بات کہی ہی تھی کہ ایک دم جن کمرے میں آدم بو آدم بو کہتا ہوا داخل ہوا۔ شہزادی اسے دیکھ کر مسکرانے لگی اور کہا کہ جن تمہیں تو ایسے ہی وہم ہوگیا ہے، یہاں پر میرے اور تمہارے سوا کوئی بھی نہیں ہے اور میں نے آج ایک فیصلہ کیا ہے۔ جن نے پوچھا کہ تو نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ شہزادی نے کہا ''میں نے تم سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے''۔ جن ایک دم بہت خوش ہوگیا۔ شہزادی نے کہا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری جان کس چیز میں ہے۔ جن نے کہا'' کیوں تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟'' شہزادی نے کہا ''میں اس لئے پوچھ رہی ہوں تاکہ کوئی تمہیں ختم نہ کر دے''۔

جن نے یہ سن کر ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا کہ میری جان کو ختم کرنا اتنا آسان نہیں کیونکہ میری جان ایک ہار میں ہے جو اس درخت کی سب سے اوپر والی ٹہنی پر لٹکا ہوا ہے اور اس درخت کی حفاظت ایک شیش ناگ کر رہا ہے اور اگر وہ ہار کسی کو مل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گیا پھر بھی میں نہیں مروں گا بلکہ میرا ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ کٹے گی اور اگر اس نے جس کے پاس ہار ہوگا، اس نے دوسری ٹانگ پر وار کیا تو میں دوبارہ ٹھیک ہو جاؤں گا اور میرے اندر پہلے سے دوگنی طاقت آجائے گی، یہ کہہ کر جن چلا گیا۔

شہزادہ گلفام بھی یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اس نے شہزادی سے کہا کہ تم فکر نہ کرو، میں جلد آؤں گا تم دعا کرنا۔ پھر شہزادہ قالین پر جا بیٹھا اور اسے شیش ناگ کے پاس جانے کا حکم دیا۔۔ قالین تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی پہاڑی ہے اور پہاڑی کے سب سے اوپر ایک بہت ہی خوبصورت درخت ہے اور اس کی سب سے اوپر والی ٹہنی پر ایک بہت خوبصورت ہار لٹکا ہوا ہے۔ جس میں سے سات قسم کی روشنی نکل رہی ہے۔

شہزادے نے پہاڑی پر پہلا قدم رکھا ہی تھا کہ ایک بہت بڑا کالا ناگ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ شہزادہ پہلے تو ڈر گیا لیکن پھر ہمت کر کے آگے بڑھا اور پے در پے وار کر کے ناگ کو مار دیا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور درخت سے وہ ہار لے لیا۔

پھر شہزادہ واپس قالین پر آ گیا اور اسے اڑنے کا حکم دیا۔ قالین تھوڑی دیر کے بعد شہزادی کے پاس پہنچ گیا۔

جب وہ شہزادی کے پاس پہنچا تو اسی وقت جن بھی آ گیا۔ جن نے جب شہزادے کے ہاتھ میں وہ ہار دیکھا تو اس کی منتیں کرنے لگا کہ خدا کے لئے یہ ہار چھوڑ دو لیکن شہزادے نے اسی وقت ہار کو توڑ دیا۔ ہار کو توڑتے ہی اس نے دیکھا کہ جن تڑپ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میری دوسری ٹانگ پر بھی وار کرو لیکن شہزادے نے دوسری ٹانگ پہ وار نہیں کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جن تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ جن کے مرتے ہی ایک زوردار دھماکا ہوا اور سب کچھ غائب ہو گیا۔ جب دھواں چھٹا تو شہزادے نے اپنے آپ کو اور شہزادی کو ایک میدان میں پایا۔ وہ دونوں قالین پر بیٹھ گئے اور شہزادے نے قالین کو حکم دیا کہ محل میں چلو۔ کچھ ہی دیر کے بعد شہزادہ اور شہزادی محل میں پہنچ گئے۔ محل میں پہنچتے ہی بزرگ کی دی ہوئی تینوں چیزیں غائب ہو گئیں۔

بادشاہ کو جب سب معاملے کا پتا چلا تو وہ بہت خوش ہوا۔ شہزادہ اور شہزادی کی شادی ہو گئی اور اس کے بعد بادشاہ نے ساری سلطنت شہزادے کو سونپ دی اور خود یاد الٰہی میں مصروف ہو گیا اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اڑنے والا صندوق

پیارے ساتھیو! مونس بہت اچھا اور نیک لڑکا تھا۔ اس کے ماں باپ بچپن میں ہی وفات پا چکے تھے۔ وہ اپنے استاد صاحب کے پاس رہا کرتا تھا۔ استاد اپنے سگے بچّوں کی طرح اس کی پرورش کر رہا تھا۔ اُس نے مونس کو کبھی احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ ایک یتیم بچہ ہے۔ بلکہ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا تھا۔

ایک دن اس کے استاد صاحب بہت بیمار پڑ گئے۔ اس نے استاد صاحب کی خدمت اور تیمارداری میں دن اور رات ایک کر دیا، مگر استاد صاحب کی بیماری روز بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ دن بہ دن کمزور ہوتا جا رہا تھا اور مونس اپنے استاد کی حالت دیکھ کر کافی پریشان تھا۔ ایک دن استاد صاحب نے مونس کو بلا کر اس سے کہا۔

بیٹا تم نے میری بہت خدمت کی ہے۔ تمہیں اس کا صلہ ضرور ملنا چاہئے۔ میرے مرنے کے بعد میرے سامان میں تمہیں ایک صندوق ملے گا۔ اسے ایک سنہرا قفل لگا ہوا ہوگا۔ یہ صندوق بہت کرامات والا ہے۔ تم اسے جو حکم دوگے وہ کرے گا، لیکن کبھی بھی اس صندوق کا قفل مت کھولنا۔ کیونکہ اس کے اندر میری بہت قیمتی چیزیں ہیں۔ اور اگر تم نے اسے کھول دیا تو ہرگز اچھا نہیں کروگے"۔

مونس نے وعدہ کیا کہ وہ کبھی ایسا نہ کرے گا بلکہ ہمیشہ اس کے ذریعے لوگوں کی مدد کرے گا۔ دو چار دن کے بعد استاد صاحب اس دنیا سے چل بسے، مونس نے اپنے ایک دوست کی مدد سے کفن دفن کے تمام فرائض ادا کئے اور پھر استاد صاحب کی وصیت کے مطابق صندوق لے کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس نے یہ آزمانے کیلئے کہ صندوق واقعی کراماتی ہے یا نہیں؟ اس نے صندوق کو حکم دیا۔ "صندوق چل مجھے بادلوں کی سیر کروا دے"۔ پھر مونس صندوق پر بیٹھ گیا تب اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب صندوق واقعی اڑنے لگا۔ مونس نے کافی دیر بادلوں کی سیر کی پھر نیچے اتر آیا۔

اس کے بعد مونس نے صندوق کی مدد سے بہت سے بھلائی کے کام کرنے شروع کر دی۔ ہر شخص مونس کے پاس آ کر اپنا دکھڑا سناتا اور وہ بخوشی سب کے کام آتا رہتا۔ وہ صندوق کو جو بھی حکم دیتا پلک جھپکنے میں وہ کام ہو جاتا۔ چند دنوں میں مونس اور اس کے صندوق کی شہرت اتنی زیادہ ہو گئی کہ ملک کے بادشاہ تک جا پہنچی۔۔ چنانچہ بادشاہ کے دل میں بھی اس عجیب و غریب صندوق کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا اس کے ساتھ بادشاہ کی لاڈلی بیٹی شہزادی حبیبہ نے بھی صندوق دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بادشاہ نے مونس کو اپنے دربار میں بلایا اور تفصیل سے صندوق کے بارے میں پوچھا۔ مونس صندوق کی خوبیاں بتا کر سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

بادشاہ کو مونس کی باتیں بہت اچھی لگیں تو بادشاہ نے اپنی پیاری بیٹی حبیبہ کی شادی مونس سے طے کر دی اور کہا کہ...

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھلائی اور نیکی کے کام اسی طرح کرتا رہے، مونس کو اب اپنے آپ پر بہت فخر محسوس ہونے لگا۔ اسے یہ سوچ کر بڑی خوشی ہو رہی تھی کہ بادشاہ کی بیٹی سے اس کی شادی طے ہو رہی ہے اور جلد سے جلد وہ اس ملک کا بادشاہ بن جائے گا۔

مونس اور شہزادی کی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ ہر کوئی مونس کو سر آنکھوں پر بٹھا لیتا، آداب بجا لاتا، تعریف کرتا اور اس کی قسمت پر رشک کرتا۔ سب لوگوں کے منہ سے اپنی تعریف سن کر مونس کا ضمیر اب غرور میں بدلنا شروع ہو گیا۔ اسے سب لوگ چھوٹے نظر آنے لگے۔ وہ اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھنے لگا۔

اب وہ ہر وقت اپنے آپ میں مگن رہتا۔ اگر کوئی مصیبت کا مارا اس کے پاس مدد مانگنے آتا تو وہ اس سے ملنے تک نہ جاتا، بلکہ ایک دن تو ایک بزرگ آدمی کو یہ تک کہہ دیا کہ میں نے ہر مصیبت دور کرنے کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا۔

آخر وہ مبارک دن بھی آ گیا جس دن مونس اور شہزادی حبیبہ کی شادی تھی۔ اُس دن مونس بہت خوش تھا۔ اس کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ شادی کے دوسرے دن ایک دُکھی عورت مونس کے پاس روتی ہوئی آئی اور بولی بیٹا میری بچی کو ایک آدمی اغواء کر کے لے گیا ہے۔ تم فوراً اپنے جادو کے صندوق پر جاؤ اور اُسے پکڑ کر لے آؤ۔ وہ شہر جنوب کی طرف گیا ہے مونس کو بہت غصہ آیا اور اس نے عورت کو جھڑک کر واپس بھیج دیا عورت مونس کے جھڑکنے پر رو دھو کر چلی گئی۔ مونس پر اس کی بیچارگی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ پھر وہ صندوق کے پاس آیا۔ کافی دیر وہاں بیٹھا رہا اور پھر اس نے سوچا کہ آج وہ صندوق کا قفل ضرور کھولے گا۔ کیونکہ اب وہ بہت امیر ہو چکا تھا۔ مونس نے ہتھوڑا اٹھایا اور صندوق کا تالا توڑ دیا۔ صندوق کو کھول کر دیکھا تو اس کے اندر کچھ نہ تھا۔ صرف ایک چھوٹا سا رقعہ رکھا ہوا تھا۔۔۔۔ جس پر لکھا تھا "یہ صندوق جادو کا نہیں بلکہ اعتبار کا تھا۔ آج تم نے میرا اعتبار توڑ دیا ہے لہٰذا اب تم اعتبار کے قابل نہیں رہے۔ اس لئے صندوق کی طاقت میں واپس لے رہا ہوں۔ تمہیں تمہارے غرور کی سزا ضرور ملنی چاہئے"۔

مونس گھبرا گیا اور ایک لمحہ کے لئے اس نے اپنے آپ پر نظر ڈالی تو اسے لگا کہ وہ واقعی سزا کے قابل ہے۔ اس نے اپنے بزرگ استاد سے کیا ہوا وعدہ توڑ دیا تھا۔ صندوق کی کرامات سے فیض یاب ہونے اور لوگوں کی مدد کرنے کے بجائے اس نے غرور اور تکبر سے کام لیا۔ مونس سوچتا ہی جا رہا تھا۔ پھر جلدی سے اس نے صندوق کو بند کیا اور بزرگ استاد کو یاد کر کے معافی مانگی۔ مگر اسی وقت صندوق میں آگ لگ گئی۔ مونس چلانے لگا، چیخنے لگا۔ "ہائے میرا صندوق ہائے میرا صندوق"۔ استاد صاحب مجھے معاف کر دیں۔ ہائے میرا صندوق"۔ مگر اب پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ صندوق جل کر ختم ہو چکا تھا۔

اس کہانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بزرگوں سے کئے گئے وعدے کچھ مہینے بعد بھول کر توڑنا نہیں چاہئے۔ ورنہ سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ وعدہ کر کے اس پر ثابت قدم رہنا چاہئے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جہنمی مخلوق

سردیوں کی کہر آلود تاریک اور ویران رات تھی۔ دور افق میں اٹکے چاند اور ننھے مُنے جھلملاتے ستاروں کی دھندلی روشنی کہر کی چادر میں الجھ کر زمین تک پہنچ رہی ہے ناہموار راستے پر دو گھوڑے سرپٹ بھاگے جا رہے تھے اور جا بجا اُگی ہوئی لہراتی جھاڑیاں تاریکی میں یوں نظر آ رہی تھیں جیسے سینکڑوں چڑیلیں بیٹھی اپنے بال سکھا رہی ہوں۔

کمان سے نکلے ہوئے تیروں کی مانند گھوڑے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے ان کے سیاہ جسم شیش ناگ کی مانند چمک رہے تھے اور لباس ہوا میں لہرا رہے تھے۔ ایک گھوڑے پر ہنری اور دوسرے پر اسکی نو بیاہتا بیوی مارگریٹ بیٹھی تھی۔ وہ کچھ سہمی ہوئی تھی۔ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے ہنری کی طرف دیکھا اور بولی۔ ”ہنری! گاؤں ابھی کتنی دور ہے کہیں ہم راستہ تو نہیں بھٹک گئے۔“ ہنری نے کندھے سے لٹکتی بندوق پر ہاتھ پھیر کر قہقہہ لگایا۔ کھوکھلا قہقہہ...... خوف سے ہنری کے دل کی دھڑکن بھی بے ترتیب تھی۔ لیکن وہ اپنے خوف کا اظہار کر کے مارگریٹ کو مزید خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ ”نہیں مارگریٹ۔ ہم صحیح راستے پر جا رہے ہیں بس کچھ ہی دیر میں گاؤں پہنچ جائیں گے۔“

حقیقت یہ تھی کہ وہ بھٹک چکے تھے ہنری کو رہ رہ کر اپنی حماقت اور جلد بازی پر غصہ آ رہا تھا اگر وہ آج رات چچا کے ہاں ہی ٹھہر جاتا تو مناسب تھا وہ سوچ رہا تھا کہ کاش وہ چچا کی بات مان لیتا اور اس بھیانک اور اندھیری رات میں سفر سے باز رہتا۔ ہنری ایک خوبصورت نوجوان تھا گزشتہ ہفتے اس کی مارگریٹ سے شادی ہوئی تھی جو اس کے ساتھ میڈیکل سٹور میں کام کرتی تھی اب وہ چچا کے ہاں سے دعوت کھا کر اپنے گاؤں لوٹ رہا تھا۔

جزیرہ نما ٹیگورے، سکاٹ لینڈ کے جنوب میں واقع ہے اس وقت یہ علاقہ ساحل کے ساتھ ساتھ پھیلے پہاڑی سلسلوں میں واقع گھنے اور پُرخطر جنگلات پر مشتمل تھا پورے جزیرے پر صرف دو گاؤں واقع تھے اور انسانی آبادی چند ہزار افراد پر مشتمل تھی۔

گھوڑے اب گھنے جنگل میں سے گزر رہے تھے جنگل بڑا ہی بھیانک تھا بلند و بالا درخت یوں چپ چاپ کھڑے تھے گویا کسی نامعلوم خوف کے زیر اثر سکتے میں آ گئے ہوں۔ خوف و ہراس کی ایک مبہم پُراسرار کیفیت کی فضا سے بڑے بوڑھوں نے عجیب و غریب داستانیں منسوب کر رکھی تھیں۔ ہنری نے کبھی ان ضعیف الاعتقاد لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرا تھا۔

جنگل کی وحشتناک تاریکی اور خاموشی ہنری کے اعصاب کو لرزا رہی تھی اور سناٹا اس کی رگوں میں پگھلی ہوئی سنسنی بن کر چلا جا رہا تھا۔ اس پاگل کر دینے والی خاموشی کو چیرتی ہوئی مارگریٹ کی آواز ہنری کے کانوں میں پڑی وہ کہہ رہی تھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''ہنری۔ یہ ہم کہاں آ گئے ہیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ اف میرے خدا کس قدر بھیانک جگہ ہے یہ۔'' اب ہنری کو یہ اعتراف کرتے ہی بنی کہ وہ راستہ بھول چکا ہے۔ مارگریٹ نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

''اب کیا ہوگا ہنری۔؟

''حوصلہ رکھو مارگریٹ۔'' ہنری نے گھوڑا اس کے برابر لاتے ہوئے کہا

''کسی محفوظ جگہ رات گذار لیتے ہیں صبح کی روشنی ہمیں راستہ بتا دے گی۔''

مارگریٹ نے جواباً کچھ نہ کہا۔ برفیلی ہوا گویا ان کی ہڈیوں میں اتر رہی ہے جنگل میں گھوڑے دوڑاتے وہ نسبتاً کھلی جگہ آ گئے یکا یک انہوں نے دیکھا کچھ فاصلے پر کسی عمارت کا مہیب اور بڑا سا سایہ موجود ہے۔ تاریکی میں وہ عمارت یوں دکھائی دیتی تھی جیسے بوتل کا جن آزاد ہو کر اکڑوں بیٹھا ہو۔ ویران جنگل میں یہ عمارت کہاں سے آ گئی؟

یہ وقت ان سوالوں میں الجھنے کا نہیں تھا۔ ہنری جانتا تھا کہ اگر وہ کچھ دیر اور ٹھنڈی ہوا کے سمندر میں رہا تو اس کا خون رگوں میں جم سکتا ہے وہ عمارت کے پاس آ گئے یہ ایک پرانی حویلی تھی دیواروں پر لگا چونا اکھڑ چکا تھا اور اینٹیں باہر جھانک رہی تھیں لمبی گھاس اگی ہوئی تھی اور جنگلی بیلیں دیواروں سے لپٹی ہوئی تھیں۔

حویلی کے دروازے کا ایک پٹ زمین میں نصف سے زیادہ دھنسا ہوا تھا اور دوسرا غائب تھا روح فرسا خاموشی چھائی تھی مارگریٹ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہنری۔ اس جنگل میں یہ حویلی کہاں سے آ گئی۔ کون رہتا ہے اس میں؟'' ''ارے کوئی منچلا شکاری رہتا ہوگا۔'' ہنری نے اسے جھوٹی تسلی دی۔ حویلی کی حالت بتاتی تھی کہ وہ صدیوں سے اس جنگل میں کھڑی ہے وہ دونوں گھوڑوں سے اتر کر حویلی میں آ گئے گھوڑے دالان میں باندھ کر وہ اندرونی عمارت میں آئے یہ ایک بڑا ہال تھا جس کے خاتمے پر خوبصورت گیلری بنی ہوئی تھی آتش دان میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور اس کے پاس پڑی آرام دہ کرسی ہولے ہولے یوں ہل رہی تھی جیسے کچھ دیر پہلے کوئی اس پر سے اُٹھ کر گیا ہو ہال کا فرش بالکل صاف تھا گرد کا ایک ذرہ تک نہ تھا۔ ہنری کی آواز گونجی ''ہیلو۔ کوئی ہے۔''

اس صدا کا کوئی جواب نہ آیا۔ آتش دان کی لکڑیاں ابھی تازہ تھیں جیسے انہیں کچھ دیر پہلے ڈالا گیا ہو مارگریٹ خوفزدہ نظروں سے ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی کچھ دیر ہاتھ سینکنے کے بعد ہنری کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا ''میں اوپر کمرے دیکھ کر آتا ہوں ممکن ہے اس حویلی کا مکین سو رہا ہو یا اونچا سنتا ہو۔''

''رک جاؤ ہنری'' مارگریٹ نے کہا ''نہیں نہیں تم اوپر نہیں جاؤ گے میرا خیال ہے ہمیں اس حویلی سے فوراً نکل جانا چاہیے ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔'' مارگریٹ یہ کہتی ہوئی کرسی سے اُٹھ کر ہنری کے قریب آ گئی ''ٹھیک ہے میں نہیں جاتا گھبراؤ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مت۔'' وہ کرسیوں پر بیٹھ کر آتش دان میں ناچتے شعلوں کو گھورنے لگے خاصا وقت گزر گیا ہنری پر غنودگی سی چھا گئی لیکن اسی وقت وہ عجیب آواز اسے سنائی دی۔ لرزہ خیز اور پر اسرار آواز۔ ہنری کی ساری نیند ہوا ہو گئی اس نے مارگریٹ کی طرف دیکھا وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے سو رہی تھی۔ ہنری نے اس آواز پر کان لگا دیئے۔ تھپ تھپ۔ آواز ایسے تھی جیسے کوئی شے مینڈک کی طرح پُھدک پُھدک کر چل رہی ہے۔

آواز اوپر گیلری کی طرف سے آ رہی تھی، ہنری سکتے کے عالم میں بیٹھا اُدھر دیکھ رہا تھا آواز بدستور آ رہی تھی آخر یہ کون ہے؟ اس نے سوچا کیا اس حویلی کا مکین شرارت سے ہمیں ڈرانا چاہتا ہے یا کوئی بھوت پریت۔ ان سب باتوں کو جاننے کے لیے اس کا اوپر جانا ضروری تھا وہ بے خوفی سے اٹھا آتش دان سے ایک آدھ جلی لکڑی اٹھائی بندوق سنبھالے دبے پاؤں سیڑھی کی طرف بڑھا۔ اسے خیال آیا کہ اگر مارگریٹ جاگتی ہوتی تو اسے کبھی نہ جانے دیتی۔

بے آواز طریقے سے سیڑھیاں چڑھتا وہ اوپر گیلری میں آ گیا اس کے آگے ایک طویل راہداری سی تھی جس کے دونوں طرف مقفل کمروں کا ایک طویل سلسلہ چلا گیا تھا ہنری نے لکڑی کے جلتے ہوئے روشنی میں دیکھا گوشت پوست سے عاری مگر زندہ ہڈیوں کا پنجہ۔ مینڈک کی طرح پُھدک پُھدک کر ایک طرف جا رہا تھا۔ حیرت اور خوف سے ہنری کا منہ کھل گیا۔

دفعتاً وہ پنجہ غائب ہو گیا جیسے تھا ہی نہیں۔ ہنری نے اپنی آنکھیں مل کر دیکھا۔ پنجہ نہیں تھا اس نے سوچا کیا واقعی اس نے پنجہ دیکھا تھا یا اس کے وہم کا کرشمہ تھا۔ ابھی وہ انہی سوچوں میں گم تھا کہ خون منجمد کر دینے والی ایک روح فرسا چیخ اس کے کانوں میں سیسہ بن کر اترتی چلی گئی یہ چیخ نیچے ہال سے آئی تھی اور بلاشبہ یہ مارگریٹ کی چیخ تھی۔ ہنری دیوانوں کی طرح نیچے کو لپکا۔ مگر یہ کیا۔ مارگریٹ غائب تھی ''مارگریٹ مارگریٹ'' وہ ہذیانی آواز میں چلایا۔ بڑے ہال میں آواز کی بازگشت گونجنے لگی۔ کوئی جواب نہ آیا تھا ہنری باہر کو لپکا کہ اس کی نظر زمین میں گڑے بانس پر پڑی۔ یہ بانس پہلے تو یہاں نہ تھا۔ بانس کے سرے پر کوئی چیز لٹکی ہوئی تھی رات کی تاریکی میں وہ چیز صاف نظر نہ آ رہی تھی۔ چاندنی کی روپہلی مدہم روشنی اس چیز پر پڑ رہی تھی یکا یک ہوا کا جھونکا آیا اور ہنری کو علم ہو گیا کہ وہ کیا چیز ہے وہ مارگریٹ کا سر تھا کٹا ہوا سر۔ جس کے سنہری بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔

ایک طویل کربناک چیخ ہنری کے حلق سے نکلی۔ ساتھ ہی کوئی بڑے بھیانک انداز میں ہنسا تھا ہنری نے پلٹ کر دیکھا اور پھر لہو اس کی شریانوں میں جمنے لگا وہ ایک شیطانی عفریت تھی جس کے ہاتھوں کی بجائے خونخوار پنجے تھے گوشت پوست سے عاری استخوانی پنجے لہو رنگ آنکھوں کے گرد پیالہ نما حلقے تھے اس کے تازہ خون سے رنگے ہوئے بھدے ہونٹ بڑے خونخوار انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔ ناک اور کان بری طرح مسخ ہو چکے تھے آنکھوں کی پتلیاں بڑے خوفناک انداز میں حرکت کرتی ہوئی اس کے بدن کا طواف کر رہی تھیں ہنری ایک ایسا خوف محسوس کر رہا تھا جس کا اسے پہلے کبھی تجربہ نہ تھا۔ اور پھر وہ بھیانک انداز میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چیختا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔

اسے اپنے پیچھے تیز غراہٹ سنائی دی۔ وہ شیطانی مخلوق اس کا پیچھا کر رہی تھی ہنری نے پراسرار کہانیوں کی ایک کتاب میں پڑھ رکھا تھا کہ آسیب اور بدروحیں پانی عبور نہیں کر سکتیں۔ ہنری کے ہاتھ پاؤں قابو میں نہ تھے۔ پانی بہنے کی آواز اب اُسے سنائی دینے لگی تھی۔ دفعتاً اسے اپنے قریب ہی غراہٹ سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی شیطانی مخلوق کا پنجہ اس کے کندھے پر پڑا۔ ہنری کے حلق سے چیخ نکل گئی موت کو قریب پا کر اس کے قدموں میں گویا بجلی بھر گئی۔ ندی سامنے ہی تھی ہنری نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور ہوا میں اڑتا ہوا پانی میں جا گرا۔

ندی کے برف ایسے ٹھنڈے پانی نے اس کا جسم سُن کر کے رکھ دیا۔ ایک لمبے غوطے کے بعد پانی کی سطح پر ابھرا تو اس نے دیکھا وہ شیطانی مخلوق کنگرو کی مانند اچھلتی کودتی ندی کے ساتھ ساتھ دوڑ رہی ہے اس کے منہ سے کف جاری تھا اور تیز غراہٹیں ہنری کو سنائی دے رہی تھیں کچھ دور تک وہ ندی کے ساتھ ساتھ دوڑتی رہی اور پھر جنگل میں چلی گئی۔ ہنری بڑی مشکل سے تیرتا ہوا دوسرے کنارے تک پہنچا اور زمین پر گر کر ہانپنے لگا مارگریٹ کا خیال آتے ہی اس کا رواں رواں کانپ اٹھا وہ پاگلوں کی طرح اٹھا اور مارگریٹ۔ مارگریٹ کہہ کر چیختا ہوا گاؤں کی طرف دوڑنے لگا مگر ایک کھائی پھلانگتے ہوئے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ سینکڑوں فٹ نیچے گہرے کھنڈ میں گر رہا تھا اس کے حلق سے آخری چیخ نکلی اس کی کھوپڑی ایک پتھر سے ٹکرائی اور تربوز کی طرح پھٹ گئی۔ اس کا سارا جسم زور سے کانپا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا۔ گاؤں کے لوگوں کو آج بھی ہنری اور اس کی بیوی مارگریٹ کی تلاش ہے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ٹھگا ٹھگی

بہت دنوں کی بات ہے پڑوسی ملک بنگلہ دیش کے گاؤں میں ایک ٹھگ رہتا تھا جس کا نام شاہد تھا۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا ٹھگ سمجھتا تھا اور سوچتا کہ مجھے کوئی نہیں ٹھگ سکتا۔ قریب کے گاؤں میں ایک دوسرا ٹھگ رہتا تھا۔ اس کا نام نور تھا۔ جب اسے یہ پتا چلا تو اس نے سوچا کہ کیوں نہ شاہد کو نیچا دکھایا جائے۔ پھر اس نے اپنا سامان باندھا اور دوسرے گاؤں پہنچ کر شاہد کے سامنے والے خالی گھر میں رہنے لگا۔

اگلے دن نور میاں اپنی بھینس کیلئے چارا کندھے پر لادے گھر کے دروازے پر پہنچا تو شاہد کی نظر بورے پر پڑی۔ اس نے سوچا ہو نہ ہو اس میں ضرور کوئی قیمتی چیز ہے جو نور نے اسے یوں کندھے پر اٹھایا ہوا ہے۔ اس نے جلدی جلدی ایک بورے میں گھاس پھونس بھری اور اپنے دروازے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

نور نے اسے دیکھا تو اسے بھی یہی خیال آیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو سلام دعا ہوئی پھر شاہد نے پوچھا "تمہارے بورے میں کیا ہے؟"

نور بولا "گرم مصالحہ ہے"۔

پھر نور نے پوچھا تو شاہد نے بھی جھوٹ بول دیا اور بولا "چاول ہیں"۔

نور نے کہا "شاہد میرا ایک مرحوم بھائی تھا جس کی شکل بالکل تم جیسی تھی"۔

شاہد نے کہا "آج سے تم مجھے اپنا بھائی سمجھو اور ہمارے ہاں جب دو بزرگ آپس میں ملتے ہیں تو اپنی پگڑیاں بدل لیتے ہیں کیوں نہ ہم اپنے بورے بدل لیں"۔ دونوں نے اپنے بورے آپس میں بدل لئے اور گھر چلے گئے۔

شاہد خوش تھا کہ اس نے نور سے کوڑے کے بدلے گرم مصالحہ لے لیا۔ ادھر نور بھی خوش تھا کہ گائے کے چارے کے بدلے چاول کا بورا ٹھگ لیا۔ مگر جب اندر جا کر دونوں نے اپنے اپنے بورے کھولے تو پتا چلا دونوں نے ایک دوسرے کو تو ٹھگا مگر خود بھی ٹھگے گئے۔

اگلے دن شاہد نے ایک بڑی پتیلی میں پانی بھر کر چولہے پر رکھی اور گھر کے سارے دروازے کھول دیئے کہ نور دیکھے۔ جب نور نے دیکھا تو پوچھا "شاہد بھائی کیا پکا رہے ہو"

شاہد نے کہا "تم نے گرم مصالحے کی جو بوری دی تھی اسے بیچ کر میں نے مچھلی خریدی ہے۔ مگر کیا کروں ایندھن ختم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوگیا"۔

شاہد نے سوچا کہ مفت کی مچھلی مل جائے گی اور کہا "تم میری پتیلی میں اپنی مچھلیاں بھی ڈال دو"۔

نور ایک لفافہ اس طرح اٹھا لایا جیسے اس میں بہت سی مچھلیاں ہوں جب نور پتیلے کی طرف آیا تو اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"شاہد وہ دیکھو تمہاری چھت میں سوراخ ہے۔ بارش ہونے والی ہے۔ کہیں پانی نہ ٹپکے اور آگ نہ بجھ جائے"۔

شاہد نے چھت کی طرف دیکھا تو نور نے جلدی سے لفافہ پتیلی میں ایسے جھٹکا جیسے تمام مچھلیاں ڈال دی ہوں۔ اب پانی پک رہا تھا۔ دونوں اپنی پلیٹیں لے کر بیٹھے اور پتیلی کھولی تو دونوں اپنی اپنی جگہ شرمندہ تھے اور ہنس رہے تھے کہ ہم خود ٹھگے گئے مگر یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ وہ ایک دوسرے کو نہیں ٹھگ سکتے۔ اس لئے دوسروں کو ٹھگا جائے۔

اگلے دن انہیں پتا چلا کہ گاؤں میں ایک امیر آدمی مر گیا ہے جس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اب اس کی دولت پڑوسیوں کو ملنے والی ہے تو دونوں وہاں گئے۔

نور برگد کے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور شاہد گھر پہنچ کر رونے لگا کہ آج میں اتنے عرصے بعد گھر لوٹا تو میرے بابا مر گئے اب صرف میں ہی اپنے بابا کی دولت کا حقدار ہوں۔

لوگوں نے اس کی باتوں کا یقین نہ کیا تو اس نے بتایا کہ مجھے بچپن میں ڈاکو اٹھا کر لے گئے تھے۔ آج میں ان کے چنگل سے آزاد ہوا ہوں تو مجھے یہ خبر ملی۔ مگر لوگوں نے پھر بھی یقین نہ کیا تو شاہد انہیں قبر پر لے گیا کہ اس کے بابا کی روح بھٹک رہی ہوگی۔

جب قبر پر گئے تو نور جو چھپ کر درخت پر بیٹھا تھا بولا "یہ 25 برس بعد لوٹا ہے اسے میری دولت دے دو" تو لوگوں نے گھر جا کر سونے چاندی کے زیورات اور بیل گاڑی دے دی۔ جب اسے یہ سب مل گیا تو اس کے دل میں بے ایمانی آ گئی کہ نور تو ابھی مجبوراً درخت پر ہی بیٹھا ہوگا کیوں نہ سب لے کر میں چلا جاؤں۔

ساری چیزیں لے کر جب وہ برگد کے درخت سے تھوڑی دور ایک پگڈنڈی پر سے گزر رہا تھا تو نور نے اسے دیکھ لیا۔ وہ فوراً درخت سے اترا اور بازار سے سنہرے جوتے خریدے۔

اس نے ایک جوتا پگڈنڈی پر ڈال دیا جس پر سے تھوڑی دیر پہلے شاہد کی بیل گاڑی گزری تھی پھر جھاڑیوں میں چھپتا چھپاتا بیل گاڑی سے آگے پہنچ کر دوسرا جوتا ڈال دیا جس پر سے وہ ابھی گزرنے والا تھا اور خود ایک درخت پر چڑھ کر چھپ گیا۔ نور کی ترکیب کامیاب رہی۔ شاہد جب آیا تو اس نے سوچا یہ کسی بادشاہ کے جوتے ہوں گے جو وہ بھول گیا ہے۔ اس نے وہ اٹھایا اور دوسرا ڈھونڈنے لگا، دوسری طرف نور بیل گاڑی لے کر روانہ ہوگیا۔ شاہد کو دوسرا جوتا تو پیچھے راستے میں پڑا مل گیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مگر ادھر اس کی بیل گاڑی اور دولت غائب ہو چکی تھی۔

وہ سمجھ گیا کہ یہ کام نور کے علاوہ کسی کا نہیں ہو سکتا۔ وہ سیدھا نور کے گھر پہنچا اور اس سے کہا "دیکھو ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ آئندہ ایک دوسرے کو نہیں ٹھگیں گے۔ اس لئے آدھی دولت مجھے دے دو"۔

نور نے کہا "اس وقت شام ہو چکی ہے اس لئے صبح آ کر بٹوارہ کر لینا"۔

جب شاہد چلا گیا تو نور نے اپنی بیوی سے کہا کہ کل صبح جب شاہد آئے تو اس سے کہہ دینا کہ رات کو نور کا اچانک انتقال ہو گیا اور دولت کے بارے میں اس نے کچھ نہیں بتایا۔ پھر نور جوتے پہن کر اور چادر اوڑھ کر لیٹ گیا۔

صبح جب شاہد آیا تو نور کی بیوی نے سب کچھ بتا دیا تو شاہد نے نور کو چیک کیا اور کہا کہ ابھی اس میں دم باقی ہے۔ میں اسے حکیم کے پاس لے جاتا ہوں۔

شاہد اُسے کندھے پر لے کر نکل کھڑا ہوا۔ نور بھی چپ تھا اور ظاہر کر رہا تھا کہ جیسے وہ مر گیا ہو۔ چلتے چلتے آخر رات ہو گئی تو شاہد نے نور کو ایک درخت سے باندھا اور خود اسی درخت پر چڑھ کر سو گیا۔

ابھی آدھی ہی رات گزری تھی کہ ڈاکو آئے۔ انہوں نے نور کے پاؤں میں سنہرے جوتے دیکھے تو سوچا کہ یہ کسی امیر شخص کی اولاد ہے جسے یہاں باندھا گیا ہے تو وہ اس کے جوتے اتارنے لگے ہی تھے کہ نور چیخ پڑا "بچاؤ بچاؤ میں زندہ ہوں"۔

ادھر نور کی آواز سے شاہد بھی ہڑبڑا کر نیچے گر پڑا۔ ڈاکو اس اچانک حملے سے بھاگ گئے مگر اپنی بھی دولت وہیں چھوڑ گئے۔ پھر نور اور شاہد گھر واپس آئے اور لوگوں سے جتنی بھی دولت ٹھگی تھی غریبوں میں بانٹ دی اور خود محنت سے کمانے لگے۔

سبق : ہمیں چاہئے کہ لالچی اور دھوکہ باز لوگوں کی صحبت سے دور رہیں۔ نہ ایسے دوستوں سے قربت رکھیں۔ اسی میں ہماری بہتری ہے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طلسمی انگوٹھی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک خوبصورت اور پھولوں سے ڈھکی ہوئی وادی کے درمیان ایک نہایت عالی شان اور خوبصورت محل تھا۔ یہ محل شہزادہ زوہیب کا تھا۔ شہزادہ زوہیب چونکہ شہروں میں رہنا ناپسند کرتا تھا، اس لئے وہ اپنے ملک کی اس خوبصورت وادی میں رہتا تھا۔

شہزادہ زوہیب کے والدین بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ جب شہزادہ زوہیب پیدا ہوا تھا تو اس کی پیدائش کے کچھ ہی عرصہ بعد ملکہ وفات پا گئی تھی۔ بادشاہ کو اپنی ملکہ سے بہت محبت تھی۔ اس لئے وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ ان کا وزیر مراد بہت ہی وفادار تھا۔ اس نے بادشاہ کی وفات کے بعد خود حکومت سنبھال لی اور شہزادے زوہیب کو اپنی بیوی کے سپرد کر دیا تاکہ وہ شہزادے زوہیب کی بہتر دیکھ بھال اور پرورش کر سکے۔

آہستہ آہستہ شہزادہ زوہیب بڑا ہوتا گیا۔ جب شہزادہ جوان ہو گیا تو وزیر نے حکومت کی باگ ڈور شہزادے کے سپرد کر دی۔ شہزادہ زوہیب وزیر مراد کی بہت عزت کرتا تھا اور انہیں باپ کا درجہ دیتا تھا۔ شہزادہ زوہیب ہر کسی کے ساتھ انصاف کرتا تھا۔ ملک کا ہر شخص چاہے وہ امیر ہو یا غریب شہزادے زوہیب سے بہت خوش تھا کیونکہ وہ ہر شخص کو انصاف مہیا کرتا تھا۔ شہزادے کے والدین بھی شہزادے کی طرح نیک تھے اور ہر شخص کو انصاف مہیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کی وفات پر ملک بھر میں چالیس دن سوگ منایا گیا۔ شہزادے زوہیب کا ایک گہرا دوست تھا وزیرزادہ سجاد۔

شہزادہ زوہیب اور سجاد دونوں شمشیر زنی سیکھنے جاتے تھے۔ شہزادہ کو شمشیر زنی کا صرف شوق تھا۔ مگر سجاد کو مستقبل میں فوج کا سپہ سالار بننا تھا۔ شہزادے اور سجاد کی پیدائش ایک ہی دن ہوئی تھی۔ سجاد ہر طرح کی لڑائی سیکھتا تھا۔ وہ جوڈو کراٹے کا ماسٹر بن چکا تھا۔ ملک بھر میں بڑے سے بڑا پہلوان بھی اس کے سامنے چند منٹوں میں زیر ہو جاتا تھا۔

وقت گزرتا گیا۔ وزیرزادہ سجاد اب سپہ سالار بن چکا تھا۔ اسے اب وزیرزادے کی بجائے سپہ سالار کہا جاتا تھا۔ وزیر نے شہزادے کی منگنی ہمسایہ مسلم ملک کی شہزادی نور سے کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ ہمسایہ ملک کا بادشاہ وزیر کا دوست تھا، اس لئے اس نے فوراً ہاں کر دی۔

ایک دن شہزادہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ملازم نے آ کر بتایا کہ ہمسایہ ملک سے آپ کیلئے یہ خط آیا ہے اور یہ آدمی دے گیا تھا۔ شہزادہ محل کے تمام ملازموں اور وزیروں کو ایک نظر سے دیکھتا تھا۔ اس کے کمرے میں ہر کسی کو بلا خوف و

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خطر آنے کی اجازت تھی۔

شہزادے نے اس کے ہاتھ سے خط لے لیا۔ ملازم شہزادے کو خط دے باہر نکل گیا۔ شہزادے نے خط کھولا تو اس میں ایک چھوٹا سے کاغذ تھا۔ خط کھولنے پر پتہ چلا کہ اس کی منگیتر شہزادی نور نے اسے بھیجا ہے خط میں لکھا تھا۔

''شہزادہ زوہیب تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو مگر میں اس وقت تک تم سے شادی نہیں کروں گی جب تک میں طلسمی انگوٹھی حاصل نہ کرلوں۔ اگر تم میری مدد کرنا چاہتے ہو تو پائین کے جنگل میں آ جانا۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ فقط تمہاری منگیتر شہزادی نور۔''

شہزادہ یہ پڑھ کر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کچھ سوچ کر یہ خط وزیر مراد کو دے دیا۔ وہ شہزادی نور کو بہت چاہتا تھا۔ وزیر مراد نے خط پڑھ کر کہا۔ ''شہزادے تمہیں کیا ضرورت ہے اس کی مدد کرنے کی۔ اس کی خاطر جنگل میں بھٹکنے کی''۔

شہزادہ زوہیب بولا۔ ''میں اس کی ضد پوری کروں گا اور طلسمی انگوٹھی حاصل کرنے میں اس کی مدد کروں گا''۔

وزیر مراد بولا۔ ''ٹھیک ہے شہزادے تمہاری مرضی''۔

شہزادے نے کمرے سے تلوار نکال کر میان میں سجالی۔ پھر وہ تیزی سے پائین کے جنگل کی طرف چلا۔ پائین کے جنگل میں خونی درندے نہیں تھے وہاں ہرن اور دوسرے چھوٹے چھوٹے جانور تھے۔ اب چلتے ہیں وزیر مراد کی طرف۔

وزیر مراد نے شہزادے کو رخصت کیا تو دل میں اس کی کامیابی کی دعائیں مانگنے لگا۔ اس نے شہزادے کی منگنی کر دی تھی۔ وہ جلد از جلد اس کی شادی کرنا چاہتا تھا کہ ملازم نے آ کر بتایا کہ ہمسایہ ملک کے بادشاہ سلامت تشریف لائے ہیں اور مہمان خانے میں ہیں۔

وزیر مراد یہ سن کر حیران ہوا اور پھر جلدی سے مہمان خانے کی طرف چل دیا چونکہ شام کا وقت تھا۔ اس لئے دستر خوان لگایا گیا۔ کھانا کھانے کے بعد ہمسایہ ملک کا بادشاہ فراز بولا۔ ''شہزادی کی منگنی تو شہزادے زوہیب کے ساتھ ہو چکی ہے۔ مگر آپ کا بیٹا ابھی باقی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو آپ اپنے بیٹے کی شادی ہمارے وزیر کی بیٹی جو شہزادی نور کی سہیلی بھی ہے اس سے کرا دیں۔

وزیر بولا ''اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے''۔

دوسرے دن وزیر زادی نائلہ کی منگنی سجاد سے کرا دی گئی۔

شہزادہ زوہیب اب پائین کے جنگل میں پہنچ گیا تھا۔ وہ شہزادی کو تلاش کر رہا تھا۔ کئی گھنٹے تلاش کرنے کے باوجود اسے نہیں ملی تو وہ ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید شہزادی نے اس سے مذاق کیا ہے۔

اچانک اسے ایک مترنم قہقہہ سنائی دیا۔ اس نے آواز کی جانب دیکھا تو وہاں شہزادی نور کھڑی تھی۔ وہ بولی ''تو اتنی ہمت تھی شہزادے زوہیب میں۔ مجھے تلاش بھی نہیں کر پائے''۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شہزادے نے کوئی جواب نہ دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

شہزادی نور بولی۔''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے''۔

شہزادہ بولا۔''تمہیں کیسے یقین تھا کہ میں ضرور آؤں گا''۔

شہزادی بولی۔''میں جانتی ہوں کہ تم مجھے بہت چاہتے ہو اور میری تم سے منگنی بھی ہو چکی ہے اور تم اپنی ہونے والی بیوی کی مدد نہ کرتے''۔شہزادہ اس کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔شہزادی نور بلاشبہ خوبصورت تھی۔اتنی ہی ذہین تھی۔پھر شہزادے نے شہزادی نور سے پوچھا کہ طلسمی انگوٹھی اس جنگل میں ہے یا کہیں اور۔شہزادی نور نے جواب دیا۔وہ انگوٹھی اسی جنگل میں ایک سرخ عقاب کے پیٹ میں ہے۔

پھر دونوں عقاب کو تلاش کرنے لگے۔کئی گھنٹوں میں انہوں نے پورے جنگل کا چکر لگایا مگر وہ عقاب نہیں ملا۔آخر کار وہ تھک گئے اور ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے کہ شہزادے کی نظر درخت کے اوپر پڑی اور اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

اوپر سرخ عقاب تھا۔شہزادے نے شہزادی کو عقاب کے بارے میں بتایا اور تیر کمان لے کر نشانہ لیا اور تیر چھوڑ دیا۔تیر جوں ہی عقاب کو لگا عقاب زمین پر گر گیا۔شہزادے نے خنجر سے اس کا پیٹ چاک کیا اور اس کے سامنے انگوٹھی پڑی تھی۔شہزادے نے آگے بڑھ کر انگوٹھی اٹھالی۔طلسمی انگوٹھی نہایت خوبصورت اور سونے کی بنی ہوئی تھی۔اس میں نگ کی جگہ ہیرے کا دل بنا ہوا تھا۔

شہزادے زوہیب نے انگوٹھی شہزادی کو دے دی اور اسے محل میں چھوڑ کر اپنے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا۔دو دن کی مسافت کے بعد وہ محل میں پہنچ گیا۔وہاں اسے سجاد کی منگنی کا علم ہوا تو بہت خوش ہوا اور سجاد کو مبارک باد دی۔

اب رات ہو گئی تھی۔اچانک سرحدوں پر شور و غل کی آوازیں آنے لگیں اور شہزادے کے محل پر دشمن ملک نے حملہ کر دیا مگر سجاد کی بہترین جرأت مندانہ سپہ سالاری نے تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ تین لاکھ دشمنوں کا راتوں رات خاتمہ کر کے بہادری کی انوکھی داستان قائم کر دی۔

صبح شہزادے زوہیب نے اپنے دوست اور سپہ سالار سجاد کو ملک کا سب سے بڑا بہادری کا تمغہ ''سیف ٹائیگر'' سے نوازا۔وزیر مراد نے اس خوشی کے موقع پر شہزادے زوہیب کی شہزادی نور سے اور سجاد کی نائلہ سے شادی کا اعلان کر دیا اور ان کی شادی بڑے دھوم دھام سے کر دی۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خواب کی تعبیر

ایک مرتبہ بادشاہ سلامت نے خواب دیکھا کہ اس کے سونے والے کمرے میں ایک لومڑی تڑپ رہی ہے۔ صبح ہوتے ہی بادشاہ نے اپنے سارے امراء، وزراء اور نجومیوں کو خواب سنایا لیکن ان میں سے کوئی بھی خواب کی صحیح تعبیر نہ بتاسکا۔

بادشاہ نے اپنے تمام امراء، وزراء اور نجومیوں کو دس دن کی مہلت دی۔ کہ جو بھی دس دنوں کے اندر خواب کی تعبیر سنائے گا، اسے شاہی انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔ ہر کسی نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی لیکن خواب کی صحیح تعبیر بتانے میں کوئی کامیاب نہ ہوا۔

دس دن گزر گئے لیکن خواب کی تعبیر بتانے میں کوئی شخص کامیاب نہ ہوسکا تو بادشاہ نے پوری سلطنت میں دوبارہ اعلان کروادیا جو بھی خواب کی تعبیر بتائے گا، اسے شاہی انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔

بہت سارے لوگ بادشاہ کے پاس گئے، خواب کی تعبیر سنائی لیکن ان میں سے کوئی بھی خواب کی صحیح تعبیر نہیں بتاسکا آخر کار یہ خبر گھومتے پھرتے ایک کسان تک پہنچ گئی، وہ بھی خواب کی تعبیر بتانے کے لئے اللہ کے بھروسے پر گھر سے نکل پڑا اور راستے میں ایک چٹان تھی جہاں سے گزر کر دوسری طرف جاتا تھا۔ جب وہ چٹان سے گزر رہا تھا تو راستے میں ایک سانپ بیٹھا ہوا تھا۔

کسان نے سانپ سے مخاطب ہو کر کہا کہ" سانپ مجھے جانے دو تا کہ میں بادشاہ سلامت کو ان کے خواب کی تعبیر سناؤں"۔ سانپ نے تعجب سے کہا۔

"اے کسان، بادشاہ کو نجومی بھی تعبیر نہ بتا سکے تو تُو کیسے بتائے گا۔ اگر تم کہو تو میں تمہیں خواب کی تعبیر بتا دیتا ہوں لیکن اس کے لئے میری ایک شرط ہوگی کہ جو تمہیں انعام ملے گا۔ اس کا آدھا حصہ تم مجھے دوگے"۔

کسان نے سانپ سے خواب کی تعبیر سنی اور سیدھا بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ دربار میں پہنچ کر اس نے سپاہیوں سے کہا" مجھے بادشاہ کے پاس لے چلو، میں انہیں خواب کی تعبیر بتاؤں گا"۔

بادشاہ سلامت کے پاس پہنچ کر اس نے بادشاہ سے خواب کی تعبیر سنانے کی اجازت لی اور خواب کی تعبیر سنانی شروع کردی۔

کسان نے کہا" بادشاہ سلامت! لومڑی ایک دغاباز، بزدل اور مکار جانور ہے اس لئے آپ کو سمجھ لینا چاہئے کہ میں دغابازی، بزدلی اور مکاری بڑھ رہی ہے۔ اگر یہ بند نہ ہوسکی تو حکومت کو نقصان پہنچے گا"۔ بادشاہ کو بات صحیح لگی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بادشاہ نے کسان کو بہت سارا انعام وغیرہ دیا۔ جب کسان انعام لے کر واپس آ رہا تھا تو اس کے دل میں بے ایمانی آ گئی لہٰذا اس نے سوچا کہ میں دوسرے راستے سے گھر جاؤں، نہیں تو آدھا انعام سانپ کو دینا پڑے گا چنانچہ وہ دوسرے راستے سے گھر پہنچ گیا۔

کچھ دن گزرنے کے بعد بادشاہ نے پھر دوسرا خواب دیکھا کہ اس کے محل میں ایک ننگی تلوار لٹک رہی ہے۔ صبح کو بادشاہ نے اپنا خواب وزیروں وغیرہ کو سنایا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ کسان کو بلوایا جائے تاکہ اس سے خواب کی تعبیر کے بارے میں پوچھا جائے۔

بادشاہ نے فوراً اپنا آدمی بھیج کر اسے طلب کر لیا۔ اب تو کسان چکرا کر رہ گیا کیونکہ اس نے تو سانپ سے دھوکہ کیا تھا۔ آخرکار یہ سوچ کر سانپ کے پاس چلا گیا کہ شاید وہ اسے معاف کر دے، اس نے سانپ کے پاس پہنچ کر اس کی منتیں کرنی شروع کر دیں۔

سانپ کو کسان پر ترس آ گیا اور اسے معاف کر دیا اس شرط پر کہ اس مرتبہ وہ انعام کا آدھا حصہ اسے دے گا اور اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ کسان نے ہاں کی اور خواب کی تعبیر سن کر محل کی جانب چل دیا۔

بادشاہ سلامت کے پاس پہنچ کر کسان نے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا، "حضور والا تلوار کا کام ہے۔ "قتل و غارت" اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دشمن آپ کو قتل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لہٰذا آپ بھی تلوار کے زور پر ان کے سر قلم کر دیں۔ آپ یہ کام کوشش کر کے جلد از جلد کریں ورنہ آپ کو بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔

بادشاہ سلامت کو کسان کی یہ بات کافی حد تک صحیح لگی اور خوب انعام و کرام دیا اور جاتے وقت اسے نہایت قیمتی تلوار تحفہ میں دی۔ اتنا انعام حاصل کرنے کے بعد کسان خوش ہوتا ہوا گھر کی طرف لوٹا لیکن راستے میں اُسے سانپ کا خیال آیا۔ ایک بار پھر اس کے دل میں بے ایمانی پیدا ہو گئی۔

کسان دل میں سوچنے لگا کہ انعام میں سے آدھا حصہ سانپ کو کیوں کر دوں۔ جب وہ سانپ کے بل کے نزدیک پہنچا تو سانپ کو دیکھ کر اس نے تلوار نکالی اور سانپ پر وار کیا، اس سے پہلے کہ کسان کا وار کارگر ہوتا، سانپ بے چارہ بھاگ کر اپنے بل کے اندر گھس گیا۔ کسان اپنے گھر میں پہنچ کر سکھ چین کی زندگی گزارنے لگا۔

کافی دن گزرنے کے بعد بادشاہ نے پھر خواب دیکھا۔ خواب کی تعبیر کے سلسلے میں اس نے پھر کسان کے پاس آدمی کسان بے چارہ تو بُری طرح پھنس چکا تھا، اس مرتبہ پھر وہ سانپ کے پاس پہنچ گیا۔ سانپ نے کہا "اب پھر کیوں آئے ہو؟"۔

کسان نے سانپ کی منت سماجت کرنا شروع کر دیں "ارے یار میری خطائیں معاف کر دو۔ اس خواب کی تعبیر بتا دو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ورنہ نہیں تو میں مفت میں مارا جاؤں گا۔ اگر میں مر گیا تو میرے بیوی بچوں اور میرے بوڑھے ماں باپ کا کیا ہوگا۔"

سانپ بیچارہ رحم دل تھا، اُسے کسان پر ترس آ گیا، سانپ نے کہا "اچھا میں خواب کی تعبیر بتاتا ہوں لیکن وعدہ کرو کہ اس دفعہ انعام کا آدھا حصہ مجھے دو گے"۔

کسان نے ہاں کی اور خواب کی تعبیر سن کر روانہ ہوگیا۔ بادشاہ کے دربار میں کسان نے پہنچ کر کہا "بادشاہ سلامت آپ نے خواب میں گائے دیکھی ہے۔ آپ نے بہری گائے والا قول تو ضرور سنا ہوگا۔ اب آپ اس طرح سمجھیں کہ آپ کی رعایا اب گائے کی طرح شریف ہو چکی ہے۔ اب آپ کی حکومت کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے"۔

یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا۔ کسان کو اس دفعہ بادشاہ نے پہلے سے دگنا انعام دے کر روانہ کیا۔ کسان اس دفعہ سیدھا سانپ کے پاس پہنچا اور سارے کا سارا انعام سانپ کے سامنے رکھ دیا۔

سانپ نے کہا کہ کسان بھائی میں کوئی انعام کا بھوکا نہیں ہوں، میں تو صرف تمہاری آزمائش کر رہا تھا لیکن اس میں تمہارا اپنا بھی کوئی قصور نہیں تھا، کیونکہ ملکی حالات رعایا پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں جب تم پہلی مرتبہ میرے پاس آئے تو اس وقت ملک میں غربت اور دغا بازی تھی۔ اس لئے تم نے بھی مجھ سے دغا کی۔ دوسری مرتبہ ملک میں فساد اور خونریزی تھی اس لئے تم نے بھی ایسا ہی کیا۔ اب ملک میں امن وامان ہے اس لئے اس مرتبہ تم خود انعام دینے آئے ہو۔ ارے کیا تم نے سنا نہیں کہ "جیسی رعایا ویسا نصیب، جیسا راجہ ویسی پرجا"۔

چنانچہ اس مرتبہ سانپ کو کسان کی دیانت داری اور وعدے کی پاسداری پر بڑی خوشی ہوئی اور اس خوشی میں اُس نے اپنا حصہ بھی کسان کو بخش دیا۔

اب کسان کے پاس کافی دولت تھی۔ اس کا شمار امیر ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ اس نے اپنی دولت سے زمینیں خرید لیں اور بیوی بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شہزادی گُل بنیش

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملک فارس کی شہزادی گل بنیش ایک زولال نامی جن کے ہتھے چڑھ جاتی ہے۔ وہ اُسے اپنے محل میں قید کر دیتا ہے۔ اس پر ایک بہادر نوجوان زین شہزادی کے سلسلے میں اپنے والد سعد بن اخلاق سے مشورہ کرتا ہے۔ زین کا کہنا تھا کہ وہ شہزادی بنیش کو اس کی قید سے آزاد کروانا چاہتا ہے۔

یہ سن کر سعد بن اخلاق نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ ایسا ارادہ نہ کرے کیونکہ زولال جن بہت طاقتور ہے۔ وہ کبھی بھی شہزادی کو نہیں چھوڑے گا۔ لیکن زین نے ضد کی تو اس کے والد نے کہا کہ شہزادی کو آزاد کرانے میں پرستان کی پری زویا اس کی مدد کر سکتی ہے کیونکہ وہ بہت رحمدل ہے اور انسانوں کیلئے اپنے دل میں بہت محبت رکھتی ہے۔ زویا پری تمام محل کے بارے میں جانتی ہے کیونکہ وہ زولال جن کی رانی کی کنیز ہے۔ وہ تمہاری ضرور مدد کرے گی۔

اس طرح سعد بن اخلاق اپنے علم کے زور پر زین کو پرستان پہنچا دیتا ہے۔ زین اپنے باپ کے کہنے پر پرستان میں زویا پری سے ملتا ہے۔ زویا اُسے بتاتی ہے کہ شہزادی گل بنیش محل میں نہیں ہے کیونکہ اگر ہوتی تو مجھے ضرور علم ہوتا۔ لیکن زین زویا پری سے کہتا ہے کہ اس کے باپ کے علم کے مطابق شہزادی گُل بنیش محل میں ہے۔

سعد بن اخلاق کا نام سن کر زویا پری خاموش ہو جاتی ہے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ زین کو گھر میں ہی چھپنے کو کہتی ہے تا کہ کچھ دنوں میں سراغ لگایا جا سکے۔ لیکن دوسرے ہی دن اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ شہزادی کو زولال جن نے پھول بنا دیا ہے اور ہر روز رات اُس پھول کو شہزادی گل بنیش کہہ کر قہقہے لگاتا ہے کہ شہزادی تمہیں پھول بنا کر بھی میں نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔

زین یہ سب سن کر بہت پریشان ہو جاتا ہے کہ وہ زولال جن کا مقابلہ کس طرح کرے اور شہزادی بنیش کو پھول سے کس طرح نجات دلائے۔ وہ زویا پری سے کہتا ہے کہ اسے پھر سے اس کی مدد درکار ہے اور اس کے والد سعد بن اخلاق کو فوراً پرستان لے آئے۔ تا کہ اس مسئلے کا حل معلوم ہو سکے۔

زویا پری پہلی فرصت میں سعد بن اخلاق کو پرستان لاتی ہے۔ سعد بن اخلاق اپنے علم کے زور پر بتاتا ہے کہ زولال جن کی جان کسی پھول میں ہے۔ زین پوچھتا ہے کہ اسے اس پھول کا کس طرح پتہ چلے گا تو سعد بن اخلاق جواب دیتا ہے کہ ہر مہینے کی چودھویں رات کو جب چاند نصف شب کے وقت عروج پر ہوتا ہے تو اس کی روشنی میں جو پھول چمکتا ہے اس پھول میں زولال جن کی جان ہے۔ زولال جن کے مرتے ہی شہزادی گل بنیش پھول سے شہزادی بن جائے گی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اب زین کو چاند کی چودھویں رات کا انتظار تھا۔ جیسے ہی چاند کی رات آتی ہے تو زین، زویا پری کی مدد سے زولال جن کے محل میں پہنچتا ہے اور چاند کے ساتھ ساتھ پورے باغ پر بھی نظر رکھتا ہے۔ اس طرح آدھی رات گزر جاتی ہے۔ نصف شب کے وقت جب چاند کی روشنی باغ کے خاص حصے پر پہنچتی ہے تو ایک پھول سے نیلے رنگ کی روشنی پھوٹ کر دُور دُور تک جاتی ہے۔ پھول چمکنا شروع کر دیتا ہے۔

یہ دیکھتے ہی زین پھول کی طرف دوڑتا ہے تا کہ اسے توڑ سکے۔ جیسے ہی وہ پھول تک پہنچتا ہے اور پھول کو توڑنے کے لئے ہاتھ میں لیتا ہے تو ایک دم زولال جن نمودار ہوتا ہے اور منت سماجت شروع کر دیتا ہے کہ وہ پھول کو نہ توڑے، اس کے بدلے میں وہ جو چاہے گا وہ اسے دے گا۔

اس سے پہلے کہ زین کوئی جواب دیتا زویا پری آجاتی ہے اور کہتی ہے کہ زین اس کی باتوں میں نہ آنا جیسے ہی تم نے پھول چھوڑا یہ ہم سب کو مار دے گا اور شہزادی بنیش پھول ہی بن کر رہے گی، تم اس کی پروانہ کرو اور جلدی سے پھول توڑ کر مسل دو تا کہ شہزادی اس کے ظلم سے آزاد ہو جائے۔

زین نے یہ سنتے ہی پھول کو ایک جھٹکے سے توڑ دیا اور جلدی سے مسل دیا۔ پھول توڑتے ہی زولال جن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہوا میں بکھر گیا اور شہزادی گل بنیش پھول سے اپنی اصلی حالت میں آگئی۔

زویا پری فوراً شہزادی گل بنیش، زین اور اس کے باپ سعد بن اخلاق کو حفاظت سے ان کے ملک پہنچاتی ہے اور رخصت ہوتے ہوئے ان دونوں کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انہوں نے ایک ظالم اور متکبر جن سے پرستان اور شہزادی گل بنیش کو آزاد کروایا۔ سعد بن اخلاق بعد میں زین کے ساتھ شہزادی گل بنیش کو لے کر بادشاہ ایران شمشیر علی کے پاس جاتا ہے۔

بادشاہ اپنی بیٹی کو زندہ سلامت دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے اور اپنی بادشاہی زین کے سپرد کرنا چاہتا ہے لیکن زین بادشاہ بننے سے انکار کر دیتا ہے جس پر بادشاہ زین کی شادی شہزادی گل بنیش سے کرنا چاہتا ہے اور اس خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ زین نے خاموشی پر سعد بن اخلاق رضامندی ظاہر کرتا ہے، اس طرح زین کی شادی شہزادی گل بنیش کے ساتھ ہو جاتی ہے اور زین بادشاہ بن جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

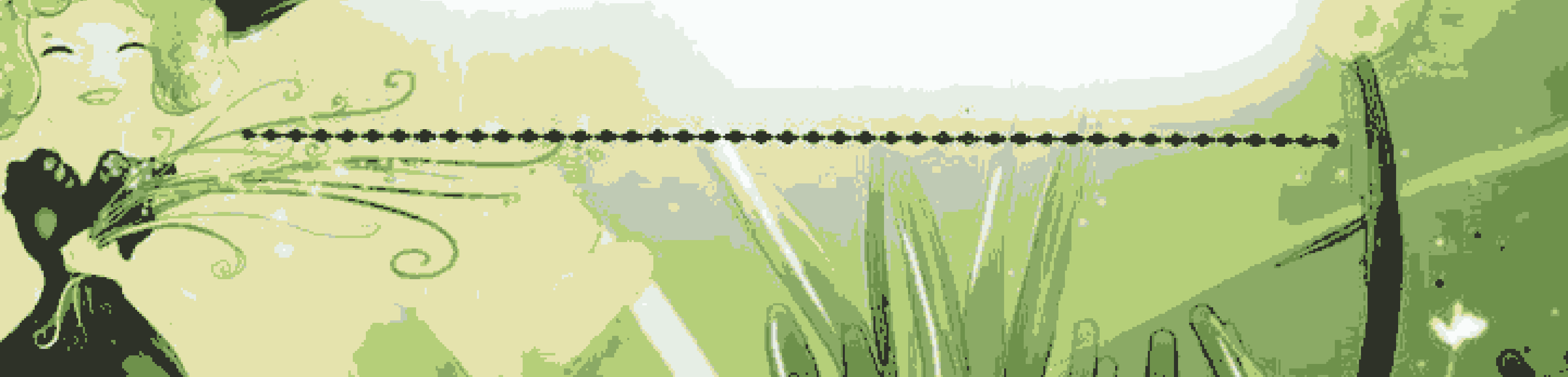

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مُجرم پکڑا گیا

دانیال اور فیصل صرف اچھے پڑوسی ہی نہیں بلکہ ہم جماعت بھی تھے اور آپس میں گہری دوستی رکھتے تھے۔ان کا محلّہ ''راحت ٹاؤن'' کے نام سے مشہور تھا جس میں تقریباً چالیس پینتالیس گھر انتہائی خوب صورتی سے قریب قریب تعمیر کیے گئے تھے۔

راحت ٹاؤن کے مکین نہ صرف ظاہری طور سے اچھے اور دولت مند تھے بلکہ اخلاقی لحاظ سے بھی اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔متواتر ہونے والی چوریوں نے ان کا سکھ چین سب چھین لیا تھا۔یہاں تک کہ اب وہ اپنے پیچھے گھر کو خالی چھوڑ کر کہیں جا بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ خدشہ تھا کہ کہیں چور اپنا کام نہ دکھا دے۔دانیال اور فیصل خود بھی کافی پریشان تھے۔وہ بھی لگاتار ہونے والی چوریوں کے اس معمے کو حل کرنا چاہتے تھے۔

اگلی شام دونوں گلی کے چبوترے پر آ کر بیٹھ گئے۔اس وقت بھی ان کا موضوع گفتگو چوری کی وارداتیں تھا۔

''دانیال کہیں ایسا تو نہیں کہ چور اندر کا آدمی ہو۔'' فیصل نے اپنے شبہے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ گھریلو ملازم ہی اس میں ملوث ہو سکتے ہیں۔'' دانیال نے اپنا سابقہ موقف دہرایا۔

''نہیں دوست، دیکھو ہمارے محلے میں یہ سبزی فروش اور فقیر بابا بھی تو مستقل گشت کرتے رہتے ہیں۔ممکن ہے یہ ان ہی میں سے کسی کی کارروائی ہو''۔فیصل نے کھل کر اپنے شبہے کو ظاہر کیا۔

''ہونہہ یہ ممکن ہو سکتا ہے۔'' دانیال نے فیصل کی تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔''مگر بغیر کسی تفتیش اور چھان بین کے ان پر الزام لگانا اور انسپکٹر بیگ صاحب سے ان کے بارے میں کچھ کہنا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''تو ایسا کرتے ہیں آج ہی سے ان دونوں کی نگرانی شروع کر دیتے ہیں۔تم سبزی فروش کی نگرانی کرنا اور میں فقیر بابا کی۔''فیصل نے پر جوش لہجے میں اپنا ارادہ دانیال پر ظاہر کیا۔

''ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے۔'' دانیال نے کہا اور اگلے دن دونوں نے صبح سے ہی خفیہ طریقے سے سبزی فروش اور فقیر بابا کی نگرانی شروع کر دی۔دانیال نے دیکھا کہ سبزی فروش صبح نو بجے سے محلے میں گشت شروع کر دیتا ہے اور سارا دن محلے کی خواتین اس سے سبزی خریدتی ہیں اور وہ سر جھکائے اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور مغرب کی اذان کے ساتھ ہی اپنا ٹھیلہ راحت ٹاؤن سے چلا جاتا ہے۔

دوسری طرف فیصل نے غور کیا کہ فقیر بابا صبح دس بجے آ کر گلی کے کسی کونے میں بیٹھ جاتا ہے اور محلے کی خواتین راہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہمدردی اس کو کھانے پینے کی چیزیں دیتی رہتی ہیں۔ دو چار مرتبہ تو محلے کی چند بزرگ خواتین اور مرد حضرات نے فقیر بابا کو کچھ کھلانے پلانے کی خاطر گھر کے اندر صحن تک بلا لیا تھا۔ فقیر بابا دن بھر بڑی سی تسبیح ہاتھ میں لئے اللہ اللہ کرتے، آتے جاتے لوگوں اور بچوں کو دعائیں دیتا رہتا۔

مغرب کے بعد جب فقیر بابا اپنے جھونپڑے میں جانے کو راحت ٹاؤن سے نکلنے لگا تو فیصل نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ فقیر بابا تقریباً بیس منٹ تک پیدل چلتا رہا پھر کسی جھونپڑے کے بجائے قدرے سنسان علاقے میں واقع ایک بڑے سے بنگلے میں گھس گیا۔ فیصل کچھ دور ایک درخت کے نیچے کھڑا ہو کر بنگلے کی نگرانی کرنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد اس نے ایک کلین شیو شخص کو نظر کا چشمہ لگائے تیزی سے گھر سے باہر نکلتے دیکھا جو سامنے کھڑی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں چلا گیا۔ فیصل کو محسوس ہوا جیسے اس شخص کی شکل اور قد و قامت فقیر بابا سے ملتا جلتا تھا فرق صرف یہ تھا کہ اس کے چہرے پر بڑی بڑی داڑھی مونچھیں اور سر پر الجھے ہوئے لمبے لمبے بالوں کا ٹوکرا نہیں تھا۔ اب کیا کیا جائے، فیصل کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ دانیال کے پاس گیا اور اسے پوری روداد سنائی۔

فوری طور پر دونوں نے انسپکٹر بیگ سے رجوع کرنے کا فیصلہ کیا۔ دونوں فوراً علاقے کے تھانے پہنچے اور انسپکٹر بیگ کو ساری بات حرف بہ حرف بتائی۔ انسپکٹر بیگ نے تمام کہانی حیرت سے منہ کھول کر سنی پھر آخر میں پُر یقین انداز میں فیصل اور دانیال کے شبہے کی تائید کرتے ہوئے بولے۔

”ہوں، تو گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ بظاہر مہذب اور صاحب ثروت نظر آنے والا وہ شخص اصل میں وہی فقیر بابا ہے جو راحت ٹاؤن میں ہونے والی چوری کی وارداتوں کا اصل مجرم ہے۔“

انسپکٹر بیگ نے طے کیا کہ جب اگلے دن فقیر بابا راحت ٹاؤن آئے گا تو سب کے سامنے اس کا پول کھول کر اس کا اصل روپ ظاہر کیا جائے گا۔ مگر اگلے دن فقیر بابا راحت ٹاؤن آیا ہی نہیں۔ تین روز اسی طرح گزر گئے۔ اب انسپکٹر بیگ نے فیصل اور دانیال کے ذریعے اس بنگلے کی نگرانی کا فیصلہ کیا جہاں وہ روپوش ہو گیا تھا۔

اگلی صبح ٹھیک نو بجے سے دونوں چھپ کر اس بنگلے کی نگرانی کرنے لگے، تقریباً دس بجے انہوں نے ایک شخص کو میلا شلوار قمیض پہنے، چھوٹی چھوٹی مونچھیں چہرے پر سجائے بنگلے سے نکلتے دیکھا۔ وہ بے فکر سے انداز میں ایک جانب چل پڑا، تھوڑا آگے جا کر اس نے ایک کچے گھر سے بچوں کے کھلونوں اور غباروں سے لدا ٹھیلا نکالا اور اسے دھکیلتے ہوئے ایک پوش علاقے [illegible] گیا۔ دونوں انتہائی ہوشیاری سے اس کا پیچھا کر رہے تھے۔

”دانیال کیا خیال ہے اگر اس شخص کے چہرے پر داڑھی مونچھیں اور سر پر لمبے بالوں کی وگ لگا دی جائے تو یہ وہی فقیر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بابا ہوگا۔'' فیصل نے کہا۔ فیصل کے اس خیال کی تائید دانیال نے بھی کی۔ چنانچہ فیصل نے فوراً انسپکٹر بیگ کو موبائل سے فون کر کے اس علاقے میں پہنچنے کی ہدایت کی۔ تھوڑی ہی دیر میں انسپکٹر بیگ اپنے چند سپاہیوں کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے اور بڑے ڈرامائی انداز میں اس بہروپئے کو گرفتار کر کے اس کے چہرے سے نقلی مونچھیں اتار دیں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

دوران تفتیش بہروپئے یعنی فقیر بابا نے انکشاف کیا کہ وہ گزشتہ چار سالوں سے چوریاں کر رہا ہے اور روپ بدل بدل کر شہر کے پوش علاقوں میں جاتا تھا تاکہ کسی کو اس پر شک نہ ہو سکے اور اہل محلہ و بچوں سے بے تکلفی پیدا کر کے ان کے روزمرہ کے معمولات کو نوٹ کرتا تھا اور جب گھر والے کہیں گئے ہوں تو چپکے سے گھر میں رات یا دن حسب موقع گھس کر نقدی اور زیورات چرا لیتا تھا۔ چونکہ بیشتر گھروں کے لوگ ترس کھا کر کھلانے پلانے کے لئے اسے گھروں میں بلا لیا کرتے تھے اس طرح وہ نہ صرف گھروں کے اندرونی نقشے سے آگاہ ہو جاتا تھا بلکہ کسی گھر میں آنے جانے پر کبھی کسی کو شک بھی نہ ہو سکا تھا کہ وہ تالا توڑے بغیر تجوریوں اور الماریوں کو مخصوص چابیوں سے کھولنے کا ماہر بھی ہے اور اسی دھندے کے ذریعے اس نے ایک شاندار بنگلہ بھی خرید لیا تھا اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ فقیر بابا کی گرفتاری کے بعد انسپکٹر بیگ نے چوری کا تمام سامان اس کے بنگلے سے برآمد کروا کر بنگلے کو سیل کروا دیا۔

سبق: ہمیں چاہئے کہ اپنے اردگرد کے موجودہ لوگوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں۔ نیز وقتاً فوقتاً ان کو چیک کر لیا کریں تاکہ آئندہ وہ ہمارے لئے پریشانی کا باعث نہ بن جائیں۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ملکہ کی ذہانت

ایک ملک میں ایک بادشاہ رہتا تھا۔ ایک روز وہ شکار کیلئے جنگل میں گیا، اس نے ایک لکڑہارے کو دیکھا، وہ لکڑیاں کاٹ رہا تھا، بادشاہ نے اس سے اس کا نام پوچھا۔ اس نے کہا کہ میرا نام بہادر شاہ ہے۔ بادشاہ یہ سن کر بہت حیران ہوا کہ میرا نام بھی بہادر شاہ ہے اور میں بادشاہ ہوں اور یہ ایک لکڑہارا ہے۔ بادشاہ نے شکار بھی نہ کیا اور واپس آ گیا۔ اس نے ملک کے بڑے بڑے عالموں کو بلوایا اور ان سے پوچھا کہ میرے اور اس لکڑہارے کی تقدیر میں اتنا فرق کیوں ہے؟ وہ لوگ کچھ نہ بتا سکے۔ بادشاہ نے رات کو ملکہ سے بات کی۔

"بیوی کو اگر سلیقہ ہو تو اپنے خاوند کی تقدیر بدل سکتی ہے۔" ملکہ نے کہا۔

"کیا مطلب ہے کہ میں تمہاری وجہ سے بادشاہ بنا ہوں"۔ بادشاہ کو غصہ آ گیا۔

"نہیں میرا مطلب ہے کہ بیوی کا ایک گھر بنانے میں بڑا ہاتھ ہوتا ہے"۔

بادشاہ نے غصے میں آ کر اسی وقت لکڑہارے کو بلوایا اور ملکہ سے کہا۔ "تو اس کے ساتھ جا اور اسے بادشاہ بنا دے"۔

لکڑہارا بڑا پریشان ہوا، راستے میں ملکہ نے کہا کہ بادشاہ نے میری بات سے ناراض ہو کر مجھے آپ کے ساتھ بھجوا دیا ہے لہٰذا آج سے میں آپ کی بیٹی اور آپ میرے والد۔ لکڑہارے نے حامی بھر لی۔ ملکہ لکڑہارے کے گھر آئی۔ اس نے دیکھا کہ لکڑہارے کی بیوی اپنی چار بیٹیوں کے ساتھ خالی بیٹھی تھی۔ ملکہ چپ چاپ یہ تماشا دیکھتی رہی۔

اگلے دن لکڑہارا روز کی طرح جنگل گیا اور واپسی پر روٹیاں خرید لایا لیکن یہ سب روٹیاں ان کیلئے پوری نہ تھیں۔ ملکہ نے لکڑہارے سے کہا۔ "ابا کل آپ روٹیوں کی بجائے گیہوں لے آنا"۔ لکڑہارے نے ایسا ہی کیا۔ ملکہ نے اس کا آٹا گوندھا اور روٹیاں بنائیں، سب نے سیر ہو کر کھایا اور کچھ بچ بھی گیا۔ ملکہ نے کہا کہ اب کل آپ ایک پاؤ کم گیہوں لانا۔ لکڑہارے نے ایسا ہی کیا۔ ایسا کرتے کرتے ان کے پاس اتنے پیسے جمع ہو گئے کہ انہوں نے ایک گدھا خرید لیا، اب لکڑہارا زیادہ لکڑیاں کاٹتا اور زیادہ لکڑیاں بیچتا۔ اس طرح ان کی آمدنی بڑھی، لکڑہارا اور اس کی بیوی پکا مکان بنانے کے خواب دیکھنے لگے۔

ایک دن ملکہ نے لکڑہارے سے کہا کہ برسات کا موسم آنے والا ہے اور اس موسم میں لکڑیاں گیلی ہوتی ہیں۔ اس لیے آپ پہلے زیادہ لکڑیاں اکٹھی کر لیں تاکہ زیادہ پیسے ہوں"۔

لکڑہارے نے کہا کہ میں کچھ سمجھا نہیں۔ ملکہ نے کہا کہ ہم سب جنگل میں جایا کریں گی اور آپ کے ساتھ لکڑیاں چنا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کریں گی اور گدھے پر لاد دیا کریں گی۔ اس طرح آپ کے پاس زیادہ وقت ہوگا، آپ زیادہ لکڑیاں کاٹ لیا کرنا۔ لکڑ ہارے نے حامی بھر لی اور پھر سب نے اسی طرح کیا اور کچھ ہی دنوں میں لکڑیوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ایک دن ملکہ نے لکڑ ہارے سے کہا کہ روز اس طرح تھوڑی سی لے جانے میں پندرہ دن لگ جائیں گے، آپ کل بازار سے ایک بیل گاڑی لانا اور اس پر سب لکڑیاں ایک دن ہی لے جانا۔ لکڑ ہارے نے ایسا ہی کیا اور جب اگلے دن لکڑ ہارا بیل گاڑی لے کر جنگل میں گیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں پر لکڑیوں کا ڈھیر جل چکا تھا اور وہاں پر راکھ تھی اور اندر پیلے پیلے ٹکڑے تھے۔ لکڑ ہارا وہ ٹکڑے اٹھا کر گھر آ گیا اور رونے لگا کہ ہمارا سب کچھ لٹ گیا۔ جب ملکہ نے وہ ٹکڑے دیکھے تو بہت خوش ہوئی اور لکڑ ہارے سے کہا کہ وہاں پر ایسے ٹکڑے اور بھی ہوں تو لے آؤ۔ لکڑ ہارا سارے ٹکڑے اٹھا لایا دراصل وہ سونے کے ٹکڑے تھے۔ انہوں نے ان سے ایک عالیشان گھر بنایا اور اس میں رہنے لگے۔ اب وہ بہت امیر ہو چکے تھے، ایک دن ملکہ نے لکڑ ہارے سے کہا کہ آپ بادشاہ کو اپنے گھر دعوت پر بلوائیں۔ لکڑ ہارے نے ایسا ہی کیا۔ جب بادشاہ ان کے گھر آیا تو اس نے ملکہ کو نہ پہچانا جب وہ کھانا کھا چکا تو ملکہ، بادشاہ کے سامنے آئی اور کہا کہ میں وہی آپ کی ملکہ ہوں اور یہ وہی بہادر شاہ لکڑ ہارا ہے۔ بادشاہ یہ سن کر بہت شرمندہ اور حیران ہوا۔ بادشاہ ملکہ کو اپنے ساتھ لے گیا اور ہمیشہ ملکہ کی دانائی کی تعریف کرتا رہا۔

سبق : انسان اپنی ذہانت سے کام لے تو اس سے اپنی تقدیر بدل سکتا ہے۔ چنانچہ ملکہ کی ذہانت کی بدولت ایک معمولی لکڑ ہارا امیر ترین آدمی بن بیٹھا۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پکنک پارٹی

شانی، مونی اور رونی جب پکنک پوائنٹ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں تو گویا سارا جنگل ہی امڈ آیا تھا۔ وہ خوبصورت اور سرسبز وشاداب جگہ جانوروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور وہاں تل دھرنے تک کی جگہ نہ تھی۔ تینوں نے سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں کہ اب کیا کیا جائے؟ یہاں تو پہلے ہی لوگوں کی بھیڑ ہے۔

آخر مونی بولا۔ ''بھئی مجھے تو اتنے ہجوم سے وحشت ہو رہی ہے۔ چلو کہیں اور چلتے ہیں''۔

''لیکن کہاں؟'' رونی جھٹ بول پڑا۔ ''اس کے علاوہ بھی کوئی جگہ ہے''۔

تینوں دوست ایک بار پھر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد شانی بولا۔ ''کیوں نہ آج جھیل کی طرف سیر کیلئے جایا جائے''۔

''جھیل کی طرف؟'' مونی اور رونی دونوں کی آنکھوں سے جھیل کا نام سن کر خوف جھلکنے لگا۔ ''نہیں بھئی ہم وہاں نہیں جائیں گے''۔

انہوں نے وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کے خوف کی وجہ دراصل یہ تھی کہ جھیل کے ساتھ ہی ان کے جنگل کی سرحد ختم ہو جاتی تھی اور دوسرے جنگل کی سرحد شروع ہو جاتی تھی۔ دوسرے جنگل کے بارے میں مشہور تھا کہ اس میں خونخوار درندے کثرت سے پائے جاتے تھے۔

نیز دوسرے جنگل کے کئی خوفناک درندے ان کے جنگل کے کئی جانوروں کو نقصان پہنچا چکے تھے۔ اس لئے ان کے جنگل کے جانوروں نے اب اس طرف کا رخ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ حالانکہ جھیل کے آس پاس کا علاقہ بہت ہی خوبصورت اور سرسبز وشاداب تھا۔

رونی اور مونی کا انکار سن کر شانی بولا۔ ''ارے یار! تم تو بہت ہی ڈرپوک ہو۔ میں تمہیں اتنا بزدل نہیں سمجھتا تھا''۔

''نہیں شانی، ہم ڈرپوک نہیں حقیقت پسند ہیں''۔ رونی بولا۔

''نہیں یار وہ جگہ اتنی خطرناک نہیں ہے اور دن کے وقت تو وہاں کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ میں خود وہاں کئی بار جا چکا ہوں لیکن مجھے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا''۔ شانی نے ان کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔

''لیکن پھر بھی ہمیں ڈر لگتا ہے''۔ رونی بولا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انہیں نیم رضا مند دیکھ کر شانی جلدی سے بولا ''بھئی ہم لوگوں کو کچھ بھی تو نہیں ہوگا اور اگر ساتھ والے جنگل کا کوئی درندہ ہمیں نظر آیا تو ہم فوراً وہاں سے بھاگ آئیں گے۔ ویسے بھی اس جنگل کے درندے دن کے وقت جھیل کی طرف کم ہی رخ کرتے ہیں۔'' ''جیسے تمہاری مرضی۔ ویسے میں تو اُس طرف جانے کے حق میں نہیں ہوں۔'' مونی نے بادل نخواستہ کہا اور جانے پر راضی ہوگیا۔

''چلو ٹھیک ہے''۔ بالآخر رونی اور مونی نے ہار مانتے ہوئے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ آخر کو انہیں بھی تو جھیل اور اس کے اردگرد کا علاقہ بے حد پسند تھا لیکن اپنے والدین کے منع کرنے کی وجہ سے وہ مجبور تھے۔

ٹھیک آدھ گھنٹے بعد وہ نیلے صاف شفاف اور ٹھنڈے پانی والی خوبصورت جھیل کے پاس کھڑے تھے۔

آج ایک عرصے بعد انہوں نے اس طرف کا رخ کیا تھا۔ ورنہ ان کا دل تو بہت چاہتا تھا کہ اس جھیل کی سیر کریں۔

وہاں خوبصورت اور رنگ برنگ پھولوں اور پھلوں سے لدے پودے اور درخت دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ وہ شام تک وہاں کھیل کود میں مشغول رہے اور انہوں نے اس خوبصورت موسم کو جی بھر کے انجوائے کیا اور خوب ہلہ گلہ کیا۔

جب سورج نے کائنات کی دن بھر کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کے بعد تھک کر رات کے سیاہ آنچل میں اپنا منہ چھپانا شروع کر دیا تو انہیں گھر واپسی کا خیال آیا۔

''اُف کتنی دیر ہوگئی ہے اور ہمیں کھیل کود میں وقت گزرنے کا پتہ نہیں چلا''۔ رونی نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''ہمارے گھر والے تو بہت پریشان ہو رہے ہوں گے''۔

''ہاں رونی، واقعی بہت دیر ہو چکی ہے اب ہمیں گھر چلنا چاہئے''۔ شانی اور مونی نے بھی رونی میاں کی تائید کی۔

انہوں نے اپنی اپنی ٹوکری اٹھائی اور گھر کی جانب دوڑ لگا دی۔

ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ اچانک مونی چلا اٹھا۔ ''ارے رکو، ذرا دیکھو تو یہاں کتنی بڑی کھمبی اُگی ہوئی ہے''۔

شانی اور رونی بھاگ کر اس کے قریب آگئے اور حیرت سے اس دیوہیکل کھمبی کو تکنے لگے۔ ابھی وہ سب حیرت سے اس عجیب وغریب کھمبی کو دیکھ ہی رہے تھے کہ اپنے قریب ایک خوفناک غراہٹ سن کر چونک اٹھے۔ رونی، مونی اور شانی نے بیک وقت پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر یہ دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ پڑوسی جنگل کا ایک وحشی بھیڑیا غراتا ہوا تیزی سے ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔

ایک لمحے کے لئے وہ تینوں سکتے میں آگئے۔ جس بات کا اندیشہ تھا، بالآخر وہ سامنے آہی گیا۔ اب وہ دل ہی دل میں پچھتانے لگے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"بھاگو"۔ شانی چلایا اور تینوں نے دوڑ لگا دی۔ انہیں بھاگتے دیکھ کر بھیڑیے نے بھی اپنی رفتار مزید تیز کر لی۔ تینوں دوستوں کی سانس بھاگ بھاگ کر بری طرح سے پھول رہی تھی اور انہیں اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ موت کے خوف سے وہ لرز اٹھے۔

اندھا دھند بھاگتے ہوئے روفی اپنے راستے میں آنے والے خطرناک گڑھے کو نہ دیکھ سکا اور ایک دلدوز چیخ کے ساتھ اس میں گر گیا۔

اس کی چیخ کی آواز سن کر شانی اور مونی رک گئے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے عزیز از جان دوست کی مدد کریں یا اپنی جان بچائیں۔ ادھر بھیڑیے اور ان کے درمیان فاصلہ کم سے کم ہوتا چلا جا رہا تھا اور انہیں اپنی دردناک موت اپنی آنکھوں کے سامنے ناچتی نظر آ رہی تھی۔

ایسا لگتا تھا جیسے ان کی آخری گھڑی آ پہنچی ہو۔ وہ اپنی زندگی کی طرف سے بالکل نا اُمید ہو چکے تھے۔ چند لمحوں بعد خونخوار بھیڑیے کا نشانہ بننے والے تھے۔

یکا یک انہیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ پھر سے جی اٹھے ہوں۔ سامنے ہی ان تینوں کے والدین، جنگل کے بادشاہ شیر اور وزیرِ اعظم ہاتھی کے ساتھ ان کی طرف آ رہے تھے۔ بادشاہ شیر نے جیسے ہی خونخوار بھیڑیے کو ان کی طرف بڑھتے دیکھا تو انہوں نے ایک زوردار دہاڑ ماری اور بھیڑیے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ بھیڑیا ایک طاقتور اور تندرست و توانا شیر کو اپنی جانب آتے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

پھر جب اس نے شیر کے پیچھے ہاتھی اور دیگر جانوروں کو بھی آتے دیکھا تو اس کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ دم دبا کر بھاگ نکلا۔ شانی، مونی اور روفی دل ہی دل میں بہت ڈر رہے تھے کہ اب ان کی خوب شامت آئے گی۔

لیکن ان کے والدین نے ان کی ابتر حالت دیکھ کر انہیں کچھ نہ کہا بلکہ انہیں پیار سے سمجھایا کہ بڑوں کا کہا ماننے میں ہی بچوں کی بھلائی ہوتی ہے۔ وہ تینوں بھی اپنے والدین سے نافرمانی کا انجام دیکھ چکے تھے چنانچہ انہوں نے آئندہ کے لئے اپنے والدین کی نافرمانی سے توبہ کر لی۔

اب وہ دوسروں کو بھی فرماں برداری کا مشورہ دینے لگتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے دوستوں کو ہدایت کرتے تھے کہ ماں باپ کی نافرمانی کرنے سے کبھی کوئی اولاد سکھی نہیں رہ سکتا۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آب حیات

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملک شام پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا، وہ بہت نیک دل اور خدا ترس تھا۔ بادشاہ کی رعایا بادشاہ سے بہت خوش تھی اور ہر وقت اس کی سلامتی کی دعائیں مانگا کرتی تھی۔ بادشاہ کی صرف ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام شہزادی کرشمہ تھا۔ شہزادی کی ماں بہت پہلے ہی وفات پا چکی تھی۔ اس لئے شہزادی کرشمہ کو اپنے باپ سے بہت پیار تھا۔

ایک دفعہ بادشاہ بہت زیادہ بیمار ہو گیا اور اس کے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ ملک کے نامور طبیبوں سے علاج کروایا گیا اور دیگر ممالک سے حکیم بلوائے گئے مگر بادشاہ کو افاقہ نہ ہوا۔ بلکہ بیماری روز بہ روز بڑھتی ہی چلی گئی۔

آخر شاہی نجومی کو بلوایا گیا۔ شاہی نجومی نے حساب کتاب کرنے کے بعد بتایا کہ بادشاہ سلامت کی بیماری کا صرف اور صرف ایک ہی حل ہے جو کہ مصر کے شاہی طبیب چندن کو معلوم ہے۔ اور چندن کا شمار اس وقت کے نامی گرامی طبیبوں میں ہوتا تھا۔

چنانچہ شہزادی کرشمہ نے چندن کو شاہی محل بلوایا۔ چندن نے اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد شہزادی کو بتایا کہ بادشاہ سلامت صرف اسی صورت میں صحت یاب ہو سکتے ہیں اگر انہیں ''آب حیات'' پلایا جائے اور آب حیات محل سے مغرب کی جانب دس ہزار کلومیٹر کے فاصلے پر سرخ پہاڑیوں میں سنہری بوتل میں موجود ہے جسے حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے راستے میں بڑی بڑی مشکلات ہیں جن کا مقابلہ کوئی دلیر اور نڈر انسان ہی کر سکتا ہے۔

یہ سب معلوم کرنے کے بعد شہزادی کرشمہ نے چندن کو انعام و کرام سے نوازا اور اسے واپس اپنے ملک مصر روانہ کر دیا۔

اب شہزادی کو دن رات یہی فکر ستانے لگی کہ آب حیات کون لائے گا کیونکہ شہزادی کرشمہ کا کوئی بھائی بھی نہ تھا چنانچہ اس نے اعلان کروایا کہ جو کوئی میرے والد محترم کے لئے مغربی پہاڑیوں میں سے ''آب حیات'' لائے گا میں اس سے شادی کروں گی۔ چنانچہ سینکڑوں شہزادے اور کئی وزیر زادے اس مقصد کے حصول کے لئے گئے مگر جانے والوں میں سے کوئی بھی لوٹ کر نہ آیا۔ کافی عرصہ گزر گیا مگر بادشاہ کی بیماری جوں کی توں رہی۔

آخر ایک دن ایران کا ایک شہزادہ آیا اور کہا کہ شہزادی کرشمہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں میرے لئے کیا حکم ہے''۔ شہزادی نے جواب میں آب حیات کی فرمائش کر دی جسے ایران کے شہزادہ گلفام نے ہنسی خوشی قبول کر لیا اور آب حیات حاصل کرنے کیلئے روانہ ہو گیا جس کا پتہ وہ پہلے ہی شہزادی کرشمہ سے دریافت کر چکا تھا۔ وہ ایک جری اور نڈر نوجوان تھا۔ تین روز کے بعد وہ مغربی پہاڑیوں پر پہنچا اور اندر جانے کے لئے راستہ تلاش کرنے لگا اور آخر کار اسے راستہ مل ہی گیا جہاں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سینکڑوں کی تعداد میں سیڑھیاں نیچے اتر رہی تھیں، شہزادے نے اپنی تلوار سنبھال لی اور اللہ کا نام لے کر آگے بڑھا، ابھی شہزادہ سیڑھیوں کے وسط میں تھا کہ اچانک سیڑھیاں گر گئیں اور شہزادہ اپنی تلوار سمیت زمین پر گر گیا مگر پھر شہزادہ فوراً ہی سنبھل گیا کیونکہ ابھی تو شہزادے کی مشکلات کا آغاز تھا اور آگے آگے اسے مزید مشکلات سے ہمکنار ہونا تھا۔

اب وہ آہستگی کے ساتھ آگے بڑھنے لگا یہاں شہزادے کو کئی کمرے نظر آ رہے تھے اور ایک لمبی راہداری تھی۔ شہزادہ پہلے کمرے میں داخل ہو گیا مگر وہاں بے شمار سانپ رینگتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ سانپوں کی سرزمین میں داخل ہوا ہو۔ شہزادے نے ان پر پے در پے وار کیے مگر جتنے سانپ مرتے اور اتنے ہی سانپ مزید پیدا ہو جاتے۔ آخر کار شہزادہ گلفام کمرے سے باہر آ گیا اور دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہاں بھی یہی حال تھا۔ پھر شہزادے نے سوچا کہ کیوں نہ پہلے تمام کمروں کا جائزہ لیا جائے اور پھر ان میں داخل ہوا جائے۔ چنانچہ شہزادہ اس لمبی راہداری میں گھومنے لگا۔ اچانک شہزادے کی نظر ایک ایسے کمرے پر پڑی جس کے دروازے پر سنہری حروف میں ''آب حیات'' کندہ تھا۔ اب شہزادہ سوچ میں پڑ گیا مگر شہزادی کے لئے شہزادہ گلفام کچھ بھی کر سکتا تھا۔ چنانچہ گلفام کمرے میں داخل ہو گیا۔

اندر پہنچتے ہی شہزادے نے دیکھا کہ ایک نہایت باریک پل ہے اور اس پل کے پار ایک اور دروازہ ہے۔ اس کے علاوہ ارد گرد اور کچھ نہ تھا۔ شہزادہ پل پر پہنچ گیا اور چلتے چلتے دروازے تک آ پہنچا۔ اس کے بعد شہزادہ جلدی سے اندر داخل ہوا۔ وہاں شہزادے کو چند سیڑھیاں نیچے کی طرف اترتی ہوئی نظر آئیں۔

شہزادے نے جلدی سے سیڑھیوں کو عبور کیا اور تہہ خانے میں پہنچ گیا۔ اب آگے ایک بڑی متحرک دیوار تھی جو پہلے بہت کم اوپر کی جانب اٹھتی اور پھر جلدی سے زمین کے ساتھ آ ملتی تھی۔ جب دیوار اوپر ہو جاتی تو اتنا سا راستہ بھی نہ ہوتا کہ ایک انسان اس کے نیچے سے گزر سکے۔ چنانچہ شہزادہ دیوار کے نیچے سے گزرنے کے لئے تدبیر سوچنے لگا۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور شہزادہ گلفام دیوار کے ساتھ لیٹ گیا جوں ہی دیوار اٹھی شہزادہ فوراً اس کے نیچے سے گزر گیا۔ اب آگے ایک شاندار شیلف تھی جس کے اوپر سنہری رنگ کی بوتل تھی اور اس کے اوپر آب حیات لکھا تھا چنانچہ شہزادہ گلفام نے جھٹ سے بوتل کو اٹھا لیا اور اپنی جیب میں ڈال لیا۔ آب حیات حاصل کر لینے کے بعد واپس آتے ہوئے بھی شہزادے کو انہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر شہزادے نے اس کا مقابلہ نہایت بہادری سے کیا اور بالآخر کامیاب و کامران لوٹا اور شہزادی کو آب حیات پیش کیا۔ شہزادی نے بادشاہ کو آب حیات پلایا تو بادشاہ صحت یاب ہو گیا۔

پورے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور بادشاہ نے شہزادی کرشمہ کی شادی شہزادہ گلفام کے ساتھ کر دی اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سیدھے راستے کی تلاش

مدت گزری کسی شہر میں دو نیک اور خدا ترس بھائی رہتے تھے۔ ایک کا نام شفیق اور دوسرے کا نام شریف تھا۔ کام کاج کے بعد انہیں جتنا وقت ملتا وہ اسے غریبوں کی مدد کرنے میں صرف کرتے۔ اور رات دن فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف رہتے۔ غرضیکہ کئی محتاج، بیوائیں اور یتیم بچے ان کے سہارے جی رہے تھے۔

ایک دن کی بات ہے کہ دونوں بھائی کام سے فارغ ہو کر گھر واپس آ رہے تھے۔ شفیق آگے آگے اور شریف پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اچانک شفیق کو سڑک پر ایک چمکتی ہوئی چیز دکھائی دی۔ وہ چلتے چلتے ٹھٹک کر رک گیا اس نے اسے جھک کر غور سے دیکھا اور پھر اس طرح خوفزدہ ہو کر سرپٹ بھاگا جیسے وہ کوئی سانپ ہو۔

شریف کو بہت حیرت ہوئی، اس نے بھی جھک کر اس چیز کو غور سے دیکھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سڑک کے بیچوں بیچ ایک بڑا سا ہیرا پڑا جگمگا رہا ہے۔

''ارے یہ تو ہیرا ہے۔ بہت قیمتی معلوم ہوتا ہے'' وہ زور سے بولا ''میرا بھائی اسی کو دیکھ کر بھاگا ہے۔ لیکن کیوں؟ دولت بُری چیز نہیں، بُرا تو وہ شخص ہے جو اسے بُرے کاموں میں صرف کرتا ہے۔ دولت سے جہاں انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے، وہاں کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے۔ کتنی ہی بیوائیں اور یتیم بچے اس دولت سے پل سکتے ہیں۔ ہمارا کام لوگوں کی خدمت کرنا ہے لیکن ہم ان کی اتنی ہی خدمت کر سکتے ہیں جتنی ہماری ہستی ہے۔ اس ہیرے کو بیچ کر میں غریبوں کی زیادہ سے زیادہ مدد کر سکوں گا۔ لوگ مجھے دعائیں دیں گے اور میں ساری دنیا میں مشہور ہو جاؤں گا''۔ یہ سوچ کر اس نے ہیرا اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔ وہ اس جگہ سے جلد از جلد دُور جانا چاہتا تھا۔ تاکہ لوگوں کی نظروں میں نہ آ سکے۔

شریف نے سوچا کہ اگر وہ اسی شہر میں رہے گا تو لوگ شک کریں گے کہ اس کے پاس اتنی دولت کہاں سے آ گئی۔ اس لئے وہ ایک دوسرے شہر میں چلا گیا۔ اس نے وہاں جا کر وہ ہیرا ایک جوہری کو فروخت کیا۔

اس نے سوچا تھا کہ کچھ دن بعد شفیق کو بھی اپنے پاس بلا لوں گا۔ وہ ہیرا بہت قیمتی تھا اور کئی لاکھ روپے میں فروخت ہوا۔ ان روپوں سے اس نے تین عمارتیں بنوائیں، جن میں ایک یتیم خانہ تھا، دوسرا غریبوں کیلئے خیراتی اسپتال اور تیسری سرائے جس میں غریب مسافروں کی رہائش کا انتظام تھا۔

تھوڑے ہی عرصے میں یتیموں نے یتیم خانے میں آنا شروع کر دیا، اسپتال بیماروں سے اور سرائے مسافروں سے بھر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گئی، ہر شخص شریف کو دعائیں دینے لگا، غرض اس کی نیکی اور خدا ترسی کی شہرت پورے ملک میں ہوگئی۔

کچھ عرصے بعد اسے اپنا بھائی یاد آیا، اس نے سوچا معلوم نہیں وہ کس حالت میں ہے؟ زندہ بھی ہے یا مر گیا ہے۔ ۔ ۔ نے اس کا نام نہیں سنا البتہ میرا نام ہر زبان پر ہے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے وہی پرانے کپڑے پہنے جنہیں پہن کر وہ اس ش میں آیا تھا اور اپنے بھائی سے ملنے کے لئے چلا گیا۔

دل میں بھائی سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ اور جیسے جیسے فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا، بھائی سے ملنے کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔ ۔ ایک طویل عرصے بعد وہ اپنے بھائی سے ملنے جا رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ اس کے قدموں کی رفتار میں تیزی آ رہی تھی۔

جب وہ شہر میں داخل ہوا تو اسے ایک بوڑھا ملا جس کے چہرے پر فرشتوں کا سا نور برس رہا تھا۔ اس کی شخصیت م ایک کشش تھی۔ شریف اس نورانی چہرے والے بوڑھے سے بڑا متاثر ہوا۔

بوڑھے نے اس کو روک لیا اور کہا: "اے شخص تو جہاں سے آیا ہے واپس چلا جا۔ تو اپنے بھائی کے ساتھ رہنے کے ق ہی نہیں ہے، جب تک تو سیدھے راستے پر نہیں آئے گا تجھے تیرا بھائی نہیں ملے گا"۔

"آپ نے کیا فرمایا بابا؟ میں غلط راستے پر ہوں" شریف نے کانپتے ہوئے کہا، "میں نے یتیموں کے لئے یتیم خ بنایا، سینکڑوں مریضوں کو نئی زندگی بخشی، ان کے لئے اسپتال بنایا، میں نے غریب مسافروں کے لئے سرائے بنائے اور ان ز زبان بھی دعائیں دیتے ہوئے سوکھ رہی ہے۔

شریف کی باتیں سُن کر چند لمحوں کے لئے بوڑھا سوچ میں پڑ گیا۔ پھر ناصحانہ انداز میں بولا۔

"لیکن ذرا سوچ تو سہی، یہ سب کام کس لئے کر رہا ہے، خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے؟ نہیں تو تو یہ کام اپ تعریف کے لئے کر رہا ہے، نیکی تو وہ ہے جو چپ چاپ کی جائے، اس طرح کہ دایاں ہاتھ دے تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ اسی سے خدا خوش ہوتا ہے"

یہ کہہ کر بوڑھا چلا گیا اور شریف روتا دھوتا اپنے بھائی کے گھر پہنچا۔ شفیق گھر میں ہی تھا۔ اُس نے دستک کی آواز سُن دروازہ کھولا تو شریف نے "میرا بھائی" کہہ کر اُسے گلے لگانا چاہا مگر شفیق ایک طرف ہٹ گیا اور بولا:۔

"بھیا یہ بھی تم دکھاوے کیلئے تو نہیں کر رہے"۔

بھائی کی بات سُن کر شریف بہت شرمندہ ہوا۔ وہ مزید کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا۔ اس کا سر شرم سے جھک گیا۔ شفیق نے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں اکثر خواب میں دیکھا کرتا تھا کہ تم اپنا نام چمکانے کے لئے نیک کام کر رہے ہو۔ سادہ لوح لوگوں کو خوب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بے وقوف بنا رہے ہو اور لوگ تمہاری سخاوت کے گیت گا رہے ہیں۔ لیکن امید ہے اب تم سیدھے راستے پر آ گئے ہو۔ اب تمہیں پتا چل گیا ہو گا کہ نیک کام نام کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کرنا چاہیے۔ کل رات میں نے تمہیں خواب میں گھر آتے ہوئے دیکھا تھا، مگر میں تم سے اس حالت میں نہیں ملنا چاہتا تھا کیونکہ تم گمراہ تھے، راستے میں جو تمہیں بوڑھا ملا تھا وہ میں ہی تھا۔

یہ سن کر شریف پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اب وہ سمجھ گیا تھا کہ جو بھی نیک اور اچھا کام کیا جائے۔ وہ اپنی شہرت کے لئے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے"۔ شریف کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو تھے۔ اس نے بے اختیار آگے بڑھ کر شفیق کو گلے لگا لیا۔ اب وہ نیک اور سیدھے راستے پر آ گیا تھا۔

سبق : سچ ہے جو لوگ اپنی ناموری کے لئے کوئی کام کرتے ہیں بظاہر تو وہ خوش رہتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ خود کو دھوکہ دیتے ہیں۔ کیونکہ اصل خوشی تو وہ ہے جو کسی لالچ و طمع سے پاک ہو۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خوفناک مکڑی

''ابو، ابو، میں بھی چلوں آپ کے ساتھ'' زبیر بولا۔

''کیا ہے؟'' ابو جو پہلے ہی بیگم کی بات سننے سے تنگ آ چکے تھے بولے، زبیر نے کہا۔ ''ابو میں بھی جانا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے بھی لے چلیں۔ مجھے گھر میں بوریت ہوگی'' ۔ زبیر مسلسل اصرار کر کے ابو کو تنگ کر رہا تھا۔

''بیٹا اگر میں تم کو ساتھ لے گیا تو تمہارا بھائی گھر میں اکیلا رہ جائے گا اور ویسے بھی اس کا کل پرچہ ہے۔ ہم لوگ جلد ہی واپس آ جائیں گے۔ تم پھر کبھی میرے ساتھ چلے جانا'' مگر زبیر باز نہ آیا اور ابو کی قمیض پکڑ کر کھینچنے لگا۔

میں خاموشی سے کھڑا سوچ رہا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر بعد جب گھر والے چلے جائیں گے تو گھر میں سناٹا چھا جائے گا۔ ابھی میں اس خیال میں تھا کہ اچانک ''چٹاخ'' کی آواز سنائی دی جس نے میری توجہ ہٹا دی۔ معلوم ہوا کہ ابو نے زبیر کو ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا ہے۔ جس کی آواز پورے کمرے میں گونج اٹھی تھی اور وہ گال سہلاتا ہوا چیخ مار کر روتا اور دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد امی بھی تیار ہو کر آ گئیں۔ انہیں اس واقعہ کا ابھی تک علم نہ تھا اور کچھ دیر بعد امی ابو گاڑی میں بیٹھ کر مسز نسیم کے گھر روانہ ہو گئے۔ مسز نسیم ہماری بہت قریب کی جاننے والی تھیں۔ آج انہوں نے آٹھ بجے اپنے بنگلے پر تمام عزیز و اقارب کو پارٹی دے رکھی تھی۔ امی ابو کے جانے کے بعد میں نے دروازہ بند کیا اور بستر پر لیٹ گیا لیکن مجھے اچانک اپنے چھوٹے بھائی کا خیال آیا جو غالباً روتے ہوئے باہر کی جانب بھاگا تھا۔ میں جلدی سے اٹھا اور دروازہ کھول کر برآمدے میں آ گیا۔ ''زبیر، زبیر'' میں نے آوازیں دیں مگر مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ میرا خیال تھا کہ وہ باہر گھوم رہا ہوگا یا یہیں کہیں چھپا ہوگا۔ میں نے گھر کا چپہ چپہ چھان مارا مگر مجھے زبیر کہیں نہیں ملا۔ میں گلی میں نکل گیا کہ شاید باہر گیا ہو مگر وہاں بھی ہر طرف خاموشی تھی۔ میں واپس کمرے میں آ گیا اور یہ سوچ کر دل کو تسلی دی کہ شاید وہ بازار گیا ہوگا، آ جائے گا۔

رات کے گیارہ بج گئے مگر وہ گھر نہ آیا۔ میں پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر بھاگتا رہا مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں، بالآخر کافی دیر تک تلاش کرنے کے بعد میں دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔

میرا رونے کو جی چاہ رہا تھا، عجیب عجیب سے خیالات پریشان کر رہے تھے کہ اسے کہیں کوئی اٹھا کر تو نہیں لے گیا پتا نہیں وہ ناراض ہو کر کہاں چلا گیا ہے۔ ابھی میں ان ہی خیالوں میں گم تھا کہ مجھے محسوس ہوا کہ کوئی باہر کی کنڈی کھول رہا ہے لیکن میں نے اسے اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر مجھے دوبارہ آواز سنائی دی اور اب کی بار ایسا لگا کہ جیسے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کوئی گھر میں داخل ہوگیا ہے۔ایک تو پہلے ہی میں پریشان تھا لیکن اب خوف کے مارے میرا برا حال ہو رہا تھا۔میں نے اسے بھی اپنا وہم سمجھا مگر میرا ذہن اسے وہم ماننے سے انکار کر رہا تھا۔کچھ تھا ضرور۔میں کانپتے جسم سے اٹھا اور دروازہ کھول کر صحن میں آ گیا۔میں نے ہر جگہ دیکھا مگر وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا اور کنڈی بھی لگی ہوئی تھی۔بالآخر میں دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور خود کو کوسنے لگا کہ میں بھی کتنا بزدل ہوں کہ اتنی جلدی ڈر گیا۔مگر مجھے اسی لمحے محسوس ہوا کہ کوئی میرے پیچھے چلتے ہوئے آ رہا ہے اور مجھے اس کی آہٹ سنائی دے رہی تھی کیونکہ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا اور خاموشی تھی۔اس لئے مجھے اس آہٹ کو محسوس کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

سردیوں کی رات تھی۔میں ایک لمحہ بھر میں پسینے میں شرابور ہو گیا لیکن وہ آہٹ مجھے مسلسل قریب ہوتی محسوس ہو رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ میرے دل کی دھڑکن بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔پھر اچانک آواز بند ہو گئی۔میں نے فوراً مڑ کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا صرف ایک بہت بڑی مکڑی تھی جو مجھ سے دور زمین پر خاموش تھی اور پھر دیکھتے دیکھتے ہی ایک طرف کو غائب ہو گئی۔

میں حواس باختہ ہو کر کمرے کی طرف دوڑا اور ساری لائٹیں جلا دیں۔اسی لمحے مجھے دوبارہ اپنے بھائی کا خیال آیا جو ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔میں دوبارہ صحن میں چلا آیا اور گیٹ کھول کر سڑک پر دیکھنے لگا۔مجھے محسوس ہوا جیسے کوئی سامنے سے آ رہا ہو۔جب وہ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ زبیر تھا۔اس کی شکل دیکھتے ہی میں اس پر ٹوٹ پڑا اور اسے کھینچ کر کمرے میں لے آیا۔غصے میں اول فول بک دیا لیکن اس نے میری کسی بات کا جواب نہ دیا اور روتے روتے سو گیا مگر مجھے ابھی پڑھنا تھا۔امی اور ابو کی واپسی پر دروازہ بھی کھولنا تھا۔زبیر تو سو گیا مگر اس کے بعد مجھ پر جو بیتی وہ میں ہی جانتا ہوں۔

میں دوسرے کمرے میں چلا آیا اور کرسی پر بیٹھ گیا اور بڑھ کر کتاب کو ہاتھ میں پکڑنے ہی والا تھا کہ مجھے اپنے کتاب پر وہی بڑی مکڑی پھرتی ہوئی محسوس ہوئی۔میں نے اسے نیچے گرا دیا اور کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا لیکن مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ وہ مکڑی بار بار میز پر چڑھتی اور میرے سامنے آ کر رک جاتی اور میں ہر دفعہ اسے نیچے پھینک دیتا۔لیکن اُس نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی جدوجہد جاری رکھی اور بار بار چڑھ جاتی۔میں نے کتاب کو رکھ دیا اور اپنی نظریں اس مکڑی پر مرکوز کر دیں جو اپنی جگہ پر ساکت تھی۔میں کافی دیر تک اسے خونخوار نظروں سے دیکھتا رہا اور جونہی میں نے اسے مارنے کے لئے اپنا اسکیل اٹھایا وہ تیزی سے چلتی ہوئی میز کے کنارے تک آئی اور نیچے گری اور غائب ہو گئی۔

میں پھر دوبارہ اپنے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔لیکن کچھ ہی دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ جیسے کوئی میرے پیچھے بیٹھا ہوا ہنس رہا ہو۔زبیر چونکہ سو رہا تھا اس لئے اس کی طرف میرا دھیان نہ گیا۔تھوڑی دیر بعد ہنسنے کی آواز بلند ہوئی اور کوئی مجھے صرف یہ کہتے ہوئے سنائی دیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ڈر گئے ہو یاسر۔ میرے قریب آؤ میرے قریب آؤ۔ میں تمہارے ساتھ کھیلنا چاہتا ہوں"۔

مجھ میں اتنی سکت نہ تھی کہ میں پیچھے مڑ کر دیکھ سکوں۔ کچھ دیر یہی حالت رہی اور پھر آواز آنا بند ہوگئی۔ میں نے کرسی تھوڑی سی سرکائی اور مڑ کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ سوائے اسی بڑی مکڑی کے۔ یہ وہی مکڑی تھی جو پہلے میری میز پر چڑھی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ جیسے وہ مکڑی مجھے گھورے جارہی ہے۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی جگہ سے ہلی اور کہیں غائب ہوگئی۔ اب مجھے مکمل یقین ہو چکا تھا کہ ہمارے ساتھ کچھ ہو رہا ہے۔

میں اٹھا اور اپنے بھائی کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اسے سوتا دیکھ کر دوبارہ اپنی جگہ پر واپس آ بیٹھا۔ اور کتاب کھول کر پڑھنے لگا۔ ابھی مجھے کتاب پڑھتے ہوئے کوئی آدھا گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا کہ مجھے رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو غالباً میرے بھائی کے کمرے سے آرہی تھیں۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ زبیر دوڑتا ہوا آیا اور میرے سینے سے آ لگا۔ اس کے دل کی دھڑکن اتنی تیز تھی کہ وہ کچھ بول نہیں پا رہا تھا۔ جب اس کی حالت بہتر ہوئی تو اس نے بولنے کی کوشش کی "یاسر بھائی۔ وہ، وہ، وہاں مکڑی۔۔۔۔۔"۔

اس نے یہ الفاظ بڑی مشکل سے ادا کیے کیونکہ ابھی تک اس کی سانسیں بحال نہیں ہوئی تھیں۔ میں اسے خود سے علیحدہ کر کے اس کے کمرے کی طرف دوڑا لیکن اس کے بستر پر تو کچھ بھی نہیں تھا۔ "وہ، وہ، یہاں، یہاں پر تھی۔ میں، میں سویا ہوا تھا کہ وہ"۔ آگے بات نہیں کہہ پا رہا تھا۔ "پھر کیا ہوا، زبیر، زبیر بتاؤ تو سہی"۔

"یاسر بھائی وہ، وہ، وہ مکڑی سے جن بن گیا۔ وہ بہت ڈراؤنا تھا۔ وہ مجھ کو مارنا چاہتا تھا اور اس کے ہاتھ میں بہت بڑا پتھر بھی تھا"۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "زبیر میرے قریب آؤ، میں تمہارے ساتھ کھیلنا چاہتا ہوں"۔ میں نے انکار کیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ زبیر سہما ہوا خوف زدہ کافی دیر تک مجھے اس کی شکل کے متعلق بتاتا رہا لیکن میں نے اسے ایک خواب کہہ کر اپنے کمرے میں بستر پر یہ کہہ کر سلا دیا کہ تم نے صرف ایک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔

ایسی صورت حال سے میرا پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ ویسے بھی ہم لوگ پچھلے اٹھارہ سال سے یہاں رہ رہے تھے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس خیال کو جھٹک کر پڑھنا شروع کر دیا۔ کافی دیر تک پڑھتا رہا پھر نیند نے مجھ پر غلبہ پانا شروع کر دیا۔ میں نے گھڑی پر دیکھا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ مجھے پتا تھا کہ امی ابو تین چار بجے سے پہلے نہیں آسکتے کیونکہ آنٹی کا گھر کافی دور تھا۔ اس لئے میں دوبارہ بے فکر ہو کر لیٹ گیا۔ نہ جانے کب تک سوتا رہا۔

پھر اچانک خوف سے میری آنکھ کھل گئی۔ اسی لمحے اچانک گھنٹی بجی تو میں ہل سا گیا۔ پریشان حال قدموں سے چلتا ہوا دروازہ کھول کر صحن کا رخ کیا۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی اور خاموشی کا راج تھا۔ کچھ واضح طور پر نظر نہیں آرہا تھا۔ میرے دل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں یہ خیال ابھرا کہ امی ابو اتنی جلد کیسے واپس آ گئے کیونکہ ابھی صرف ڈھائی بجے تھے۔ خیر میں خوشی کے ساتھ جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا بیرونی دروازے کی جانب بڑھا۔ خود کو سنبھالتے ہوئے باہر کی کنڈی کھولی اور باہر نکل آیا۔ لیکن ،لیکن باہر ہو کا عالم تھا، سردی کی رات ۔۔۔۔۔۔ ہر طرف خوفزدہ اندھیرا اور میری حالت یہ کہ کاٹو تو خون نہیں۔

میرے سامنے ایک آدمی کھڑا تھا جس نے اپنا منہ ہر طرف سے چھپا رکھا تھا۔ میں اس کے حلیہ پر غور ہی کر رہا تھا کہ وہ بولا ”بیٹا آج رات کو میرا بیٹا تمہارے گھر میں گھس آیا ہے۔ اس کو جلدی سے بلاؤ اور میرے ساتھ روانہ کر دو۔ وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے اور اکثر ایسی حرکتیں کرتا رہتا ہے۔ یقیناً اس نے تم کو بھی پریشان کیا ہوگا“۔ وہ شخص یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

میں چپ چاپ اس کا منہ تکنے لگا وہ میری خاموشی کا کچھ اور مطلب سمجھا اور ایک دم غصے میں آ گیا۔

”دیکھو، دیکھو۔ میرے بیٹے کو میرے حوالے کر دو ورنہ تمہارے گھر میں کوئی چیز سلامت نہیں رہے گی“۔ چونکہ میں اس کے اس رویے کے لئے تیار نہ تھا اس لئے کچھ بول نہ سکا۔

تھوڑی دیر بعد میں بڑے آرام سے سہمے ہوئے لہجے میں بولا ”جناب آپ کا بیٹا، بھلا ہمارے گھر میں کیوں داخل ہوگا۔ ہمارے گھر کی کنڈی اندر سے لگی ہوئی ہے اور ہمارے گھر میں کسی لڑکے یا بچے کا وجود بھی نہیں“۔

پہلے وہ آدمی پریشان ہوا اور پھر بولا ”دیکھو بیٹا ڈرو نہیں، میں جنات سے ہوں اور وہ میرا بیٹا ہے۔ جو ہر شکل میں خود کو تبدیل کر سکتا ہے۔ وہ اکثر چھپکلی، مینڈک، مکڑی وغیرہ وغیرہ بن کر دوسروں کے گھر میں گھس جاتا ہے۔ وہ بہت شرارتی ہے اور اگر کوئی اس کی بات نہ مانے تو وہ غصے میں آ جاتا ہے اور گھر کی چیزوں کو توڑ پھوڑ دیتا ہے اور یہاں تک کہ کبھی کبھی جانی نقصان بھی کر دیتا ہے۔ گھر والوں کو تنگ کرتا ہے“۔ اس کی بات سن کر میرے ذہن میں اس مکڑی کا خیال آیا جو کہ مختلف جگہوں پر گھومتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

اچانک کمرے کے اندر سے دھڑام دھڑام کی آوازیں آنے لگیں جیسے کہ چیزیں ٹوٹ رہی ہوں۔ میں کمرے کی طرف بھاگا اور کمرے کا دروازہ کھولتے ہی میں نے ایک ہولناک منظر دیکھا۔ ہر طرف طوفان مچا ہوا تھا اور چیزیں اِدھر اُدھر بکھری پڑی تھیں اور زبیر ایک کونے میں بے ہوش پڑا تھا۔ اسی لمحے میرے ذہن میں اجنبی آدمی کی باتیں گھوم گئیں جو اس نے ابھی مجھ سے کی تھیں۔ میں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور زبیر کو ہوش میں لانے کے لئے پانی چھڑکا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں آ گیا۔ ہم نے ایک دوسرے کو خوف زدہ سوالیہ نظروں سے دیکھا جن میں ایک ہی سوال تھا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

”مکڑی، مکڑی“۔ زبیر ایک دم سے چیخا اور انگلی سے اشارہ کرنے لگا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ خوفناک بڑی مکڑی دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اتنے میں مجھے باہر کی کنڈی کھلتی ہوئی محسوس ہوئی اور پھر بند ہوگئی۔ میں باہر آیا تو زبیر بھی ساتھ دوڑا آیا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر چل رہا تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے قدموں سے صحن میں آیا اور دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ میرے وجود میں ایک خوف طاری تھا۔ جس سے میں مکمل طور پر کانپ رہا تھا۔ میں نے دیکھا تو کنڈی لگی ہوئی تھی یعنی دروازہ بند تھا۔

اتنے میں ایک دم گھنٹی بجی۔ میں اور زبیر بجلی کی تیزی سے تین چار قدم پیچھے ہٹ گئے۔ میں نے ایک نظر زبیر پر ڈالی جو پہلے ہی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی جس سے فضا میں شور پیدا ہو رہا تھا میں نے آگے بڑھ کر کنڈی کھول دی تو سامنے امی اور ابو کو پایا جو ہماری حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

ابو بولے،''کیا بات ہے۔کیا ہوگیا؟ تم دونوں بدحواس کیوں ہو رہے ہو؟ آواز کیوں نہیں نکل رہی، میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔اندر چلو'' اور امی ابو آگے بڑھ گئے۔ میں نے کنڈی لگا دی۔

میں اور زبیر ایک دوسرے کو دیکھ کر کمرے کی طرف بڑھے۔امی ابو پہلے ہی کمرے میں داخل ہو چکے تھے اور جب ہم دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو چونک اٹھے۔ ہر ایک چیز اپنی اصلی حالت میں اپنی جگہ پر پڑی تھی اور ہمارے امی ابو جو کہ باتوں میں مصروف تھے، نہ تو انہوں نے کوئی تبصرہ کیا اور نہ ہی کوئی بات ہوئی۔

دن گزرتے گئے ۔اس دن کے بعد نہ تو کوئی قابل ذکر واقعہ پیش آیا اور نہ آوازیں سنائی دیں۔ وہ رات میرے اور میرے بھائی کیلئے خوفناک رات بن کر آہستہ آہستہ ہمارے ماضی کا حصہ بن گئی اور ماضی کی وہ گھڑیاں جن کو میں اور میرا بھائی کبھی نہیں بھلا سکے اور نہ ہی بھلا پائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہانی ایک ٹھگ کی

پہلے وقتوں کی بات ہے کہ غزنی کے علاقے میں موسم سرما میں جب کہ شدید برف باری ہو رہی تھی اور طوفانی برفانی ہوائیں چل رہی تھیں۔اس شدید برفانی موسم میں ایک ٹھگ کسی ضروری کام کے لئے اپنے مریل گدھے پر سوار پھٹا پرانا کوٹ پہنے کسی قریبی گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔طوفانی برفانی ہواؤں کی شدت سے وہ ٹھگ بُری طرح کانپ رہا تھا۔گدھے کو جتنا بھی پچھاڑتا، دھمکاتا حتی کہ گدھے پر لاٹھیوں کی بوچھاڑ کرتا۔لیکن گدھا مریل و کمزور ہونے کے ناتے اسی پیدائشی رفتار سے چلتا رہا کہ اچانک آگے نظر پڑی تو کچھ فاصلے پر دیکھا کہ ایک گھوڑا سوار گھوڑے پر بیٹھا گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا سامنے سے چلا آ رہا ہے۔

ٹھگ کے ذہن میں برق رفتاری سے ایک ترکیب آئی۔فوراً جیب سے اپنا رومال نکال کر گدھے پر تن کر بیٹھ گیا اور رومال سے بار بار اپنے چہرے کو پونچھتا رہا۔گھوڑا سوار نے قریب آ کر گھوڑے کی لگامیں کھینچیں گھوڑا رکا۔گھوڑا سوار نے گدھا سوار سے پوچھا کہ کیوں بھائی بات کیا ہے۔کیوں اپنے چہرے کو بار بار پونچھتے ہو۔

ٹھگ نے جواب دیا۔''بھائی کافی گرمی محسوس کر رہا ہوں''۔

گھڑسوار نے پوچھا۔''عجیب بات ہے۔اس شدید طوفانی برفانی موسم میں جبکہ میں نے سمور کی پوستین پہنی ہے۔اس کے باوجود میں سردی سے کانپ اور ٹھٹھر رہا ہوں ایک تم ہو کہ سردی میں گرمی محسوس کر رہے ہو۔تمہارا یہ مریل گدھا، یہ پھٹا پرانا دقیانوسی کوٹ اور تم ٹی بی زدہ چوہا''۔

ٹھگ فوراً بول اٹھا۔''بس بس اس سے زیادہ مجھے مزید سننے کی تاب نہیں تم کو کیا خبر کہ یہ گدھا کس نے مجھے عطا فرمایا ہے۔اور یہ کوٹ مجھے کس نے بطور عطیہ عطا فرمایا ہے۔سن او مغرور انسان۔یہ گدھا جسے تم نے مریل کہا ہے اور میرے کوٹ مبارک کو تم نے پھٹا پرانا دقیانوسی کا خطاب دیا ہے دراصل میں کسی بڑے مرشد صاحب کا مرید ہوں۔بلکہ خلیفہ ہی کہئے۔کیونکہ خلوص دل اور تن دہی سے خدمت گزاری کی ہے جس کے بدلے میں حضرت پیرو مرشد نے مجھے یہ گدھا اور یہ کوٹ عطا فرمائے ہیں۔گدھے کو میں اپنی مرضی و منشاء کے مطابق چلاتا ہوں اور یہ کوٹ آپ کو پھٹا پرانا نظر آتا ہے اس کا کمال دیکھئے کہ ہوا کوٹ کے ایک سوراخ سے داخل ہو کر باہر نکل جاتی ہے تو پھر سردی کا یہاں پر کیا گزر۔''

اس پر امیرزادہ نے استدعا کی''اے میرے خوش بخت بھائی! میرا سفر دُور کا ہے۔کم از کم مسافت منزل دو دن دو شب کی ہے مگر اس ناقابل برداشت موسم میں اتنی طویل مسافت طے کرنا میرے خیال میں بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔بلکہ مجھ کو اپنی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جان کے جانے کا خطرہ ہے۔تم کو اپنے پیرومرشد کا واسطہ میری جوانی پر ترس کھا کر اپنا گدھا اور کوٹ مجھ کو عطا فرمائیں۔اور میرا گھوڑا اور پوستین قبول وصول فرمائیں"۔

اس پر گدھا سوار (ٹھگ) نے کہا کہ "یہ کیسے ممکن ہوگا کہ میں اپنے حضرت پیرومرشد کا گدھا اور کوٹ آپ کے حوالے کردوں۔یہ ناممکنات میں سے ہے"۔

اس پر امیرزادہ گھوڑے سے اترا اور ٹھگ کے پیروں کو چھوا۔گدھے کے ماتھے کو چوما۔پھر انتہائی عاجزی وانکساری سے مخاطب ہوا"اے عظیم مبارک پیر کے لاڈلے مرید خلیفہ صاحب میری تکلیف وپریشانی کے پیش نظر مجھے اپنے عطیہ سے ناامید نہ فرمائیں کہ ناامیدی نزد کفر ہے"۔

اس پر ٹھگ کو اپنی سوچی سمجھی ترکیب کامیاب ہوتی ہوئی نظر آئی کہ چلو تیر نشانے پر جالگا ہے۔فوراً گدھے سے اترا اور کوٹ اپنے جسم سے اتارا۔امیرزادے نے تیزی سے اپنی قیمتی بھاری بھرکم پوستین سموروالی فوراً ٹھگ کے حوالے کی،ساتھ ہی گھوڑے کی لگام بھی ٹھگ کے حوالے کی اور کوٹ اوڑھ کر گدھے پر بہ یک زقند سوار ہوا۔اور ٹھگ انتہائی خوشی ومسرت کے ساتھ پوستین پہن کر رکاب میں پاؤں ڈال گھوڑے پر سوار ہوا۔لگائی چابک،اور گھوڑا طوفانی ہوا سے باتیں کرتا ہوا یہ جاوہ جا۔سرپٹ بھاگا۔اور پھر یہاں پر کیا بہترین قابل دید نظارا تھا۔امیرزادہ نے بڑی امنگوں وولولوں اور ترنگ سے گدھے کو پچھارا،شِشکارا، گدھا اپنے دیرینہ عادت وخصلت کے مطابق لرزتے لڑھکاتے قدموں سے انتہائی سست روی وکم رفتاری سے ڈگمگاتے پیروں سے روانہ ہوا۔

امیرزادہ نے لاکھ جتن کیے دھمکایا۔ڈرایا گرجا دھاڑا مارا گدھے کی پشت پر رکھی لاٹھی کو اٹھایا گدھے کی پیٹھ،گردن اور سر پر لاٹھی برسائی لیکن کیا مجال،گدھے نے اپنی جسمانی کمزوری لاغری،کم خوراکی،اپنے مقررہ حسب سابق رفتار سے ایک قدم بھی زیادہ نہیں بڑھایا۔یعنی گدھے نے پرانی رفتار وچال کو برقرار رکھا۔تیزی نہ آئی اور نہ آنے کی امید تھی۔جان کے لالے پڑگئے۔اذیت ناک موت آنکھوں اور تصور میں سامنے ناچنے لگی۔جب عقب کی طرف نگاہ ڈالی تو نہ گھوڑا تھا نہ جوڑا تھا۔گھڑسوار یہ جاوہ جا اڑن چھو ہو چکا تھا۔اب امیرزادے کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ وہ ٹھگ اسے بے وقوف بنایا گیا تھا۔مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔چنانچہ صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

سبق : اس کہانی سے ہمیں یہ نصیحت ہوتی ہے کہ کبھی راہ چلتے کسی راہ گیر کی باتوں میں نہ آئیں اور ان سے ہوشیار رہیں ورنہ پچھتانا پڑے گا۔

☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خیرالدین باربروسہ

آج میں آپ کو ایک ایسے بحری قزاق کی کہانی سنا رہی ہوں جو شروع میں صرف نام کا ہی مسلمان تھا۔ اس میں مسلمانوں والی کوئی بات نہیں تھی لیکن جب نورِ ایمان کی کرنوں نے اس کے سینے کو منور کیا تو یہی قزاق (سمندری ڈاکو) ان مسلمانوں کا محافظ بن گیا جنھیں وہ لوٹ لیا کرتا تھا۔ یہ امیر البحر خیرالدین باربروسہ تھا۔ اس کے بال سرخ رنگ کے تھے اس وجہ سے اس کا لقب باربروسہ پڑ گیا تھا۔

1520ء سے 1540ء تک بحیرہ روم پر دو بحری بیڑے حکومت کرتے تھے۔ ایک بحری بیڑا، اطالیہ کے شاہ چارلس پنجم کا تھا اور دوسرا بیڑا خیرالدین باربروسہ کا تھا۔ انہیں سمندر میں جو بھی جہاز نظر آتا اسے بلاامتیاز مذہب وملت لوٹ لیتے اور سمندر میں غرق کر دیتے ان دنوں عراق پر مسلمانوں کی حکومت تھی وہ اگرچہ خیرالدین باربروسہ کو عیسائی حکومتوں کے خلاف استعمال کرتے تھے لیکن ابھی تک ان کے درمیان باقاعدہ رابطہ قائم نہ ہوا تھا۔ خیرالدین باربروسہ شاہ تیونس سلطان محمد کے تعاون سے ایک چھوٹا بیڑا تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا اور الجزائر کے بیشتر علاقے پر قابض ہو گیا۔ باربروسہ اپنے بھائیوں میں سے سب سے زیادہ دلیر اور بہادر تھا۔ اس میں ملکی انتظام کا بھی سلیقہ تھا۔ دانشمند اتنا تھا کہ اس وقت تک جنگ شروع نہ کرتا جب تک کامیابی کا یقین نہ ہو جاتا۔ ہسپانیہ کے بیڑے بھی باربروسہ کی طرح قزاقی کرتے تھے۔ باربروسہ ان کا سب سے بڑا مخالف تھا وہ مسلمان ہو کر مسلمانوں کا دشمن تھا۔ ایک دن باربروسہ کا بحری بیڑا سمندر میں لنگر انداز تھا جو اندر سے ایک خوبصورت محل کی طرح وسیع تھا۔ باربروسہ اپنے جہاز سے سمندر کا نظارہ کر رہا تھا کہ اسے ایک شاہی جہاز ادھر آتا دکھائی دیا باربروسہ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ جب جہاز ذرا قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ جہاز کے عرشے پر ایک شہزادی اپنی کنیزوں کے ساتھ کھڑی ہے اور جہاز پر تیونس کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ شہزادی اتنی خوبصورت تھی کہ باربروسہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ باربروسہ نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ شہزادی کو اور اس کے ساتھیوں کو نہایت احترام کے ساتھ اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ شہزادی کا نام شہزادی لحیہ تھا۔ شہزادی کو پتھر کے محل میں ٹھہرایا گیا جس کا طرزِ تعمیر خالص رومی انداز کا تھا۔ جب باربروسہ نے شہزادی کے آنے کا مقصد پوچھا تو شہزادی نے بتایا کہ وہ سمندر کی سیر کو نکلی تھی راستے میں اس کو طوفان نے گھیر لیا اور وہ راستہ بھٹک کر اس طرف آ نکلی۔" پھر شہزادی نے پوچھا......

"معلوم ہوتا ہے آپ مسلمان ہیں۔"

"نہیں میں ایک قزاق ہوں" باربروسہ نے جواب دیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شہزادی لحیہ نے کہا "میں سلطان محمد شاہ تیونس کی بیٹی ہوں۔ اگر تم نے مجھے کوئی نقصان پہنچایا تو اپنا انجام سوچ لو۔" باربروسہ نے کہا "غور سے سنو تمہارا باپ صرف تیونس کا بادشاہ ہے۔ لیکن میں یورپ اور افریقہ کے تمام ساحلوں کا شہنشاہ ہوں۔ بحیرہ روم کے بسنے والے تمام ملک میرے نام سے کانپتے ہیں۔" شہزادی نے نہایت نفرت اور حقارت سے کہا "تم کیسے مسلمان ہو جس کے ہاتھ سے کسی کی عزت محفوظ ہے اور نہ جان ومال۔ بیشک میں تمہارے دشمن کی بیٹی ہوں لیکن ہوں تو مسلمان"۔

"بس شہزادی بس کرو" باربروسہ کانپتا ہوا کھڑا ہو گیا "میں گنہگار ہوں بہت گنہگار۔ تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔" باربروسہ کے تمام غلام حیران وپریشان کھڑے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ باربروسہ کو بڑے سے بڑا اور طاقتور آدمی بھی سیدھے راستے پر نہیں لا سکا لیکن اس کمزور سی لڑکی نے اس کا سارا غرور توڑ دیا ہے اور اس کی گردن جھکا دی ہے۔ آج تک باربروسہ کے سامنے کسی نے اونچی آواز میں بولنے کی جرات تک نہیں کی لیکن اس لڑکی نے تو بڑے بڑوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ باربروسہ کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور وہ مہینوں کا بیمار دکھائی دے رہا تھا۔ شہزادی نے کہا۔" باربروسہ ہمت سے کام لو۔ قدرت نے تمہیں اس لئے پیدا نہیں کیا کہ تم اپنی طاقت کو غلط کاموں میں استعمال کرو۔ آنکھیں کھولو اور اپنے کان ان مظلوموں کی آوازوں پر لگاؤ جو ہسپانیہ، جنیوا اور اطالیہ کے ساحل پر عیسائیوں اور رومیوں کے ظلم وستم کا شکار ہو رہے ہیں اور تمہیں مدد کیلئے پکار رہے ہیں۔ مجھ جیسی کتنی ہی لڑکیاں پھر کسی طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کو بھیجنے کی دعائیں مانگ رہی ہیں۔"

باربروسہ اس طرح اٹھا جیسے شیر نیند سے بیدار ہوتا ہے اس کی آنکھوں میں پھر وہی دلیرانہ چمک تھی۔ اس کے بعد اس نے مسلمانوں کیلئے بہت سی جنگیں لڑیں اور ہر مقام پر مسلمانوں کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ اب وہ ایک سچا اور پکا مسلمان بن چکا تھا۔ خیرالدین کی عظیم الشان کامیابیوں کے صلے میں قسطنطنیہ کے شاہ اور تمام امراء نے مل کر ایک تقریب منعقد کی جس میں خیرالدین باربروسہ کو امیرالبحر کے لقب سے نوازا اور پورے عثمانی بیڑے کا امیر مقرر کر دیا۔ باربروسہ نے تیونس کی شہزادی لحیہ سے شادی کر لی۔ تیونس میں عیسائی لشکر نے اودھم مچا دیا۔ چارلیس پنجم، شاہ تیونس سلطان محمد کی حفاظت کو آیا تو تھا لیکن وہ تیونس پر قبضہ کر بیٹھا عوام کی اب آنکھیں کھلیں۔ انہوں نے بغاوت کر دی لیکن عیسائی لشکر کا کچھ نہ بگڑا۔ بے شمار آدمی مارے گے۔ بستیاں اجڑ گئیں۔ آبادیاں ویران ہو گئیں۔ مسجدوں کو گرجاؤں میں تبدیل کر دیا گیا۔ اب ہر ایک کی زبان پر باربروسہ کا نام تھا۔ جو پہلے باربروسہ سے نفرت کرتے تھے اب باربروسہ کے منتظر تھے۔ آخر کار مظلوم مسلمانوں کی آہیں کارگر ہوئیں۔ امیرالبحر خیرالدین باربروسہ ایک سو چالیس جہازوں کے ساتھ پھر بحیرہ روم میں نمودار ہوا۔ اس بحری بیڑے کی خبر جب تیونس پہنچی تو چارلس پنجم نے گھبرا کر تیونس خالی کر دیا۔ چارلس پنجم نے ہنگری کے بادشاہ اور جمہوریہ وینس سے ایک معاہدہ کر کے ایک مشترکہ بحری بیڑا تشکیل دیا اور اس کا امیر آندرے گورویا کو مقرر کیا۔ اب امیرالبحر باربروسہ نے اپنی زندگی کی سب سے عظیم الشان جنگ لڑی۔ دونوں بحری بیڑوں کا مقابلہ پریویسا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے مقام پر ہوا۔ باربروسہ نے ڈوریا کو زبردست شکست دی۔ عیسائیوں کا بھاری جانی نقصان ہوا اور جنوں جہاز غرق ہوئے اور بڑی تعداد میں باربروسہ کے ہاتھ لگے۔ اس جنگ نے جنوبی یورپ کی بڑی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔ باربروسہ فتح حاصل کرنے کے بعد اپنی بیوی شہزادی لحیہ کو اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے آیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اس دنیا کے عظیم ترین امیر البحر نے قریباً نوے (۹۰) سال کی عمر میں وفات پائی اور بشک طاق میں دفن کیا گیا۔ اس کی وفات کے ایک عرصے تک یہ رسم رہی کہ جب ترکی بیڑا کسی مہم پر جاتا تو پہلے باربروسہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے جاتا اور ایک توپ کی سلامی دیتا۔

☆☆☆☆☆☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اہم ترین کام:

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com